بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

حیاتِ بقاپوری

(مکمل)

مولوی محمد ابراہیم بقاپوری

پیش لفظ

ہمارے دادا حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری (ولادت ۱۸۷۳ء۔وفات ۱۹۶۴ء) رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صاحبِ کشف والہام بزرگ اور میدانِ عمل میں صفِ اوّل کے مجاہد تھے۔ جنہوں نے ساری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وقف رکھی۔

آپ نے ۱۸۹۱ء میں پہلی بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور پھر بار بار قادیان جاتے رہے اور حضورؑ سے ملتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں باقاعدہ بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوگئے۔ اِسکے بعد تبلیغی جہاد کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو دمِ آخر تک جاری رہا۔ حق کا پیغام پہنچانے کے لئے ہزارہ سے لے کر بنگال تک کے سفر کئے اور ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک سندھ میں امیر التبلیغ کے فرائض بھی نہایت خوبی سے سرانجام دیئے، جسکے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بیعت لینے کا خاص شرف بھی عطا کیا۔

۱۹۵۰ء کی دہائی میں مولانا نے حیاتِ بقاپوری کے نام سے اپنی آپ بیتی لکھ کر چار حصّوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے تعاون سے شائع کروائی:

۱۔ محترم حکیم مولوی عبداللطیف صاحب شاہد
۲۔ محترم علی محمد صاحب۔ قائم مقام ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز
۳۔ محترم بشارت احمد بشیر صاحب۔ نائب وکیل التبشیر
۴۔ محترم مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری۔ سابق پروفیسر جامعۃ المبشرین

ہمارے والد محترم ڈاکٹر محمد اسحاق بقاپوری صاحب ابن حضرت مولانا ابراہیم صاحب بقاپوری نے چند سال قبل حیاتِ بقاپوری کے تمام حصّوں کو یکجا کر کے شائع کروانے کا بیڑا اٹھایا اور کام کافی حد تک مکمل بھی کر لیا۔ لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ۲۰۰۷ء میں کتاب کے شائع ہونے سے پہلے ہی وفات پاگئے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے ہم بھائیوں کو یہ توفیق دی کہ چاروں حصّوں کو دوبارہ سے ترتیب دے کر ایک مکمل کتاب کی صورت میں شائع کرادیں۔ اس نئی ترتیب میں محترمہ عفیرہ شازیہ اہلیہ محمد سلیمان بقاپوری اور محترم اوّاب ابراہیم بقاپوری ابن محمد یعقوب بقاپوری نے قابلِ قدر تعاون کیا اور دعاؤں کے حقدار بنے۔

مولانا کی آپ بیتی اُنکی تکلفات سے عاری اور بالکل صاف طبیعت کی آئینہ دار اور طالبانِ حق کے لئے ایک مشعلِ راہ ہے جس سے انشاء اللہ آئندہ نسلیں بھی مستفیض ہوتی رہیں گی۔

خاکسار

محمد یعقوب بقاپوری

محمد ادریس بقاپوری

محمد سلیمان بقاپوری

جون۔۲۰۱۰ء

ماڈل ٹاؤن، لاہور

فہرست مضامین

باب اوّل ---------------------------------- ۵

خاندانی حالات، پیدائش تعلیم، ملازمت، بیعت،

اکتساب علم ورشد وہدایت، ریاضات ومجاہدات

باب دوم ---------------------------------- ۳۵

دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ

۔۔مخالفوں کے مقابلے میں دلائل کے رنگ میں غلبہ . . . ۳۷

۔۔مسائل دینیہ تبلیغی واقعات کے رنگ میں ۱۳۷

۔۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے ضروری ہدایات ۱۴۵

باب سوم ---------------------------------- ۱۴۸

اجابتِ دعاؤں کے ایمان افزا واقعات

باب چہارم ---------------------------------- ۲۱۹

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمات طیبات

باب پنجم ---------------------------------- ۲۸۳

خلافتِ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ کے اہم چشمدید واقعات

باب ششم ---------------------------------- ۳۳۳

احباب کے تاثرات وخطوط

باب اول

خاندانی حالات، پیدائش، تعلیم، ملازمت، بیعت رُشدیہ سلسلہ عالیہ احمدیہ، اکتساب علم ورشد وہدایت ریاضات ومجاہدات۔

خاندانی حالات:۔

ہمارے بزرگ ابتداء میں موضع پٹن وال ضلع جہلم میں بودوباش رکھتے تھے۔وہاں سے ہمارے مورث مولوی محمد سعید صاحب جالب کھوکھر نے ۱۱۵۶ھ ہجری میں اپنے ننھال موضع بقاپور میں رہائش اختیار کرلی۔الحمدللہ۔ اللہ کا فضل ہے کہ ہمارا خاندان نیک اور متقی چلا آیا ہے اور علم دین سے ہمیشہ مرصّع رہا ہے۔چوہدری بڈھا جو میرے دادا تھے اُن کے چار بیٹے تھے۔امام الدین، چراغ دین، شمس الدین، صدرالدین۔امام الدین اور چراغ دین اچھے لکھے پڑھے اور فارسی دان تھے۔ چراغ دین مرحوم اپنی بیوی کے فوت ہوجانے کیوجہ سے ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے۔مکرم تایا چراغ دین صاحب مرحوم بہت نیک ولی اللہ بزرگ تھے۔اکثر حصہ رات کا وہ مسجد میں نفل پڑھتے گزار دیتے اور جو مسافر آتا خواہ آدھی رات ہوتی تو والدہ صاحبہ مرحومہ کو کہتے کہ تازہ روٹی پکا کردو۔چنانچہ وہ بڑی خوشی سے حکم کی تعمیل کرتیں۔ہمارے تایا نے ۱۸۸۴ء میں وفات پائی۔اُن کی وفات پر میری والدہ مرحومہ نے فرمایا کہ یہ کہتے تھے کہ ابراہیم تمہارے گھر ایک نور لائے گا جسے تم وقت پر سمجھ لوگے۔اس سے مراد اُن کی نورِ احمدیت تھی کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے خاندان میں پہلا احمدی ہوں۔

ہمارے والد چوہدری صدرالدین صاحب اپنے باپ کے ساتھ ہی کاشتکاری کرتے تھے اور ہماری والدہ

مرحومہ دیندار پابند صوم وصلوٰۃ تھیں۔ ویسے رفاہِ عامہ کے کاموں میں بہت حصہ لیتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی بیماریوں کا علاج بلا معاوضہ کرتی تھیں۔ والد صاحب مرحوم بھی بہت ہی ہمدرد انسان تھے اور سچائی کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے دو واقعات جب بھی یاد آتے ہیں ہمیشہ روح کو فرحت بخشتے ہیں۔

(۱) جب دادا صاحب کا انتقال ہوا تو والد صاحب نے اپنے بیوی بچوں سمیت (اُس وقت اُن کی دو ہی لڑکیاں تھیں) موضع چک چٹھہ میں رہائش اختیار کر لی اور باقی بچے چک چٹھہ میں پیدا ہوئے۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی تھیں کہ وہاں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک غریب آدمی کا لڑکا بیمار ہو گیا اُس کو گائے کے دودھ کی ضرورت تھی اور گائے کا دودھ گاؤں میں کسی سے نہیں ملتا تھا صرف ہمارے گھر میں گائے تھی جو دودھ دیتی تھی۔ مریض کے والد کو تمہارے والد اپنے ساتھ گھر لے آئے اور گائے مریض کے تندرست ہونے تک اُن کو دے دی اور تمہارا کوئی خیال نہ کیا۔

(۲) چک چٹھہ کے نمبردار نے حضرت والد سے کہا کہ میرے مقدمہ میں شہادت دو۔ والد صاحب نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت میں نہیں دُوں گا۔ اُس نے کہا میرے گاؤں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ اُس کے گاؤں کی رہائش چھوڑ دی لیکن جھوٹی گواہی نہ دی۔

حضرت والد صاحب سب بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ آج صرف انہی کی اولاد صاحبِ اولاد ہے۔ باقی تینوں بھائی لا اولاد فوت ہو گئے۔ ہم تین بھائی تھے اور ہماری چار بہنیں تھیں۔ تین بہنیں صاحبِ اولاد ہیں اُن کی اولاد میں سے صرف ایک میرا بھانجا حکیم عبید اللہ رانجھا مع اہل وعیال احمدی ہے اور اپنے باپ مرحوم کی طرح مخلص احمدی ہے۔ باقی بہنوں کی اولاد غیر احمدی ہے۔

الحمدللہ کہ میرے احمدی ہونے سے میرے والدین اور دونوں بھائی دو بہنیں اور بھاوجیں اور بھتیجے سب احمدی ہو گئے۔ میرے بڑے بھائی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم بڑے عالم فاضل اور متقی ملہم شخص تھے۔ ایسا ہی میرا چھوٹا بھائی محبوب عالم بھی دیندار پابند صوم وصلوٰۃ شخص مسیح موعودؑ سے بیعت اور تبلیغ کا جوش رکھنے والا تھا۔ میرا بڑا بھتیجا چوہدری محمدؒ سعید اعلیٰ نمبردار بقاپور اور میرا چھوٹا بھتیجا مولوی محمد حفیظ مولوی فاضل و ایف اے واعظ مقامی ودرویش قادیان ہے۔ پسران مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم اپنے والد کی طرح مخلص احمدی ہیں خصوصاً مولوی محمد حفیظ تو قابلِ رشک احمدی ہے۔ میرے اس وقت تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ چھ پوتے دو پوتیاں اور تین نواسے اور چار نواسیاں ہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

غرض ہمارا خاندان شروع سے خدا تعالیٰ کے فضل سے دیندار اور علم کا شائق چلا آرہا ہے۔ خاندان میں اچھے اچھے عالم پیدا ہوتے رہے ہیں۔ حضرت اورنگ زیبؒ کے دربار میں ہمارے مورث اعلیٰ حافظ سعد اللہ صاحب درباری تھے اور چوہدری محمد سعید صاحب نے ایک ہزار فقہی مسائل پر مشتمل ایک کتاب جس کا نام انہوں نے ''ہزاری'' رکھا تھا تالیف کی تھی۔ اس کے خاتمہ پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر شدہ تھی۔

''بدست فقیر حقیر محمد سعید عرف جالب تحریر نمود ۱۱۶۴ ہجری''

افسوس کہ یہ کتاب غیر مطبوع ہونے کے باعث اب کہیں تلف ہوگئی ہے۔

چوہدری محمد سعید صاحب جیسا کہ پُرانے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے ۱۱۵۶ ہجری میں اپنے ننہیال کی زمین پر بقاپور آئے اُن کا بیٹا شیر محمد بڑا مشہور عالم اور زمیندار تھا جب گاؤں کے سکھوں نے ہماری زمین زبردستی چھین لی تو چوہدری شیر محمد صاحب خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار سے مندرجہ ذیل حکم نامہ لے آئے اور اپنی زمین حاصل کر لی۔

قطبا ذیلدار حمید پور بداند

اعلام کہ بُو رَدُ پروانہ مزاحم آئمہ (جاگیر، ناقل) میاں شیر محمد نباشند دواجب منظور خاطر عاطر عالیست داگر فرق و مزاحمت کردند دستک صادر خواہد شد دریں باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور آرند۔ تحریر سمت ۱۸۷۳ بکرمی

(مہر)

دار العدالت رنجیت سنگھ ۱۸۶۹ء

(ترجمہ)

قطبا ذیلدار حمید پور کو معلوم ہو کہ سرکار عالی مدار کا منشاء مبارک یہ ہے کہ حکم ہذا کے پہنچنے کے بعد کوئی شخص میاں شیر محمد کی جاگیر کا مزاحم نہ ہو اور اگر کوئی مزاحمت کرے گا تو مستوجب سزا ٹھہرے گا۔ اس معاملہ میں مزید تاکید جانیں اور حسب الحکم اس فیصلے پر عمل کریں۔ تحریر سمت ۱۸۷۳ بکرمی

(مہر)

دار العدالت رنجیت سنگھ ۱۸۶۹ء

شجرہ نسب:۔

محمد ابراہیم المعروف مولوی بقاپوری بن چوہدری صدرالدین بن چوہدری بڈھا بن چوہدری غلام رسول بن شیر محمد بن محمد سعید بن حافظ سعداللہ قوم جالب زمیندار کھوکھر۔

پیدائش:۔

میری پیدائش ماہ اسوج ۱۹۳۷ بکرمی مطابق ماہ اکتوبر ۱۸۷۳ء بمقام چک چٹھہ تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ پنجاب کی ہے۔

تعلیم وابتدائی حالات:۔

سات سال کی عمر میں تیسری جماعت تک سرکاری مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ آٹھویں سال یعنی ۱۸۸۱ء میں وہاں سے میں اپنے جدی مقام بقاپور ضلع گوجرانوالہ میں آ گیا۔ یہاں حمید پور نامی گاؤں میں جو بقاپور سے دو میل کے فاصلہ پر ہے ایک مولوی صاحب کے پاس قرآن شریف اور کچھ فارسی (گلستاں بوستاں تک) پڑھی۔

انہی دنوں یعنی ۱۸۸۳ء میں انتشار نجوم ہوا جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں فرمایا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہاں ایک زمیندار نے مولوی صاحب سے صبح آ کر اس کا ذکر کیا کہ آج ساری رات ستارے گرتے رہے ہیں۔

۱۸۸۴ء میں مَیں لاہور نیلا گنبد کے مدرسہ رحیمیہ میں داخل ہوا اور قدوری، کافیہ اور فصول اکبری وغیرہ کتب پڑھیں اور ۹۰-۱۸۸۹ میں دو سال تک لدھیانہ میں مولوی عبدالقادر صاحب احمدی مرحوم لدھیانوی سے تعلیم پائی اور ۱۸۹۱ء میں مجھے مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونے کا موقع ملا۔ میرے استاد مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم نے مجھے آٹھ آنے دیکر محلّہ اقبال گنج لدھیانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس کتاب فتح اسلام لانے کیلئے بھیجا تھا۔ عصر کی نماز میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیچھے پڑھی۔ اس کے بعد ۱۸۹۱ء سے لے کر ۱۸۹۳ء تک مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مَیں نے اپنی تعلیم مکمل کی اور ۱۸۹۳ء میں ہی مَیں مدرسہ عربی شہر مندرا ریاست کچھ بھوج میں اوّل مدرس عربی متعین ہوا۔ اُس وقت میری عمر تقریباً بیس سال تھی۔ وہاں کا ایک واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رمضان شریف میں جو کسوف خسوف ہوا تھا مجھ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا ان تاریخوں میں جو سورج اور چاند کو گرہن ہوا ہے یہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی علامت ہے؟ اس نشان سے تو معلوم ہوتا

ہے کہ مرزا صاحب سچے ہیں۔ میں اس وقت چونکہ غیر احمدی تھا میں نے اُن کو یہ جواب دیا کہ یہ علامت حضرت امام مہدی کے پیدا ہونے کی ہے یوں سمجھو کہ امام مہدی پیدا ہو چکا ہے۔ لیکن اس کا اثر میرے دل پر یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف میری توجہ ہوگئی اور میں کبھی کبھی قادیان آیا جایا کرتا تھا اور میں اپنے پرانے دوستوں شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، مولانا سید سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اور قاضی میر حسین صاحب رضی اللہ عنہ سے ملتا رہتا تھا اور ہر بار قادیان آنے کے ساتھ میں سلسلہ کے قریب ہوتا جاتا تھا اور جماعت کے ساتھ میرا تعلق روز بروز پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ ۱۹۰۳ء میں ایک بار جب میں قادیان گیا تو میرے ایک سوال پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

مولوی صاحب! یہ ایمان نہیں کہ تھوڑے سے امتحان میں انسان کمزوری دکھائے اور اس اثناء میں حضور نے وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ (۲:۱۵۶) کی جو تفسیر بیان فرمائی اس سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب گھر جا کر جب دوبارہ قادیان آؤں گا تو ضرور بیعت کے لیے تیار ہو کر آؤں گا۔

ان دنوں میں اپنے ننھیال میں اپنے ماموں کے پاس قصبہ مرالی والا ضلع گوجرانوالہ میں رہا کرتا تھا۔ میں نے قادیان سے واپسی پر گاؤں میں پہنچتے ہی اس بات کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کاذب نہیں بلکہ صادق مسلمان ہیں اور جیسے مسلمانوں میں اہلحدیث اور حنفی وغیرہ مختلف فرقے ہیں۔ احمدی جماعت بھی مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ ہے۔ جب اس طرح کا چرچا ہوا تو مرالی والا کے اہلحدیث گروہ نے مجھے سمجھانے کے لیے مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کو امرت سر سے منگوایا مبادا کہ میں احمدی ہو جاؤں۔ مولوی عبدالجبار صاحب آئے تو بجائے اس کے کہ مجھے دلائل سے قائل کرتے اور کہتے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ صحیح نہیں انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کر دیا کہ تم مرزا صاحب کے کافر ہونے کا اعلان کرو جیسا کہ دوسرے دو سو علماء نے آپ کے عقیدہ وفات مسیح ناصری علیہ السلام اور دعویٰ مسیحیت و مہدویت کے باعث کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میری عجیب دستگیری فرمائی۔ میرے پاس اتفاقاً مولوی غلام قادر صاحب کٹر حنفی کا فرقہ اہلحدیث کے متعلق فتوئے کفر موجود تھا اور چونکہ میں بھی اُس وقت حنفی المذہب تھا۔ اس لیے میں نے جرأت سے مولوی عبدالجبار صاحب کو کہا کہ میں حنفی ہوں اور میرے پاس حنفی مذہب کے بہت بڑے عالم مولوی غلام قادر صاحب کا فتویٰ اہل حدیث گروہ کے کافر اور خارج از اسلام اور مرتد ہونے کے متعلق موجود ہے جس کی بناء پر میں آپ کو تو کافر کہنے کے لیے تیار ہوں لیکن مرزا

صاحب کو کافر نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے بار ہا قادیان جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھا، اُن کی باتیں سُنیں، اُن میں کوئی ایسی بات مجھے نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے میں اُنہیں کافر کہنے کی جرأت کروں۔ اس پر اس نے لوگوں کو کہنا شروع کیا کہ یہ تو پکا مرزائی ہو چکا ہے اور مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے رسالہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں اپنی نبوت کا صاف اعلان کیا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد آپ کی اُمت میں سے کوئی بھی شخص نبی یا رسول کا خطاب پا کر نہیں آ سکتا۔ چونکہ میں نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ نبوت پر کبھی غور نہ کیا تھا اور نہ مجھے اس مسئلہ کی حقیقت سے پوری آگاہی تھی۔ اس لیے میں نے اس کے متعلق کسی قسم کی بحث کی طرح نہ ڈالی لیکن مجھے اپنے تجربہ کی بناء پر اور حضرت اقدس علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کے عملی نمونہ کو دیکھنے کی وجہ سے پورا اطمینان تھا کہ حضور حق پر ہیں اور آپ کی زندگی قال اللہ وقال الرسول کے مطابق ہے۔

انہی دنوں کا عجیب واقعہ ہے کہ جب مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی مجھے احمدیت سے روکنے کے لیے مرالی والا میں مقیم تھے۔ دو شخص جو باپ بیٹا تھے آئے اور مولوی عبدالجبار صاحب سے پوچھنے لگے کہ یہ جو مشہور خبر ہے کہ مہدی کے وقت چاند گرہن اور سورج گرہن رمضان شریف میں ہو گا کیا یہ حدیث صحیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے؟

اس کے جواب میں مولوی صاحب کہنے لگے کہ ہاں یہ بالکل صحیح حدیث ہے۔ اس پر ان دونوں میں سے بوڑھے نے جو دوسرے نوجوان کا باپ تھا کہا آؤ بیٹا واپس چلیں ہم نے جو کچھ دریافت کرنا تھا کر لیا۔ اس پر مولوی صاحب انہیں بلا کر کہنے لگے دیکھو بھئی! کہیں تم مرزا کے پھندے میں نہ پھنس جانا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ میری صداقت کا نشان ہے۔ قرآن کریم میں اس نشان کا ذکر نہیں ہے۔ اور اگر اسے مان بھی لیں تو یہ مہدی کی پیدائش کی علامت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی پیدا ہو چکا ہے۔ یہ بات سن کر بوڑھا کہنے لگا۔ مولوی صاحب میں نے جو کچھ آپ سے پوچھنا تھا وہ آپ نے بتا دیا کہ واقعی اس نشان کا ذکر اور اس پیشگوئی کا بیان حدیث میں آیا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ یہ نشان مرزا صاحب کی صداقت دعویٰ کا ثبوت ہے یا نہیں یا امام مہدی کی پیدائش کی علامت ہے یا نہیں اس کے متعلق عرض ہے کہ میں ہمیشہ زمینوں کا کام کرتا رہا ہوں اور اس دوران میں کئی مقدمے بھی در پیش آئے۔ میں دعویٰ کرتا تھا اور مدعا علیہ انکار کر دیتا تھا اور اس پر مجھے گواہ پیش کرنے پڑتے تھے۔ ایسا ہی ان دو گواہوں یعنی رمضان شریف کی مقررہ تاریخوں تیرھویں اور اٹھائیسویں میں چاند گرہن اور سورج گرہن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیشگوئی اور خبر غیب کے مطابق ثابت کر دیا کہ دنیا میں کوئی مدعی مہدویت موجود ہے جس کا انکار کیا جارہا ہے اور اس کی صداقت دعویٰ پر اللہ تعالیٰ نے تیرہ سو سال کی پیشگوئی کے مطابق آسمان پر دو عظیم الشان گواہ پیش کئے ہیں۔اس عجیب واقعہ کے بعد مجھے احمدیت کی طرف اور زیادہ توجہ ہوگئی۔الحمدللہ۔

اس واقعہ کے بعد میں نے مخفی طور پر جلد جلد قادیان جانا شروع کیا اور اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں مسئلہ نبوت کے متعلق بھی پوری تحقیقات کر کے اپنی تسلی کر لی اور پھر ۱۹۰۵ء میں بیعت کے لیے مصمم ارادہ کر کے قادیان جا پہنچا۔

جب میں بیعت کے ارادہ سے قادیان جانے لگا تو اپنے بڑے بھائی محمد اسمٰعیل کو (جو عالم فاضل اور صوفی منشی آدمی تھے) اپنے ساتھ لے گیا اور انہیں کہا کہ اگر آپ کو وہاں پر کوئی امر خلاف شریعت نظر آئے تو مجھے بتلادیں کہ یہ غلطی ہے اور اگر آپ قادیان کی فضاء کو اسلامی شریعت کے عین مطابق پائیں تو بھی آگاہ کر دیں کہ یہ درست اور صحیح ہے اس میں میرا مقصد یہ تھا کہ وہ بھی اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیں اور میری اور اُن کی مخالفت نہ ہو۔راستہ میں پیدل چلتے ہوئے جب ہم دریائے راوی کو عبور کر کے فتح گڑھ چوڑیاں پہنچے تو ہم نے وہاں پر دو آدمیوں سے بٹالہ کا راستہ دریافت کیا۔وہ دونوں مسلمان تھے۔انہوں نے کہا کہ تم نے بٹالہ جانا ہے؟ اس پر میرے بھائی صاحب نے کہہ دیا کہ ہم نے بٹالہ سے آگے قادیان جانا ہے یہ سُنتے ہی ان دونوں نے بے نقط گالیاں ماں بہن کی نکالنی شروع کر دیں۔کہ ان دونوں کو دیکھو انہوں نے داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں۔مولوی معلوم ہوتے ہیں۔مگر نہ معلوم انہیں کیا ہو گیا ہے کہ مرزا کے پاس گمراہ ہونے جارہے ہیں۔ہم وہاں سے چل پڑے اور وہ دونوں وہاں پر ہی کھڑے گالیاں دیتے رہے۔

جب ہم آگے بڑھے تو میرے بھائی نے کہا کہ ابراہیم اب ہم کسی مسلمان سے راستہ نہیں پوچھیں گے بلکہ کسی ہندو یا سکھ سے دریافت کر لیا کریں گے۔اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے تیرا مرزا سچا ہے۔خیر ہم رات بٹالہ میں رہے اور اس کے بعد ہم نے ہندوؤں سے راستہ دریافت کیا اور دوسرے دن قادیان پہنچ گئے۔

میں نے اپنے بھائی کو استخارہ کے لیے کہا۔تین دن استخارہ کرنے کے بعد انہوں نے مجھے کہا مرزا صاحب واقعی سچے ہیں اس لیے تم بیعت کر لو۔میں نے کہا جب یہ بات ہے تو آپ بھی بیعت کر لیں۔اس پر وہ کہنے لگے کہ میرا اور تمہارا معاہدہ یہی تھا کہ تم مجھے بیعت کے لیے نہ کہو گے۔اب تو میں دستی بیعت نہیں کرتا تا کہ گاؤں والوں کو کہہ سکوں کہ میں نے بیعت نہیں کی ابراہیم نے کر لی ہے اور میں پھر کسی وقت خط کے ذریعہ بیعت کر لوں گا۔

واقعہ بیعت

قادیان پہنچنے کے بعد چوتھا روز تھا کہ میں نے بیعت کا ارادہ کرلیا۔ اُس دن حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت ناساز تھی اور آپ نے طبّی ضروریات کے ماتحت مُسہل لیا ہوا تھا اور آپ کی عیادت کے لیے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ، خواجہ کمال الدین صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب وغیرہ اصحاب بیت الفکر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور کو میرے متعلق اطلاع کی گئی کہ وہ بھی حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ حضور نے ازراہ شفقت و مرحمت مجھے بھی اندر آنے کی اجازت فرمائی۔ چونکہ اس وقت وہاں پر کوئی خالی کرسی یا موڑھا وغیرہ نہ تھا اس لیے میں نیچے بیٹھنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ حضور نے مجھے فرمایا نہیں نہیں آپ میرے پاس چارپائی پر بیٹھ جائیں۔ میں جھجکتے ہوئے پاؤں نیچے لٹکا کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ حضور نے کمال مہربانی سے ارشاد فرمایا:۔

مولوی صاحب میری طرح چارپائی پر پاؤں رکھ کر بیٹھ جائیں۔ میں حضور کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کی حضور اب مجھے کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہا اور حضور نے تین چار روز یہاں قیام کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ آج چوتھا دن ہے حضور میری بیعت لے لیں۔ حضور نے ہاتھ بڑھایا اور میری بیعت لے لی۔ اس نظارہ سے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ جو وہاں تشریف فرما تھے بہت ہی متاثر ہوئے اور فرمانے لگے:۔

''مولوی صاحب اس طرح کی بیعت کرنا آپ کو مبارک ہو۔''

بیعت کے بعد گاؤں میں واپسی

جب میں بیعت کر کے اپنے ننھیال قصبہ مرالی والا میں واپس پہنچا تو میں نے اپنی بیعت کا کسی سے ذکر نہ کیا اور ظہر کی نماز پڑھائی اس کے بعد عصر کی نماز بھی پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد میں نے حاضرین سے کہا کہ آپ لوگ سنتیں پڑھ کر بیٹھے رہیں۔ جب لوگ فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ میں جیسے پہلے نماز پڑھایا کرتا تھا اُسی طرح پڑھائی ہے یا کوئی کمی بیشی کی ہے؟ سب نے کہا کہ نہیں اُسی طرح پڑھائی ہے جس طرح پہلے پڑھایا کرتے تھے۔ اس پر میں نے کہا کہ میں قادیان گیا ہوا تھا وہاں پر میں نے دیکھا ہے کہ احمدیوں کا یہی قبلہ ہے۔ یہی

نماز ہے۔ یہی قرآن ہے۔ اور وہاں پر ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر رہتا ہے اور دین اسلام کی تقویت اور اشاعت کا کام ہو رہا ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ احمدیوں کا کلمہ الگ ہے یا قبلہ علیحدہ ہے یا قرآن نیا ہے یا اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین ہے۔ یہ بات سنتے ہی میرے مقتدیوں میں سے جن میں سے بعض دنیاوی لحاظ سے بڑے آدمی کہلاتے تھے اور جن میں سے ایک تھانیدار تھا وہ کہنے لگا کہ تم مرزائی ہو آئے ہو؟ میں نے کہا ہاں میں بیعت کر آیا ہوں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ بس خبردار اب جو تُو ہمارے مصلّی پر کھڑا ہوا۔ میں مصلّی سے الگ ہو گیا اور کہا کہ لو میں تو پہلے ہی فیصلہ کر چکا ہوں کہ نہ اب میں تمہارا امام اور نہ ہی تم میرے مقتدی۔ کیونکہ اب میں امام الزمان حضرت مہدی علیہ السلام کو مان چکا ہوں اور تم اس امام کے منکر ہو اور جو امامِ وقت کا منکر ہو وہ فاسق ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ۔ (ترجمہ) جو شخص اس حالت میں مرتا ہے کہ اُسے امام زمانہ کی شناخت نصیب نہیں ہوتی تو یقیناً وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ پس میں تو متقیوں کا امام بننا چاہتا ہوں فاسقوں کا نہیں۔ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ (۷۵:۲۵)

میرے اس اعلان پر قصبہ میں شور پڑ گیا اور میری مخالفت شروع ہو گئی حتیٰ کہ اہلحدیث مولویوں نے میرا بائیکاٹ کرا دیا اور عوام کالانعام مجھے علانیہ گالی گلوچ دینے پر اُتر آئے۔ اور میرا ماموں جو میرا خُسر بھی تھا وہ بھی میرے خلاف ہو گیا اور کہنے لگا کہ میرے گھر سے نکل جاؤ۔

میں رات کو لمبے لمبے وقتوں تک نماز تہجد پڑھتا اور اللہ تعالیٰ کے حضور روتا اور گریہ وزاری کرتا رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رویائے صالحہ کا سلسلہ جاری ہو گیا اور میری روحانی تسلی کے سامان ہوتے چلے گئے۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ لوگ خواہ مجھے کتنی ہی تکالیف پہنچائیں میں تبلیغ کرنا نہیں چھوڑوں گا اور تمام اہل قصبہ پر حق کو واضح کرتا رہوں گا۔ وہ سنیں یا نہ سنیں میں اپنا کام کئے جاؤں گا اور اُن کی مخالفت کی کوئی پروا نہ کروں گا۔

ایک دن میں مغرب کی نماز پڑھ رہا تھا کہ رکوع میں مجھ پر کشفی حالت طاری ہو گئی اور حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی انہوں نے فرمایا کہ بیٹا عزم رکھنا۔

ایسا ہی ایک دن حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کشف میں ملے۔ انہوں نے فرمایا لَقَدْ عَزَمْتُ میں نے بھی اسی طرح پختہ عزم کیا تھا۔ چونکہ مجھے اس سے پہلے غیر احمدی ہونے کی حالت میں ایسی بشارات پانے کا موقع نہ ملا تھا اور اس قسم کے روحانی نظارے میری آنکھوں نے نہیں دیکھے تھے اس لیے احمدیت اختیار کرنے کے بعد یہ سلوک

میری ایمانی وعرفانی ترقی کا باعث ہوا۔

ان واقعات کے ظہور سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ میری محبت اور عشق میں بھی ترقی ہونے لگی اور میں دیوانہ وار تبلیغ کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس پر میرے ماموں نے مجھے سخت غصے ہوکر ایک دن ڈانٹا اور کہا کہ یہاں سے خود بخود نکل جاؤ ورنہ میں تھانہ کے ذریعہ تم کو یہاں سے نکلوا دوں گا۔ چنانچہ میں مرالی والا کو چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں بقاپور میں واپس آ گیا۔

بقاپور میں مخالفت کی ابتداء:۔

بقاپور میں آنے کے بعد میرا بائیکاٹ تو نہ ہوا کیونکہ ہم وہاں کے زمیندار تھے البتہ عوام اور مولویوں کی مخالفت شدید صورت اختیار کرگئی۔ میں خود زمینداری نہیں کرتا تھا اس وجہ سے میری آمد کی کوئی خاص صورت نہ تھی۔ لیکن چند دن گزرنے کے بعد وہاں کے چند لڑکے مُجھ سے فارسی پڑھنے کے لیے آنے شروع ہوگئے اور اس طرح روزگار کی بھی کچھ صورت پیدا ہوگئی۔

اس زمانہ میں دن بدن مجھے نمازوں میں زیادہ سرور اور لذت حاصل ہو رہی تھی اور میں بہت رقت سے دعاؤں میں لگا رہتا تھا اور اکثر اللہ تعالےٰ کے سامنے روتا اور تضرع وابتہال کرتا رہتا۔ لوگوں کی مخالفت میرے لیے زیادہ دعائیں کرنے اور گڑگڑانے کا باعث بنتی اور میں اللہ تعالےٰ سے زور شور سے دعائیں اور التجائیں کرتا۔

لوگوں کی مخالفت کے علاوہ میرے گھرانہ میں بڑے بھائی کے سوا میرے والدین اور چھوٹا بھائی بھی میرے مخالف ہوگئے اور اکثر بُرا بھلا کہتے رہتے۔ جب میری واپسی پر ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا تو میری والدہ جو بہت نیک اور نماز کی پابند تھیں میرے والد صاحب کو کہنے لگیں کہ میرے بیٹے کو کیوں بُرا کہتے رہتے ہو۔ اس میں کیا عیب ہے اور کون سی بُرائی ہے۔ یہ تو پہلے سے زیادہ نمازیں پڑھتا ہے اور تہجد کا بھی پابند ہے۔ والد صاحب نے کہا اس نے مرزا کو مان لیا ہے۔ جو مہدی کا دعویٰ کرتا ہے۔ والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ امام مہدی کے معنے تو ہدایت یافتہ لوگوں کے امام کے ہیں اُن کو ماننے سے تو میرے بیٹے کو زیادہ ہدایت نصیب ہوگئی ہے کیونکہ اس نے ان کو مان لیا ہے اور اس کا ثبوت اس کے عمل سے ظاہر ہے۔ اور ساتھ ہی مجھے کہا کہ بیٹا میری بیعت کا بھی خط لکھ دو۔ چنانچہ والدہ صاحبہ مرحومہ کے بیعت کر لینے سے سوائے والد صاحب کے باقی گھر کے لوگ خاموش ہوگئے لیکن میں نے انکو تبلیغ کرنا نہ

چھوڑا۔ جب کبھی والد صاحب غصہ سے جوش میں آجاتے تو میں باہر بھاگ جاتا تھا۔آخر ایک سال کے عرصہ کے اندر اندر اللہ تعالےٰ نے میری دستگیری کی اور میرے والد صاحب اور چھوٹے بھائی اور دونوں بھاوجوں نے بیعت کر لی اور سوائے بڑے بھائی کے جو قادیان میرے ساتھ گیا تھا اور کہتا تھا کہ گھر جا کر خط لکھوں گا، گھر میں کوئی فرد احمدیت سے محروم نہ رہا۔اور آخر کار حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں وہ بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہو گئے۔فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

انہی دنوں کا ایک واقعہ یاد آیا کہ گاؤں کے ایک سکھ صاحب بیمار ہو گئے جن کی عیادت کے لیے دوسرے گاؤں سے سکھ نمبردار آیا اور میں بھی گیا۔ وہاں پر ایک مسلمان حکیم بیٹھا ہوا تھا۔ نمبردار نے مجھے کہا کہ مولوی صاحب! یہ کیا بات ہے کہ لوگ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔آخر آپ میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا کہ فرق کی جڑ صرف اتنی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ سب رسولوں اور نبیوں پر لوگوں کے حملوں، ایذاؤں اور تکلیفوں کے وقت اللہ تعالےٰ نے ان سب کو اسی دنیا میں رکھ کر نجات دی اور ظالموں کو ہلاک کیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے، حضرت نوح علیہ السلام کو طوفانِ آب سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں اور بحیرہ قلزم سے حضرت یونس علیہ السلام کو تین دن مچھلی کے پیٹ میں رکھ کر سمندر کی تہ میں سے زندہ باہر نکالا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین دن غار میں دشمنوں کے غار کے منہ پر پہنچ جانے اور کھوجی کے نشان دینے پر کہ وہ اس غار میں ہے زندہ سلامت مدینہ پہنچایا۔لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسی مصیبت آئی تو اُن کو خلاف سُنت مستمرہ زندہ مع جسم آسمان پر اٹھالیا۔لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ بھی دوسرے انبیاء کی طرح اسی زمین پر دشمنوں سے بچائے گئے اور پھر اپنی طبعی عمر پوری کر کے اسی زمین میں دوسرے رسولوں کی طرح دفن ہوئے۔آسمان پر نہیں گئے۔

اس پر وہ سکھ نمبردار کہنے لگا کہ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں ہماری کتب میں لکھا ہے کہ آسمان پر صرف باوا نانک صاحب ہی گئے ہیں۔اس پر حکیم صاحب اور سکھ میں بحث شروع ہو گئی۔وہ اُسے جھٹلاتا اور یہ اُسے بے وقوف بناتا۔ میں نے کہا میری بات بھی سن لو دراصل آسمان پر کوئی نہیں گیا۔اگر یہاں پر کوئی یہودی آجائے تو وہ کہے گا کہ آسمان پر صرف الیاس نبی گئے ہیں۔آسمان پر جانے سے مراد صرف روحانی معراج ہے اور یہ روحانی معراج زندوں کو کشفی جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور متوفی ارواح جسم خاکی کو چھوڑنے کے بعد وہاں جاتی ہیں۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک رات میں تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ کشفی حالت میں مَیں نے

دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام آسمان سے اُترے ہیں اور مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر کہتے ہیں کہ لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر میں جسم کے ساتھ زندہ ہوتا تو یحییٰ کے ساتھ کیوں ہوتا۔ جب میں یحییٰ کے ساتھ ہوں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ جس طرح کی زندگی یحییٰ کو حاصل ہے وہی مجھے حاصل ہے۔

میری پہلی بیوی کے زہر خوری کا واقعہ
اور
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا زندہ نشان

جن دنوں میں احمدی ہو جانے کے بعد اپنے ننھیال میں رہا کرتا تھا تو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے گوجرنوالہ جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب میں جمعہ پڑھ کر واپس آنے لگا تو حکیم محمد الدین صاحب نے جو وہاں امام الصلوٰۃ تھے مجھے فرمایا کہ میں ایک مفید علاج بتاتا ہوں آپ بھی سُن لیں کیونکہ آپ بھی طبابت کرتے ہیں ممکن ہے کسی وقت آپ کو اس کی ضرورت پیش آجائے۔ وہ یہ ہے کہ میرے چچا نے لاہور میں غلطی سے سنکھیا کھالیا تھا۔ ہر چند علاج کیا گیا لیکن کوئی بہتری کی صورت نظر نہ آئی۔ جو دوا کھلائی جاتی قے ہو جاتی۔ معدہ کوئی چیز قبول ہی نہ کرتا تھا۔ آنکھیں کھنچ گئیں اور تشنج کی حالت پیدا ہوگئی۔ ادھر شام کا وقت بھی ہو گیا۔ میرے باپ نے مجھے ایک ڈاکٹر کے پاس بھیجا کہ اس سے دوا لے آؤں۔ ڈاکٹر نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ تم اپنے چچا کو ایک دو چھٹانک دودھ میں انڈے کی سفیدی پھینٹ کر پندرہ پندرہ بیس بیس منٹ کے بعد پلاتے جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ بچ جائے گا۔ میں پانچ چھ انڈے اور ایک سیر دودھ لے آیا۔ کچا دودھ لیکر اس میں انڈے کی سفیدی پھینٹ کر پلائی تو بچ گئی اور قے نہ ہوئی اس طرح ہم نے چچا کو آٹھ دس انڈوں کی سفیدی رات بھر دودھ میں حل کر کے پلا دی اور وہ تندرست ہو گئے۔

اب خدا تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ جب میں عصر کے وقت گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری بیوی جس نے غلطی سے سنکھیا کھالیا تھا قریب المرگ تھی۔ اسے بھی کوئی چیز نہ پچتی تھی۔ تشنج شروع تھا۔ آنکھوں میں کھچاوٹ تھی اور حالت مایوس کن تھی۔ غیر احمدیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اس مرزائی کی خانہ بربادی اس کی مرزائیت کے باعث ہونے لگی ہے اگر اس کا مرزا سچا ہے تو اپنے مرید کی بیوی کو دعا کر کے بچائے۔ اُس کا باپ اور اس کی بہنیں روتے ہوئے مجھے کہنے لگے کہ اس کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں نے سوچا کہ اس کا علاج تو خدا تعالیٰ کے

فضل سے معلوم ہو چکا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنی کمال حکمت کے ماتحت عین وقت پر اس سے مجھے آگاہ فرمادیا ہے۔ میں نے یقین سے اُن کو کہا کہ میرے خدا نے مجھے اس کا علاج بتلا دیا ہے۔ اُمید ہے انشاء اللہ تعالےٰ اس عارضہ سے ہلاک نہ ہوگی۔ تم انڈے اور بکری کا دودھ لے آؤ۔ میرا تو گاؤں میں بائیکاٹ تھا میرا ماموں یعنی خسر انڈے اور بکری کا دودھ لے آیا جسے استعمال کرایا گیا اور وہ بچ گئی۔

بقاپور میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک تین سال ہر طرح کی مالی اور بدنی ابتلاؤں کے گذرے۔ کئی کئی دن فاقہ کشی بھی کرنی پڑی لیکن باوجود جسمانی تکلیفوں کے روحانی مسرت زیادہ سے زیادہ حاصل ہوتی رہی اور اب بھی وہ دن یاد آتے ہیں تو اس خاص زمانہ کو یاد کر کے جذبات میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔ ایسی حالتیں خدا کے پیاروں کو تو بہت لمبے عرصہ تک پیش آتی ہیں اور ان ابتلاؤں کے اندر ہی وہ روحانیت کے مراحل طے کر کے اللہ تعالےٰ کے قریب تر ہو جاتے ہیں لیکن اتباع انبیاء کو بھی ان سے اپنے ظرف کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ مل جاتا ہے۔

مُباہلہ:۔

ایک مخالف مولوی حمید پور نامی گاؤں میں بقاپور سے دو میل کے فاصلے پر رہتا تھا۔ اس نے مجھ سے احمدیت کی صداقت پر پہلے تو مباحثہ کیا اور پھر مباہلہ کیا اور اللہ تعالےٰ کی حکمت کے ماتحت وہ سال کے اندر اندر راہی ملک عدم ہو گیا۔ والعظمۃ للہ۔

اس زمانہ میں جس جس شخص نے بھی مجھ سے معاندانہ رویہ اختیار کیا اللہ تعالےٰ نے اس کو ذلیل کیا۔ آخر آہستہ آہستہ مخالفت کم ہو گئی اور ایک دو گھرانے احمدی ہو گئے۔ ان تین سالوں کے اندر میری پہلی بیوی کچھ تو زہر کے اثر سے اور کچھ جسمانی تکالیف کے باعث اپنی صحت کھو بیٹھی اور جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی خبر سُنی تو اس کا اثر بھی اُسکی رہی سہی صحت پر ایسا گہرا پڑا جس سے وہ جان بر نہ ہو سکی۔ اس کی وفات سے پہلے مجھے ۱۷۔ اگست ۱۹۰۸ء کو رویاء میں بتلایا گیا کہ تیری بیوی دس ماہ کے اندر اندر فوت ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کے مطابق وہ ۲۔ دسمبر ۱۹۰۸ء کو ساڑھے تین ماہ کے بعد وفات پا گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نکاح ثانی:۔

اپنی بیوی کی وفات کے کچھ دن بعد جب میں قادیان میں جلسہ سالانہ پر حاضر ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں اپنی بیوی کے مرنے کا ذکر کیا اور دوسرے نکاح کے لیے دعا کی درخواست بھی کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نہایت شفقت اور پیار سے فرمایا کہ میں ضرور دعا کروں گا۔ رشتے بہت ہیں جہاں اللہ تعالےٰ چاہے گا معاملہ طے ہو جائے گا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے مکان میں تشریف لے گئے تو میں نے سجدہ میں گر کر دعا کی کہ اے خدا تو میرے لیے اپنے خلیفہ کے دل میں قلق اور اضطراب ڈال تا کہ وہ میرے نکاح کے لیے توجہ سے دعا کریں۔ جلسہ سالانہ کے بعد جب میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ واپس ہونے کی اجازت حاصل کروں تو آپ نے سب کے لیے مشترکہ دعا کی اور مجھے فرمایا کہ میں نے آپ کے نکاح کے متعلق دعا کی ہے اور اللہ تعالےٰ نے مجھے بتلایا ہے کہ دعا قبول کر لی گئی ہے پس آپ جائیں۔

اس کے بعد ۲۳۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو میں نے رویاء میں دیکھا کہ ایک شخص بارہ تیرہ سال کی ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر مجھے کہتا ہے کہ یہ تمہیں دی گئی ہے۔ اس وقت مجھے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا میرے حق میں دعا کرنا یاد آیا اور میں نے اس کا ذکر چچا نور علی صاحب مرحوم سے کیا تو انہوں نے بتلایا کہ اس شکل وشباہت والی اتنی عمر کی لڑکی چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودہا میں ہے۔ میں دوسرے دن وزیرآباد اپنے خالو حافظ غلام رسول صاحب مرحوم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس گیا اور اُن سے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دعا اور اپنی رویاء کا ذکر کیا۔ وہاں سے ہم دوسرے دن چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودہا جا پہنچے۔ اللہ تعالےٰ کی حکمت وہاں پہنچتے ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہاں کے احمدیوں کو کسی غیر احمدی مولوی سے بحث مباحثہ کے لیے ایک احمدی عالم کی سخت ضرورت تھی۔ حافظ صاحب کے اچانک پہنچ جانے پر جماعت کے لوگوں کو بہت مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے تائید غیبی اور نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہم بحث بھی ضرور کریں گے لیکن جس مقصد کے لیے ہم یہاں آئے ہیں آپ لوگ اس کے پورا کرنے کے لیے بھی ہماری مدد فرمائیں۔ جب ان لوگوں کو تمام امور کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے امام الصلوٰۃ میاں غلام حسین صاحب قریشی کے ہاں میرے رشتہ کی تحریک کی۔ جب قریشی صاحب نے میرے حالات

سُنے اور مجھے دیکھا تو رشتہ دینا منظور کرلیا۔لیکن ساتھ ہی تین شرطیں بھی پیش کردیں کہ ان کا اپنا مکان ہو اور اپنی زمین ہو اور پہلی بیوی کی کوئی اولاد نہ ہو۔اور کہا کہ یہ تینوں چیزیں دیکھ کر میں رشتہ کا معاملہ پختہ کروں گا۔

دوسرے دن مباحثہ شروع ہوا جس کا موضوع صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھا۔مناظرہ کے دوران میں مخالف مولوی نے کہا کہ مرزا صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ نبیوں سے بھی اجتہادی غلطی ہونے کا امکان ہے اور اس کے ثبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسرعُکن لحوقاً بی اطولُکن یداً جو آپ نے اپنی مرض الموت میں فرمایا پیش کیا ہے یعنی حضور کی بیویوں کے اس سوال پر کہ حضور کے بعد سب سے پہلے کون سی بیوی وفات پائے گی؟ حضور کا یہ فرمانا کہ جو تم سب میں سے لمبے ہاتھوں والی ہے اور حضور کی ازواج مطہرات کا آپ کے سامنے سرکنڈا منگوا کر اپنے ہاتھ ناپنا اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے ہاتھوں کا لمبا نکلنا اور آپ کے بعد سب سے پہلے دوسری بیوی حضرت زینب اُم المساکین کا وفات پانا اور لمبے ہاتھوں سے سخاوت کرنے والی بیوی مراد تھا۔اس مخالف مولوی نے اعتراض کیا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ بیویوں نے حضور کے روبرو سرکنڈا منگوا کر ہاتھ ناپے لیکن حضور نے منع نہیں فرمایا۔حالانکہ ہاتھ آپ کے سامنے نہیں ناپے گئے بلکہ بعد میں کسی وقت ناپے گئے۔مرزا صاحب نے کیسے لکھ دیا اور کس لفظ سے استدلال کیا کہ بیویوں نے آپ کے سامنے اپنے ہاتھ ناپے تھے۔حدیث میں اس کی صراحت موجود نہیں۔اس پر حافظ غلام رسول صاحب جو ہماری طرف سے مناظر تھے مجھے فرمانے لگے کہ اس کا کیا جواب ہے تو میں نے مخالف مولوی صاحب کو بلند آواز سے کہا کہ آپ حدیث پڑھیں۔میرے اصرار پر ایک دوسرے مولوی نے حدیث پڑھی۔میں نے کہا کہ حدیث میں جو فَجَعلْنَ کے الفاظ ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ ناپنے کا فعل حضور کے سامنے حضور کی ازواج مطہرات نے سرانجام دیا کیونکہ فَ کا عمل عربی میں تاکید اور فوری طور پر عمل کرنے کے لیے آتا ہے۔اگر ہاتھ حضور کے سامنے نہ ناپے جاتے اور بعد میں یہ کام ہوتا تو ثُمَّ جَعلْنَ کے الفاظ ہوتے۔جب میں نے اپنی اس دلیل کو شرح وبسط سے بیان کیا اور صرفی نحوی قواعد کے ماتحت اس کا ثبوت دیا تو مخالف مولوی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور احمدیت کی نمایاں فتح ہوئی اور سب احمدی بہت خوش ہوئے۔فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

دوسرے دن حافظ صاحب نے جو رشتہ کے متعلق حتمی جواب حاصل کرنا چاہا تو چوہدری غلام حسین صاحب والد ماجد مولوی محمد یار صاحب عارف مولوی فاضل سابق مبلغ انگلستان نے کہا کہ قریشی صاحب آپ کے گاؤں میں جا کر جب تک ان تین باتوں کا علم حاصل نہ کرلیں جو انہوں نے پیش کی تھیں پختہ جواب نہیں دیا جاسکتا۔

گاؤں میں جا کر جب تک ان تین باتوں کا علم حاصل نہ کرلیں جو انہوں نے پیش کی تھیں پختہ جواب نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ قریشی صاحب پر مباحثہ کے دوران میں میری تقریر اور میری پیش کردہ دلیل کا اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے اپنی پیش کردہ شرائط کو نظر انداز کر کے رشتہ دینا منظور کرلیا۔ چنانچہ رشتہ طے پا گیا اور مَیں چک نمبر ۹۸ و چک نمبر ۹۹ میں پندرہ بیس روز ٹھہرا۔ میرے وہاں ٹھہرنے کا احمدیوں پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اصرار کیا کہ آپ کم از کم دو سال ہمارے پاس ٹھہریں۔ آپ کی شادی اور رخصتانہ بھی جلد از جلد کرانے کا انتظام کردیا جائے گا۔

اس کے بعد مجھے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۴ء تک وہاں ٹھہرنے کا موقعہ ملا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ احمدیت کی بھی خوب توفیق ملی اور میری تبلیغ سے کئی جگہ جماعتیں قائم ہوگئیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

قادیان کی رہائش اور مختلف مقامات پر قیام

مارچ ۱۹۱۴ء کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجھے چک نمبر ۹۹ سے واپس آجانے کا ارشاد فرمایا۔ یہ حکم پہنچتے ہی میں قادیان آگیا۔ بیعت کرنے کے بعد میں تین ماہ اپنے ننہیال مرالی والا ٹھہرا رہا اور پھر اپریل ۱۹۰۹ء تک بقاپور میں قیام رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۴ء تک چک نمبر ۹۸ و ۹۹ شمالی سرگودھا میں۔ جنوری ۱۹۱۵ء سے ۱۹۳۸ء تک صدر انجمن احمدیہ کی نظارت تبلیغ کے ماتحت تبلیغی خدمات سرانجام دیتا رہا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت راولپنڈی، امرتسر اور آخر قادیان میں اقامت گزین ہوگیا۔ اور اس دوران میں بنگال میں بھی تبلیغی سفر در پیش آیا۔ اور ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک چھ سال کا لمبا عرصہ سندھ کے علاقہ میں گذارا جہاں پر حضور نے مجھے بعہدہ امیر التبلیغ سندھ بھجوایا اور بیعت لینے کی بھی اجازت بخشی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۱۹۲۸ء کے بعد مجھے مہمانخانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں مہمانوں کے لیے بطور واعظ مقامی مقرر کیا گیا اور اس کے بعد متفرق کلاس میں دو سال بطور معلم اول خدمات سرانجام دیتا رہا۔ ۱۹۳۸ء میں پنشن پر ریٹائر ہو گیا۔ اور اب انقلاب کے بعد ربوہ میں مقیم ہوں اور حضور کے ارشاد کے ماتحت جو خدمت ہوسکتی ہے سرانجام دیتا رہتا ہوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا. اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم (۲:۱۲۸)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میرے حق میں دُعائیں

جب میں نے ابتدائے ۱۹۰۵ء میں شرف بیعت حاصل کیا تو مجھے اس بات کا شدت سے احساس شروع ہو گیا کہ میں نے چودہ پندرہ سال کا زمانہ کیوں بیعت احمدیت سے الگ گذارا۔ اگر میں ۱۸۹۱ء کے اندر ہی جب میں لدھیانہ میں طالب علم تھا اور حضور کا قیام ان دنوں محلّہ اقبال گنج میں تھا، بیعت کا شرف حاصل کر لیتا تو آج روحانیت کے کئی مراحل اور قرب الٰہی کی کئی منازل طے کر چکا ہوتا۔ اس احساس نے میرے اندر سخت بے چینی پیدا کی اور میں نے اس کمی اور کوتاہی کو جلد جلد قادیان آکر اور حضرت اقدس علیہ السلام سے دعائیں کرا کر پورا کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ بقاپور سے قریباً ہر مہینہ پیدل چل کر قادیان آتا اور دو ہفتے قادیان رہ کر واپس چلا جاتا۔ بقاپور قادیان سے پینتالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس طریق سے مجھے حضرت اقدس علیہ السلام سے پاکیزگی اور طہارت پیدا ہونے اور توکل علی اللہ کا مقام حاصل ہونے کے لیے دعائیں کرانے کے بہت سے مواقع حاصل ہوئے۔ بیعت کرنے کے بعد میں نے حضور سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ احمدیت سے پہلے میری نشست برخاست مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی، حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی اور مولوی محمد علی بوپڑوی سے تھی۔ چونکہ یہ سلسلہ کے سخت مخالف ہیں میرے ان سے مذہبی مقابلے ہوں گے اور مجھے سلسلہ کے خصوصی مسائل سے گہری واقفیت نہیں۔ حضور دعا فرماویں کہ مجھے کامیابی حاصل ہو۔ حضور نے فرمایا مولوی صاحب آپ صاف لفظوں میں کہہ دیا کریں کہ میں نے حق کو پا لیا ہے اور دعا کر کے ان سے مقابلہ اور بحث و مناظرہ کیا کریں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو فتح اور غلبہ دے گا۔ الحمد للہ کہ اس کے بعد جہاں کہیں یہ دعا کا ہتھیار استعمال کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے حضور کے فرمان کی برکت سے ہر جگہ فتح بخشی جن میں سے بعض واقعات کا ذکر بعد میں آئے گا۔

اولاد کے لیے دُعا:۔

۱۹۰۵ء میں میں نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں درخواست کی کہ حضور دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نرینہ اولاد بخشے تا کہ میرے بعد بھی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے۔ حضور نے فرمایا میں دعا کروں گا۔ دوسرے روز پھر دعا کے لیے عرض کیا تو حضور نے فرمایا کہ میں نے دعا کی ہے اور پھر بھی کروں گا۔ تیسرے روز پھر عرض کی۔ حضور نے فرمایا میں نے دعا کی ہے اور پھر بھی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور اولاد بخشے گا۔ آپ تو اس طرح بات

کرتے ہیں گویا آپ کی عمراسی سال کی ہوگئی ہے۔حالانکہ ابھی آپ کے ہاں کئی بچے ہوسکتے ہیں۔حضور نے یہ ارشاد ایسے وثوق سے فرمایا کہ مجھے پختہ یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور نرینہ اولاد عطا کرے گا۔یہ ۱۹۰۵ء کی بات ہے۔ اس کے بعد ۱۹۰۸ء میں میری پہلی بیوی فوت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے دوسری بیوی سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے بخشے۔ جن میں سے سب سے بڑی لڑکی مبارکہ مرحومہ تھی اور دولڑکیاں اور تین لڑکے ماشاء اللہ اس وقت زندہ موجود ہیں۔ یعنی (۱) امتہ الحفیظ بیگم۔اس کے تین بچے ہیں ایک لڑکا اور دولڑکیاں (۲) محمد اسمٰعیل اس کے تین لڑکے اور دولڑکیاں ہیں (۳) ڈاکٹر میجر محمد اسحاق اس کے تین لڑکے ہیں (۴) مُبارکہ ثانیہ جس کے دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں (۵) مبارک احمد۔میری یہ سب اولاد اور اولاد در اولاد اس وقت زندہ موجود ہے اور مستقبل کا اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے کہ مجھے اور کس قدر اپنی اولاد در اولاد اپنی زندگی میں دیکھنا مقدر ہے۔

چونکہ میری اولاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کی برکت سے بشارت کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے بخشی سو الحمدللہ کہ اپنی مقدرت کے مطابق سب سلسلہ کے خادم، نیک اور والدین کے اطاعت گذار ہیں۔ چنانچہ محمد اسماعیل اور محمد اسحاق جہاں جہاں ملازمت کے سلسلہ میں رہے وہاں سے اُن کی خدمات سلسلہ کی رپورٹیں مجھے ملتی رہیں۔ ہر دو فرزندان مالی خدمت میں معتد بہ حصہ لے رہے ہیں اور علاوہ ازیں میری خدمت بجالانے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بڑھ چڑھ کر خدمت سلسلہ کی توفیق بخشے۔آمین۔

حصولِ اطمینانِ قلب کے متعلق خاکسار کے معروضات اور حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشادات

خاکسار نے مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۵ء کو حضرت اقدس کی خدمت بابرکات میں حاضر ہوکر حصولِ اطمینانِ قلب کے لیے کچھ معروضات پیش کیے۔اس پر حضور علیہ السلام نے مجھ نالائق جلد باز کو جو زریں ہدایات اور قرب الٰہی کے حصول کے جو ذرائع ارشاد فرمائے وہ ''الحکم'' ۱۰۔جولائی ۱۹۰۵ء میں اور پھر اخبار الفضل لاہور ۹۔ستمبر ۱۹۴۹ء میں شائع ہو چکے ہیں۔انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

خاکسار:۔ حضور اطمینانِ قلب کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟

حضرت اقدس:۔ قرآن کریم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی شے ہے جو قلوب کو اطمینان عطا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۲۹:۱۳)۔ پس جہاں تک ممکن ہو ذکرالٰہی کرتا رہے اس سے اطمینان حاصل ہوگا۔ ہاں اس کے واسطے صبر اور محنت درکار ہے۔ اگر گھبرا جاتا اور تھک جاتا ہے تو پھر یہ اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔ دیکھو ایک کسان کس طرح پر محنت کرتا ہے اور پھر کس صبر اور حوصلہ کے ساتھ باہر اپنا غلہ بکھیر آتا ہے۔ بظاہر دیکھنے والے یہی کہتے ہیں کہ اس نے دانے ضائع کر دئے لیکن ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ وہ اُن بکھیرے ہوئے دانوں سے خرمن جمع کرتا ہے۔ اسی طرح مومن جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق پیدا کر کے استقامت اور صبر کا نمونہ دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس پر مہربانی کرتا ہے اور اُسے وہ ذوق وشوق اور معرفت عطا کرتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ کوشش اور سعی تو کرتے نہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ ہمیں ذوق وشوق اور معرفت اور اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے۔ جبکہ دینی اور سفلی امور کے لیے محنت اور صبر کی ضرورت ہے تو پھر خدائے تعالیٰ کو پھونک مار کر کیسے پاسکتا ہے۔ دنیا کے مصائب اور مشکلات سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے۔ اس راہ میں مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب کا سلسلہ دیکھو کس قدر لمبا تھا۔ تیرہ سال مخالفوں سے دُکھ اٹھاتے رہے۔ مکہ والوں کے دُکھ اٹھاتے اٹھاتے طائف چلے گئے تو وہاں سے بھی پتھر ہی کھائے پھر اور کون شخص ہے جو ان مصائب کے سلسلہ سے الگ ہو کر خدا شناسی کی منزل کو طے کرے۔ جو لوگ چاہتے ہیں ہمیں محنت اور مشقت نہ کرنی پڑے وہ بیہودہ خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (۲۹:۷۰)

اس سے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دروازوں کے کھلنے کے لیے مجاہدہ کی ضرورت ہے اور وہ مجاہدہ اس طریق پر ہو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ اس کے لیے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور اُسوۂ حسنہ موجود ہے۔ اکثر لوگ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر سبز پوش یا گیروئے کپڑے پہننے والے فقیروں کی خدمت میں جاتے ہیں کہ وہ پھونک مار کر کچھ بنا دیں۔ یہ بیہودہ بات ہے ایسے لوگ شرعی امور کی پابندی نہیں کرتے اور پھر بیہودہ دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ خطرناک گناہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بھی اپنے مراتب کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ مشتِ خاک ہونے کے باوجود خود ہدایت دینے کے مدعی بنتے ہیں۔ اصلی راہ اور گرِ خدا شناسی کا دعا ہے اور پھر صبر کے ساتھ دعاؤں میں لگے رہنا۔ ایک پنجابی کا

فقرہ ہے:

منگے سومر رہے۔ مرے سو منگن جائے

حقیقت میں جب تک انسان دعاؤں میں اپنے آپ کو اس حالت تک نہیں پہنچا لیتا کہ گویا اُس پر موت وارد ہو جائے اس وقت تک بابِ رحمت نہیں کھلتا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں زندگی ایک موت کو چاہتی ہے۔ جب تک انسان اس تنگ دروازے سے داخل نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا جوئی کی راہ میں لفظ پرستی سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ یہاں حقیقت سے کام لینا چاہیے۔ جب طلب صادق ہوگی تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُسے محروم نہیں رکھے گا۔

خاکسار:۔ استقامت بھی تو ملنی چاہیے۔

حضرت اقدس:۔ ہاں یہ سچ ہے کہ استقامت ہونی چاہیے اور یہ استقامت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ملتی ہے۔ ایک ادنے درجہ کا فقیر بھی ایک بخیل سے بخیل انسان کے دروازہ پر جب دھرنا مار کر بیٹھ جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ لے کر ہی اٹھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ تو رحیم و کریم ذات ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی اس کے دروازہ پر گرے اور خالی اُٹھے۔ اگر چاہتے ہو کہ ساری مرادیں پوری ہو جاویں تو یہ اس کے فضل سے ہوں گی۔ بعض اوقات انسان کو یہ بھی دھوکا لگتا ہے۔ حالانکہ بات یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے ہی انسان کو بری کر دیتا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کا گذر ایک فقیر پر ہوا جس کے پاس صرف ستر پوشی کے لیے چھوٹا سا پارچہ تھا مگر وہ بہت خوش تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تو اس قدر خوش کیوں ہے؟ فقیر نے جواب دیا جس کی ساری ہی مرادیں پوری ہو جائیں وہ خوش نہ ہو تو اور کون ہو۔ بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ تیری ساری مرادیں پوری ہوگئی ہیں؟ فقیر نے کہا کہ کوئی مراد ہی باقی نہیں رہی۔

حقیقت میں حصولِ مراد دو ہی قسم کا ہوتا ہے: ''یا پالے یا ترک''۔ غرض بات یہی ہے کہ خدا یابی اور خدا شناسی کے لیے ضروری امر یہی ہے کہ انسان دعاؤں میں لگا رہے۔ زنانہ حالت اور بزدلی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس راہ میں مردانہ وار قدم اٹھانا چاہیے اور ہر قسم کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ خدائے تعالیٰ کو مقدم کرنے میں گھبرائے نہیں۔ پھر اُمید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دستگیری کرے گا اور اطمینان عطا فرمائے گا۔ اِن باتوں

کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان تزکیہ نفس کرے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (۹۱:۱۰)۔

خاکسار:۔ دعا جب تک دل سے نہ اُٹھے کیا فائدہ ہوگا؟

حضرت اقدس:۔ میں اسی لیے تو کہتا ہوں کہ صبر کرنا چاہیے اور کبھی اس سے گھبرانا نہیں چاہیے خواہ دل چاہے یا نہ چاہے۔ کشاں کشاں مسجد میں چلے آؤ۔ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر وساوس رہتے ہیں۔ اس نے کہا تم نے ایک حصّہ پر تو قبضہ کر لیا ہے دوسرا بھی حاصل ہو جائے گا۔ نماز پڑھنا بھی تو ایک فضل خداوندی ہے دوسرا بھی انشاء اللہ تعالیٰ حل ہو جائے گا۔ اصل بات ہے کہ ایک فعل انسان کا ہوتا ہے دوسرا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے سعی کرنا مجاہدہ کرنا یہ تو انسان کا اپنا فعل ہے۔ اس پر پاک کرنا استقامت بخشنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ لہذا جو شخص جلدی کرے گا وہ اس طریق پر جلد کامیاب ہو جائے گا؟ یہ جلد بازی انسان کو خراب کرتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ دینا کے کاموں میں بھی اتنی جلدی کوئی امر نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ آخر اس پر کوئی وقت اور میعاد گذرتی ہے۔ زمیندار بیج بو کر ایک عرصہ تک صبر کے ساتھ انتظار کرتا ہے۔ بچہ بھی نو مہینہ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ پہلی ہی خلوت کے بعد بچہ پیدا ہو جائے تو لوگ اُسے بے وقوف کہیں گے یا نہیں۔ پھر جب دنیوی امور میں قانونِ قدرت کو اسطرح دیکھتے ہو تو یہ کیسی غلطی اور نادانی ہے کہ دینی امور میں انسان بلا محنت اور مشقت کے کامیاب ہو جائے۔ جس قدر اولیاء، ابدال، انبیاء ورُسل ہوئے ہیں انہوں نے کبھی گھبراہٹ، بزدلی اور بے صبری ظاہر نہیں کی۔ وہ جس طرح چلے ہیں اُسی طریق کو اختیار کرو، اگر کچھ حاصل کرنا ہے۔ بغیر اس راہ کے تو کچھ نہیں مل سکتا۔ میں یقیناً کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کو اطمینان اُس وقت نصیب ہوا ہے جب انہوں نے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ پر عمل کیا۔ مجاہدات عجیب اکسیر ہیں۔ سید عبدالقادر جیلانی ؒ نے کیسے کیسے مجاہدات کئے۔ ہندوستان میں جو اکا برگذرے ہیں جیسے حضرت معین الدین چشتیؒ مجدد الف ثانی سرہندیؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی ان کے حالات پڑھو تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے مجاہدات ان کو کرنے پڑے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فقیر کے پاس گئے تو اس نے توجہ کی اور قلب جاری ہو گیا یہ کچھ بات نہیں۔ ایسے تو ہندو فقیروں کے پاس بھی جاری ہو جاتے ہیں۔ توجہ کچھ چیز نہیں ہے یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ساتھ تزکیہ نفس کی کوئی شرط نہیں ہے نہ اس میں کفر و اسلام کا کوئی سوال ہے۔ انگریزوں نے اس فن میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ دوسرا کوئی کیا کرے گا۔ میرے نزدیک یہ بدعات اور محدثات ہیں۔ شریعت کی اصل غرض تزکیہ نفس ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اسی مقصد کو لے کر آتے ہیں اور وہ اپنے نمونہ اور

اُسوہ سے اس راہ کا پتہ دیتے ہیں جو تزکیہ نفس کی حقیقی راہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا ہو اور شرح صدر حاصل ہو۔ میں بھی اسی منہاج نبوت پر آیا ہوں۔ پس اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میں کسی ٹوٹکے سے قلب جاری کر سکتا ہوں تو وہ غلطی پر ہے۔ میں تو اپنی جماعت کو اسی راہ پر لے جانا چاہتا ہوں جو ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت تیار ہوئی ہے۔ پس اور راہوں کا ذکر آپ ہماری کتابوں میں نہ پائیں گے۔ اور نہ ہم اس کی تعلیم دیتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ہم تو یہی بتاتے ہیں کہ نمازیں سنوار سنوار کر پڑھو اور دعا میں لگے رہو۔

خاکسار:۔ حضور نمازیں ہم پڑھتے ہیں مگر منہیات سے باز نہیں رہتے اور اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا؟

حضرت اقدس:۔ نمازوں کے نتائج اور اثرات تو تب پیدا ہوں جب نمازوں کو سمجھ کر پڑھو۔ کلام الٰہی اور ادعیہ ماثورہ کے علاوہ اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو اور ساتھ یہ بھی یاد رکھو۔ یہی ایک امر ہے جس کی میں بار بار تاکید کرتا ہوں کہ تھکو اور گھبراؤ نہیں۔ استقلال اور صبر سے اسی راہ کو اختیار کرو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یقیناً ایک نہ ایک دن کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو ہی مقدم رکھو۔ اور دین کو دنیا پر ترجیح دو۔ جب تک انسان اپنے اندر دنیا کا کوئی حصہ بھی پاتا ہے وہ یاد رکھے کہ ابھی وہ اس قابل نہیں کہ دین کا نام بھی لے۔ یہ بھی ایک غلطی لوگوں کو لگی ہوئی ہے کہ دنیا کے بغیر دین حاصل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں آئے ہیں کیا انہوں نے دنیا کے لیے سعی اور مجاہدہ کیا یا دین کے لیے اور باوجود اس کے کہ ان کی ساری توجہ اور کوشش دین کے لیے ہی ہوتی ہے پھر کیا وہ دنیا میں نامراد رہے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ دنیا خود اُن کے قدموں میں آ کر گری ہے۔ یہ یقیناً سمجھو کہ انہوں نے دنیا کو گویا طلاق دے دی تھی۔ لیکن یہ عام قانون قدرت ہے کہ جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں وہ دنیا کو ترک کرتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ دنیا کو اپنا مقصود اور غایت نہیں ٹھہراتے اور دنیا اُن کی غلام اور خادم ہو جاتی ہے۔ جو لوگ بخلاف اس کے دنیا کو اپنا اصل مقصود قرار دیتے ہیں خواہ وہ دنیا کو کس قدر بھی حاصل کر لیں مگر آخر کار ذلیل ہوتے ہیں۔ سچی خوشی اور اطمینان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مجرد دنیا کے حصول پر منحصر نہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان اشیاء کو اپنا معبود نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اُسی کو یگانہ و یکتا معبود سمجھو۔ جب تک انسان ایمان نہیں لاتا کچھ نہیں۔ اور ایسا ہی نماز روزہ میں اگر دنیا کا کوئی حصہ شامل ہے تو وہ نماز روزہ اُسے منزل مقصود تک

نہیں لے جا سکتا۔ مگر یہ کہ محض خدا کے لیے ہو جاوے اور قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۶۳:۶) کا سچا مصداق بن جاوے تب مسلمان کہلائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صادق اور وفادار بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جس طرح وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی طرح انسان ساری دنیا کی خواہشوں اور آرزوؤں کو جب تک قربان نہیں کر دیتا کچھ نہیں ملتا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو ایک کشش اور جذبہ پیدا ہو جائے اُس وقت اللہ تعالیٰ اس کا خود متکفل اور کارساز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کبھی بدظنی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر نقص اور خرابی ہوگی تو تم میں ہوگی۔ پس یاد رکھو کہ جب تک انسان خدا کا نہ ہو جائے بات نہیں بنتی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے اس میں شتاب کاری نہیں رہتی۔ مشکل یہی ہے کہ لوگ جلد گھبرا جاتے ہیں اور پھر شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

خاکسار:۔ ابتدائی منزل اس مقصد کے حصول کی کیا ہے؟

حضرت اقدس:۔ ابتدائی منزل یہی ہے کہ جسم کو اسلام کا تابع کرے۔ جسم ایسی چیز ہے کہ جو ہر طرف لگ سکتا ہے۔ بتاؤ زمینداروں کو کون سکھاتا ہے کہ موسم گرما کی سخت دھوپ میں باہر جا کر کام کرتے ہیں اور سخت سردیوں میں آدھی آدھی رات کو اٹھ کر باہر جاتے اور ہل چلاتے ہیں۔ پس جسم کو جس طریق پر لگاؤ اُسی طریق پر لگ جاتا ہے۔ ہاں اس کے لیے ضرورت ہے عزم کی۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ مٹی کھایا کرتا تھا بہت تجویزیں کیں لیکن وہ مٹی کھانے سے نہ رُک سکا۔ آخر ایک طبیب آیا اور اُس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کو مٹی کھانے سے روک دوں گا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا یَا اَیُّهَا الْمَلِکُ اَیْنَ عَزْمُ الْمُلُوْکِ یعنی اے بادشاہ وہ بادشاہوں والا عزم کہاں گیا؟ یہ سنکر بادشاہ نے کہا اب میں مٹی نہ کھاؤں گا۔ پس عزمِ مومن بھی تو کوئی چیز ہے۔

خاکسار:۔ عزم کرنے والے ہوتے تو پھر حضور کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت اقدس:۔ آپ لوگوں کے نفوس صافیہ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب نفوس صافیہ کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے تو مدد و معاون بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ صحابہؓ کے دل پاک تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے رسول بھی پیدا کر دیا۔ ایسا ہی کہتے ہیں کہ مکہ سے جو مدینہ کی طرف آپ نے ہجرت کی اس میں یہ سرّ تھا کہ وہاں اصلاح پذیر قلوب کا ایک جذبہ تھا۔ تمام شد۔

یہ کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس وقت فرمائے جبکہ ظہر کی نماز پڑھ کر آپ حرم سرائے میں تشریف لے جانے لگے تھے۔ تو میں نے کہا تھا کہ حضور اطمینان قلب کیسے حاصل ہوتا ہے اور میرا لب ولہجہ کچھ ایسا تھا کہ حضور میرے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور حضور نے یہ کلمات اس محبت اور خوشی سے بیان فرمائے کہ سننے والے بھی بہت محظوظ ہوئے اور مجھے کہنے لگے کہ تمہارے ذریعہ سے ہم نے ایسے عالی قدر حقائق اور معارف سُن لیے ہیں اور ریاضت اور مجاہدہ کا طریقہ اور اس کے فوائد سے ہم کو حقیقی آگاہی حاصل ہوگئی ہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شخص بہت خوش قسمت ہے کہ اس نے اپنی تمام بیماریاں ڈاکٹر کے سامنے رکھ دی ہیں۔ اب اس کا علاج ہو جائے گا۔ یہ زریں ہدایات حضور نے کوئی پون گھنٹہ کے قریب بیان فرمائی ہوں گی۔ الحمدللہ اولاً وآخراً۔

حضور اقدس کی ان نصائح کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ جب میں بقاپور واپس لوٹا تو میرے دل نے بہت قلق اور افسوس محسوس کیا کہ میں ۱۸۹۱ء سے اب تک حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں لیکن بیعت سے محروم رہا۔ اب اس کمی کی تلافی کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ پس اس کے بعد میں نے حضور کے ارشادات کے مطابق ریاضت اور مجاہدات کی جدوجہد شروع کر دی۔ میں ساری ساری رات باہر جنگل میں نمازیں پڑھتا۔ حتیٰ کہ گیارہ رکعت (آٹھ نفل تین وتر) میں ساری رات گذر جاتی اور تبتل اِلی اللہ کی کوشش کرتا۔ رمضان میں ایسا ہوتا کہ میں عشاء کی نماز پڑھا کر گھر آتا اور اس کے بعد نوافل کے لیے کھڑا ہوتا یہاں تک سحری کا وقت ہو جاتا۔ تب میں اپنی بیوی کو جگاتا تاکہ میرے لیے کھانا پکائے۔ اس کے کھانا پکاتے پکاتے میں تین وتر پڑھ لیتا۔ اس وقت میرے عمر اُنتالیس سال کی تھی اور عین جوانی کا عالم تھا۔ اس طرح کی ریاضت اور مجاہدہ پر چند ماہ ہی گذرے ہوں گے کہ میں نے رویاء میں دیکھا کہ میں ایک بالا خانہ پر چڑھا ہوں میں نے وہاں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک جانب مشرق ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپؐ کے سامنے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ قدرے گندم گوں سُرخی مائل تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گندم گوں تھا۔ دونوں مبارک چہروں سے نورانی شعاعیں نکل رہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ مبارک سے زیادہ تیز شعاعیں نکل رہی تھیں۔ میں قرآن مجید لے کر حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید پر انگلی رکھ کر عرض کیا کہ حضور اس کا کیا مطلب ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اُن سے پوچھو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے مطلوبہ مقام کا مطلب سمجھا دیا۔ جس سے میرا انشراح صدر ہو گیا۔ چنانچہ اس رویاء کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن مجید کا ایسا فہم عطا فرمایا کہ مجھے کسی مقام کو حل کرنے یا معضلات کی گرہ کشائی کی کوئی دقت محسوس نہ ہوئی۔ اور مجھے قرآن کریم پڑھانے کے بھی مواقع ملے اور تعلیمی مجاہدات کی بھی توفیق ملتی رہی۔

چوہدری عبداللہ خان صاحب کا قرآن پڑھنا:۔

۱۹۰۶ء میں ایک بار قادیان گیا تو اس وقت چوہدری عبداللہ خان صاحب بہلولپوری (جدامجد چوہدری صلاح الدین صاحب بی۔اے واقف زندگی ناظم جائداد صدر انجمن احمدیہ) بھی اس وقت وہاں موجود تھے انہیں الہام ہوا: اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم ۔اس وقت ان کی عربی تعلیم اس قدر کم تھی کہ انہوں نے اس فقرے کے معنی مجھ سے دریافت کئے میں نے اس الہام میں جو بشارت تھی اُسے بیان کیا اور اس وقت اُن کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ میں اُن کے گاؤں میں اُن کے ساتھ چلوں اور وہاں رہ کر اُن کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھاؤں۔ میں نے انکو چھ ماہ تک قرآن کریم پڑھایا اور ساتھ ہی تبلیغ اسلام کی خدمت بھی سرانجام دیتا رہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ ختم کر لیا اور اتنی لیاقت پیدا کر لی کہ وہ دوسروں کو بھی ترجمہ پڑھا سکتے تھے۔

ایک دن چوہدری صاحب موصوف کہنے لگے کہ میں جب لگان ادا کرنے کے لیے لائل پور جاتا ہوں تو وہاں ایک غیر احمدی مولوی صاحب سے تبادلہ خیالات کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ وہ مجھے کہتے ہیں کہ آپ صرف ونحو نہیں جانتے اگر کوئی ایسا احمدی جو صرف ونحو سے واقف ہو آپ ساتھ لائیں تو میں اس سے احمدیت کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے کہا کہ جب لائل پور جاؤں گا تو آپ بھی ساتھ چلیں اور اس مولوی سے تبلیغی گفتگو کریں۔ راستہ میں میں نے کہا کہ آپ مولوی صاحب کے سامنے مجھے مولوی کے لفظ سے خطاب نہ کریں اور جیسا کہ میرے زمیندارہ لباس سے ظاہر ہے مجھے زمیندار ہی رہنے دیں۔ جب ہم تحصیل میں پہنچے تو چوہدری صاحب کہنے لگے بھائی جی اندر معاملہ جمع کرانے جاتا ہوں آپ ان مولوی صاحب (غیر احمدی) کے پاس بیٹھیں۔ وہ مولوی صاحب مجھ

سے کہنے لگے کیا تو کچھ پڑھا ہوا بھی ہے اور کیا تو مرزائی ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں میں احمدی ہوں اور صرف میر اور نحو میر پڑھا ہوا ہوں۔ تب اس نے کہا کہ حدیث میں ابن مریم کے نازل ہونے کے الفاظ آئے ہیں مثیل ابن مریم کے الفاظ نہیں آئے۔ میں نے کہا کہ علم معانی کی رو سے جب مشابہت تام ہو تو بجائے زَیْدٌ کَالْاَسَدِ کے زَیْدٌ اَسَدٌ'' کہیں گے اور حرف تشبیہ ک کو حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان نے اسلام سے پہلے بجائے کَابْنِ اَبِیْ کَبْشَۃ کے صرف ابن ابی کبشہ کہا تھا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابنِ ابی کبشہ ہیں۔ جو آپ سے پہلے توحید کا واعظ تھا۔ اور آپ بھی چونکہ توحید کا وعظ اور تلقین کرتے تھے۔ اس لیے کفار مکہ نے بجائے ابن ابی کبشہ کا مثیل کہنے کے آپ کو ابن ابی کبشہ کا خطاب دے دیا۔ اسی طرح حضورؐ نے آنے والے مسیح محمدیؑ کو کمال مشابہت اور مماثلت تامہ کی وجہ سے ابن مریم کا خطاب دے دیا مثیل ابن مریم نہ کہا۔ اس بات کا اس پر بہت اچھا اثر ہوا اور کہنے لگا آپ تو بڑے عالم ہیں۔ اس کے بعد اس نے پیشگوئیوں کے متعلق چند سوالات کئے اور جوابات سُننے پر کہنے لگا کہ اگر مرزا صاحب آسمانوں پر چڑھ جائیں تو بھی میں اُن کے دعویٰ کو نہ مانوں گا۔ میں نے کہا مولوی صاحب! آپ نے یہ کمال کیا یہی الفاظ کفار مکہ نے بھی آج سے تیرہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہے تھے۔ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ۔ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ ۔ (۱۷:۹۴) کے کیا معنی ہیں؟ اس پر وہ بہت شرمسار ہوا۔

غرض چھ ماہ کے عرصہ میں چوہدری صاحب موصوف نے قرآن کریم پڑھ لیا۔ میرے قیام کے دوران میں چوہدری فضل احمد صاحب والد ماجد چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل اور چوہدری حاجی اللہ بخش صاحب مرحوم (جو چوہدری صلاح الدین صاحب ناظم جائیداد کے نانا تھے) بھی میرے پاس آکر بیٹھا کرتے تھے اور احمدیت کا ذکر سنا کرتے تھے۔ آخر ایک دو ماہ بعد وہ بیعت کر کے سلسلہ حقہ میں داخل ہو گئے اور احمدیت میں بہت اخلاص دکھایا۔

میں نے بہلولپور سے واپسی پر بھی مجاہداتِ دینی اور ریاضات کے متعلق وہی معمول رکھا اور اس عرصہ میں میرے اندر ذکر الٰہی کی محبت روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ چنانچہ میں نے نمازِ تہجد کا یہ پروگرام بنایا۔ میں تہجد کی گیارہ رکعت کے لیے دس پندرہ سے لے کر بیس منٹ فی رکعت صرف کیا کرتا تھا اور بسط کے دنوں میں ایک ایک رکعت میں آدھ آدھ گھنٹہ تک بھی قیام کرتا تھا۔ اندازہ کے لیے میرے پاس گھڑی ہوتی تھی یا پھر میں ستاروں سے اندازہ کر

لیا کرتا تھا اور اس طرح نمازوں پر کم از کم دو گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ چھ سات گھنٹے اور عام طور پر چار گھنٹے خرچ ہوتے تھے۔ اور چھ سات گھنٹے رمضان شریف کے اندر قیام کا موقعہ ملتا تھا۔ بقاپور میں ۱۹۰۸ء تک دو سال تک یہی میرا معمول رہا۔ اور تلاوت قرآن مجید بھی سوچ سمجھ کر کیا کرتا تھا اور اس کے لیے میرا معمول یہ تھا کہ عموماً تین پارے روزانہ پڑھتا تھا۔ اور ان سے مصروفیات روحانی پر میرے پانچ چھ گھنٹے روزانہ صرف ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تبلیغ بھی کرتا۔ اُن دنوں میں میری مخالفت کم ہو گئی تھی کیونکہ لوگ مجھے دن کو قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول دیکھتے اور رات کو نوافل میں گریہ وزاری کرتے دیکھتے تھے۔

جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں چک ۹۸، ۹۹ میں مجھے چھ سال تک ٹھہرنے کا موقع ملا کیونکہ وہاں کی جماعت نے یہ شرط کی تھی کہ ہم رخصتانہ اس شرط پر کرائیں گے کہ ہم کو دو سال یہاں ٹھہر کر قرآن کریم کا ترجمہ اور مطالب سمجھا کر پڑھا دیں۔ میں نے اس شرط کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتے ہوئے خوشی خوشی قبول کیا اور وہاں پر اپنے قیام کے دوران میں مَیں مردوں کو قرآن کریم اور اس کا ترجمہ پڑھاتا تھا اور بچوں کو میری بیوی ناظرہ قرآن مجید پڑھایا کرتی تھی اور میں بھی اس کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ اور سرگودھا کے علاقہ میں کبھی کسی چک میں اور کبھی کسی چک میں تبلیغ کے لیے جایا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شب خیزی اور دن کو تبلیغی مجاہدہ کے باعث میرا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں گداز ہوتا چلا گیا اور تبتل الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خلافت ثانیہ کے عہد میں ۱۹۱۸ء تک اِن مجاہدات میں مصروف رہا۔ بعض وقت جب میں رمضان شریف کے اندر ساری ساری رات قیام کرتا اور تھک جاتا تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا کہ جب حضور پُر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہے تو پھر تھکنا کیسا! حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے کلمات طیبات اور ارشادات ہدایت بنیاد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں تیرہ سال شدید مجاہدات اور ریاضات کا جو ذکر فرمایا تھا۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھے بھی حضور کے نقش قدم پر ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۸ء تک چلنے کی توفیق ملی۔ کمزوری اور ضعف کے باعث زیادہ تو نہیں دو گھنٹہ کے قریب اب بھی شب بیداری میں گذار لیتا ہوں۔

ان واقعات اور حالات کو اس لیے بھی معرض تحریر میں لایا گیا ہے تا کہ محبت الٰہی کے طالبوں کا ذوق وشوق بڑھے اور وہ اس زمانہ میں جبکہ محبت دنیوی کے باعث اللہ تعالیٰ کی محبت سرد پڑ گئی ہے، مجاہدات اور ریاضات کے ذریعہ محبت الٰہی کو حاصل کریں جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ہے:

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تاتم پہ ہو ملائکہ عرش کا نزول

نیز فرمایا:

منہ دل در تنعمہائے دنیا گر خدا خواہی
کہ مے خواہد نگارِ من تہید ستان عشرت را

\\☆//☆\\☆//

باب دوم

دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ

جو مومنوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھائے جاتے ہیں

اب میں اس لیے کہ دوستوں کو ان مجاہدات اور ریاضات اور حضرت اقدس علیہ السلام کی زریں ہدایات

کے نتیجہ میں فیوض اور برکات کا علم ہو، کچھ واقعات اور بعض رویاء وکشوف اور الہامات پیش کرتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے مجھ ناچیز کو نوازا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (۲:۲۵۸)۔ کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے اور اس کے ولی (دوست) ہونے کی علامت یہ ہے کہ ان کو اندھیروں (مشکلات اور مصائب) سے نکال کر روشنی اور ہدایت اور اپنی نورانیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نور کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی قسم کا نور یہ کہ مومنوں کو مخالفوں کے مقابلے میں پختہ دلائل سمجھا کر غلبہ عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّہٖٓ اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ۔ (۲:۲۵۹) اس آیت میں ایک مباحثہ کا ذکر ہے جو بادشاہِ وقت اور حضرت ابراہیم کے درمیان ہوا تھا۔ اُس میں حضرت ابراہیم کو خدا نے ایسے ایسے دلائل سمجھائے کہ بادشاہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

نور کی دوسری قسم کا ذکر اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ (۲:۲۶۰) میں پایا جاتا ہے۔ نور کی یہ قسم رویاء وکشوف سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس آیت میں حزقیل نبی کے ایک رویاء کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مومنوں کو رویاء وکشوف دکھلا کر ظلمت سے نور کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

نور کی تیسری قسم کا ذکر وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (۲:۲۶۱) میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے سپرد تبلیغ کا کام کیا جاتا ہے جس سے ظلمت میں گرفتار لوگوں کو ہدایت اور ابدی حیات بخشی جاتی ہے اور اولیاء اللہ اس قدر نورِ الٰہی حاصل کر لیتے ہیں کہ نہ صرف خود ظلمتوں سے رہائی حاصل کر لیتے ہیں بلکہ دوسروں کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے نجات دلانے کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے یہ خاکسار تحدیثِ نعمت کے طور پر پہلی قسم سے متعلق واقعات کا ذکر کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مخالفوں کے مقابلے میں دلائل کے رنگ میں غلبہ عطا فرمایا۔

ا۔ کیا نبی جھوٹ بولتا ہے؟

خلافت ثانیہ کی ابتداء میں گوکھووال ضلع لائل پور کی جماعت نے اپنے تبلیغی جلسہ پر مجھے بھی بلایا۔ مخالفین نے مولوی محمد حسین کو (جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں) لائل پور سے منگوایا۔ جب اس سے بحث کا سلسلہ چلا تو اس نے اعتراض کیا کہ محمدی بیگم والی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ حضرت مرزا صاحب کی کوئی پیشگوئی تمہارے نزدیک پوری ہوئی بھی ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا کہ بہت سی پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں صرف دو پوری نہیں ہوئیں۔ محمدی بیگم والی اور ثناء اللہ والی۔ محمدی بیگم کا خاوند بھی زندہ ہے اور مولوی ثناء اللہ صاحب بھی زندہ ہیں۔ میں نے کہا کہ خوب اچھی طرح سوچ لو اگر کوئی تیسری پیشگوئی بھی ایسی ہو جو آپ کے نزدیک پوری نہ ہوئی ہو تو اس کا بھی ذکر کر دو تا کہ میں پیشگوئیوں کو پرکھنے کا گُر مجموعی طور پر بتاؤں۔ اس نے کہا نہیں مجھے صرف ان دو پیشگوئیوں پر اعتراض ہے۔ میں نے کہا، اچھا تھوڑی دیر کے لیے میں مان لیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کی یہ دو پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ باقی سب پوری ہوگئی ہیں۔ اور قرآن کریم میں ایک گُر بتلایا گیا ہے: وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ (۴۰:۲۹)۔ کہ بعض پیشگوئیاں پوری ہو جائیں اور بعض تمہارے معیار کے مطابق پوری نہ اُتریں تو بھی مدعی سچا ہے۔ اب تم اعتراض کرو۔ اس پر اس مولوی نے کہا کہ مرزا صاحب سچے نبی نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے ڈبل جھوٹ بولا ہے ایک نہیں دو جھوٹ ثابت ہوئے اور جھوٹا شخص نبی نہیں ہوسکتا۔ میں نے جلدی سے تفسیر محمدی کا جو میرے پاس تھی وہ مقام نکال کر پیش کیا، جہاں پر لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (العیاذ باللہ) تین جھوٹ بولے۔ حالانکہ تم باوجود اس بات کے ان کو صدیق ہی مانتے ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ان کو ''صدیق نبی'' کہہ کر بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے تین جھوٹ بولنے کے بھی قائل ہو۔ میرا یہ بیان سُن کر وہ غیر احمدی زمیندار جو اس مولوی کو لائے تھے مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا واقعی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں میں تو نہیں مانتا۔ البتہ تمہارے مولوی کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے۔

اس پر غیر احمدیوں نے اپنے مولوی سے پوچھا کہ کیوں مولوی صاحب! کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں حدیث میں لکھا ہوا ہے۔ اس پر وہ چوہدری جو اُسے لایا تھا بہت غصہ ہوا اور غصہ سے کہنے لگا کہ جاؤ یہاں سے نکل جاؤ۔ پھر مجھ سے ان لوگوں نے کتاب دیکھنے کے لیے لے لی

اور میں نے اس حوالہ کا نشان کر دیا اور قرآن مجید کی آیت بھی دکھا دی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صدیق نبی لکھا ہوا ہے۔ اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ آج رات ہماری مسجد میں حضرت مرزا صاحب کے متعلق صحیح صحیح حالات بیان کریں۔ چنانچہ میں نے رات کو تقریر کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے سات افراد نے وہاں پر ہی بیعت کر لی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

۲۔ آنحضرتؐ کے تین دعوے

ریاست پٹیالہ کا تبلیغی دورہ کرتے ہوئے جب میں انبالہ چھاؤنی کے پاس شاہ آباد نامی اسٹیشن پر پہنچا جہاں پر خان صاحب ڈاکٹر عبداللہ صاحب کوئٹہ والے کے بھائی رحیم اللہ صاحب اور ایک دو گھر اور بھی احمدی تھے۔ وہاں پر عشاء کی نماز کے بعد غیر احمدیوں نے اپنی مسجد میں مجھے وعظ کرنے کا موقعہ دیا۔ صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کرنے پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ مرزا صاحب صرف مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی مہدی ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ بتلائیں کہ کسی نبی نے آج سے پہلے دو دعوے کئے ہیں؟ میں نے کہا حضرت اقدس نے تو کرشن ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ وہ (کہنے لگے کسی) اور نبی کی مثال پیش کریں جس نے تین دعوے کئے ہوں۔ میں نے کہا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے حضرت مرزا صاحب خادم ہیں تین دعوے کئے ہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے سامنے اپنے آپ کو مثیل موسیٰ کے رنگ میں پیش فرمایا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۱۶:۷۳) میں آپ کو مثیل موسیٰ کہا گیا ہے۔

عیسائیوں کے سامنے آپ نے اپنے آپ کو فارقلیط کی صورت میں پیش کیا اور فرمایا میں وہ فارقلیط ہوں جس کے تم منتظر تھے۔ جیسا کہ اس دعویٰ کا ذکر وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (۶۱:۷) میں ہے۔

کفار مکہ کے سامنے آپ نے فرمایا۔ میں وہ نبی ہوں جو مذہب ابراہیمی لے کر مبعوث ہونے والا تھا۔ جیسا کہ فرمایا مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ۔ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (۲۲:۷۹)۔ میرے اس مدلل جواب پر ان میں سے بعض لوگ بہت متاثر ہوئے۔ گو چند ایک معاندانہ اعتراض بھی کرتے رہے۔

۳۔ مولوی ثناء اللہ سے صداقتِ مسیح موعودؑ پر بحث

جن دنوں راجہ علی محمد صاحب جو بعد میں مال افسر ہو کر ریٹائر ہوئے ہوشیار پور میں صدر قانونگو تھے۔ وہاں پر اہلحدیثوں نے اپنے جلسہ کا اہتمام کیا اور احمدیوں کے ساتھ مناظرہ بھی قرار پایا۔ اہلحدیثوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو امرت سر سے بلایا۔ اُن دنوں میں میری تعیناتی امرت سر میں تھی۔ مرکز نے راجہ صاحب کی درخواست پر مجھے وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مباحثہ کا اعلان سن کر ارد گرد دینگہ وغیرہ کی احمدی جماعتیں بھی جمع ہو گئی ہیں۔ مناظرہ کے اثناء میں ہماری طرف سے ماسٹر قادر بخش صاحب والد ماجد مولوی عبد الرحیم صاحب درد پریذیڈنٹ تھے اور غیر احمدیوں کی طرف سے صدر وہاں کا ایک مولوی تھا۔ اور ان دونوں پر بطور ثالث ایک ہندوستانی متعین ہوا۔ مباحثہ کا موضوع صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اثبات تھا جس میں مدعی ہونے کی وجہ سے پہلی تقریر میری تھی۔ میں نے اپنی تقریر میں تین آیات قرآنی حضرت اقدس کی صداقت میں پیش کیں اور مکرر سہ کرا نکو حاضرین کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی۔ اور آدھ گھنٹہ کا وقت اس پر صرف کیا۔ کیونکہ پہلی دونوں تقریروں کے لیے آدھ آدھ گھنٹہ اور بعد میں پندرہ پندرہ منٹ کا وقت تھا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو بجائے اس کے کہ قرآن کریم سے پیش کردہ میرے دلائل کا جواب دیتے اور میرے استدلال کو توڑتے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر سے کچھ اعتراض کئے، کچھ استہزاء کیا، کچھ شعر بازی کی جیسا کہ ان کی عادت تھی اور اپنا آدھ گھنٹہ ختم کر دیا۔ میں جب اپنی باری پر اٹھا تو کہا کہ میری پیش کردہ قرآن مجید کی تین دلیلوں کا مولوی ثناء اللہ صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب قرآن کریم کی رو سے صادق اور راستباز ہیں۔ ہاں کچھ تمسخر کیا ہے اور کچھ شعر پڑھے ہیں۔ جس کا میں کوئی جواب نہیں دیتا کیونکہ یہ موضوع بحث سے خارج ہے۔ اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ تمسخر کرنا جاہلوں کا کام ہے عالموں اور محققوں اور طالبانِ حق کا یہ شیوہ نہیں۔ جیسا کہ فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ (۶۸:۲) اور میں خدا تعالیٰ کے فضل سے عالم ہوں جاہل نہیں بننا چاہتا۔ نیز قرآن کریم سے ثابت ہے کہ تمسخر کرنا مشرکوں کا کام ہے جیسا کہ فرمایا قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ (۶۵:۹) اور میں خدا کے فضل سے موحد ہوں، مشرک نہیں۔ نیز قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ استہزاء کرنا منافقوں کا کام ہے جیسا کہ منافقوں کا قول

قرآن شریف میں آیا ہے اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ (۲:۱۵) اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مومن ہوں۔ اب میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب سے پوچھیں کہ انہوں نے قرآن کریم سے میرے استدلال کا جواب کیوں نہیں دیا اور استہزاء اور تمسخر کر کے اپنا وقت ختم کر ڈالا۔ مولوی صاحب اُٹھ کر بتلائیں کہ وہ اِن تین فریقوں میں سے کس فریق سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا۔ میری اس تقریر کا سنا تنی پریزیڈنٹ پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ ایک غلیظ گالی دے کر کہنے لگا کہ اب بھی یہ (ثناء اللہ) باز آئے گا یا نہیں؟ اس کے بعد ثناء اللہ کی شوخی اور استہزاء ختم ہو گیا اور تقریروں میں اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

مباحثہ کے خاتمہ پر اس وکیل کے بیٹے نے جو تازہ تازہ بیرسٹر ہو کر آیا تھا اور جس نے یہ مناظرہ کرایا تھا۔ راجہ علی محمد صاحب سے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر مولوی صاحب کی ایک تقریر یہاں پر ہو جائے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ ہم تو اتنی جلدی جگہ کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اُس نے کہا کہ یہی جگہ موزوں ہے مولوی ثناء اللہ صاحب نے دو بجے واپس جانا ہے چار بجے کا وقت رکھ لیں کرسیاں اور میزیں وغیرہ یہاں ہی پڑی رہیں گی۔ ہم گیارہ بجے خوشی خوشی راجہ صاحب کے مکان پر آئے اور میں تقریر کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن افسوس کہ ایک بجے کے قریب بیرسٹر صاحب نے پیغام بھیجا کہ میرے اباجی ناراض ہوتے ہیں اور وہ اجازت نہیں دیتے اور کہتے ہیں بیٹا میرے مرنے کے بعد احمدی بے شک یہاں آئیں لیکن میری زندگی میں تو انہیں یہاں لا کر تقریریں نہ کراؤ۔

۴۔ پادری جوالا سنگھ کے ساتھ مناظرہ

اس کے کچھ عرصہ بعد راجہ علی محمد صاحب کا ایک عریضہ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا کہ یہاں پر عیسائیوں اور غیر احمدیوں کی مشترکہ کانفرنس ہے۔ پہلے تین دن عیسائی ثابت کریں گے کہ مسیحیت سچا مذہب ہے انجیل کتاب اللہ ہے اور اس کی تعلیم عالمگیر اور ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہے۔ اور ان تین دنوں میں مسلمان عیسائیوں پر سوالات کریں گے۔ پھر چوتھے روز سے تین دن تک مسلمان صداقت اسلام پر تقریریں کرینگے اور قرآن پاک کا منجانب اللہ ہونا اور اسلام کی تعلیم کا عالمگیر ہونا ثابت کریں گے اور عیسائی پادری اعتراضات اور سوالات کریں گے۔ لیکن یہاں پر جو غیر احمدی مولوی ہیں وہ اس قابل نہیں کہ عیسائیوں کے

اعتراضات کا جواب دے سکیں کیونکہ عیسائیوں نے پادری جوالاسنگھ اور پادری ہوز اور حافظ احمد مسیح کو جو اُن کے چوٹی کے مناظر ہیں منگوانے کا بندوبست کیا ہے۔ اس پر حضور نے مجھے وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ چوتھے دن غیر احمدی مولوی تقریر شروع کرنے والا ہی تھا کہ میں پہنچ گیا۔ میرے جانے سے پہلے بھی کسی آدمی کی انتظار میں ایک گھنٹہ دیر ہو گئی تھی۔ جب میں راجہ علی محمد صاحب کے ہمراہ وہاں پہنچا تو پادری جوالاسنگھ اور اس مولوی میں مندرجہ ذیل سوال و جواب ہو رہا تھا:

مولوی صاحب: قرآن کریم کی تعلیم کل دنیا کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا: تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (۲۵:۲)

پادری جوالاسنگھ: مولوی صاحب قرآن کریم کی تعلیم کا عالمگیر ہونا ثابت کرنے سے پہلے آپ یہ ثابت کریں کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام بھی ہے یا نہیں۔

مولوی صاحب: آپ نے انجیل کی تعلیم کے منجانب اللہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ لہذا میں بھی نہیں دیتا۔

پادری جوالاسنگھ: مولوی صاحب آپ نے اُس وقت یہ اعتراض نہیں کیا اس لیے ہم نے جواب نہیں دیا۔

مولوی صاحب: اچھا ہم اب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انجیل کا منجانب اللہ ہونا ثابت کرو۔

پادری جوالاسنگھ: سوال کرنے کا حق آپ کے لیے اس دن تھا جو گذر گیا۔ اب تو ہمارا حق ہے کہ ہم آپ پر اعتراض کریں۔

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہء خود باید زد

اس مجمع میں جو پانچ چھ ہزار کا تھا دور دور سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ ایک وکیل صاحب اُٹھے اور کہنے لگے کہ ہمارے مولوی صاحب گو بڑے عالم فاضل ہیں لیکن پادری جوالاسنگھ صاحب کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ پادری صاحب کو چاہیے کہ مولوی صاحب سے اُن کی لیاقت کے مطابق سوال کریں۔ اس وقت دو چار اور وکیل اور بیرسٹر راجہ صاحب سے کہنے لگے کیا اچھا ہوتا اگر آپ کے سلسلہ کا کوئی عالم اس وقت یہاں موجود ہوتا جو

پادری صاحب کے سوالوں کا جواب دیتا۔ راجہ صاحب نے کہا کہ ہمارے مولوی صاحب تو آئے بیٹھے ہیں۔ اس پر سب وکیل اور بیرسٹر کہنے لگے۔ تو انہیں کہیں کہ وہ ان سوالوں کے جواب دیں وگرنہ ہماری سخت بے عزتی اور سبکی ہو گی۔

راجہ صاحب نے مجھے کہا تو میں نے جواب دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ صداقت کے بیان کرنے کے لیے وقت دیکھ لیا کرو۔ اب دس بج چکے ہیں اور گیارہ بجے اجلاس ختم ہو جائے گا کیونکہ وقت سات سے گیارہ تک تھا اور پھر کچھ آدمی اس بدمزگی کی وجہ سے اٹھ کر چلے بھی گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ کل کا وقت مقرر کر لیا جائے۔ جب یہ بات راجہ صاحب نے پادری صاحب کو کہی تو پادری جوالا سنگھ نے کہا۔ میں کب کہتا ہوں کہ یہی مولوی صاحب جواب دیں۔ کوئی اور مولوی صاحب اٹھیں اور جواب دیں۔ اس پر راجہ صاحب نے کہا۔ پادری صاحب اب تو دس بج چکے ہیں اور وقت ختم ہونیوالا ہے اس میں تو پہلی تقریر بھی پوری نہ ہوگی۔ اس لیے بہتر ہے کہ کل وقت رکھا جائے۔ اس پر پادری جوالا سنگھ نے کہا بہت اچھا اور اعلان کر دیا کہ کل بھی مباحثہ ہوگا کل تمام لوگ ضرور تشریف لائیں۔ غرض جلسہ برخاست ہوا اور بعض وکیل اور دوسرے غیر احمدی دوست کہنے لگے کہ قادیان سے کچھ اور عالم بھی منگوالیں کرایہ وغیرہ ہمارے ذمہ ہوگا۔ اس پر میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عریضہ بھجوایا اور دعا کی درخواست کی اور یہ بھی عرض کیا اگر حضرت مفتی صاحب تشریف لائیں تو بہتر ہے۔ ہمارا آدمی جو خط لے کر گیا تھا وہ مغرب کے وقت قادیان پہنچا۔ حضور نے دعا فرمائی اور نماز مغرب کے بعد حضرت مفتی صاحب کو فوری روانگی کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اُسی وقت روانہ ہو کر صبح سویرے تشریف لے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ جو آدمی پیام لے کر گیا تھا وہ مغرب کی اذان کے وقت قادیان پہنچا تھا۔ حضرت اقدس کے حضور آپ کا خط بھجوایا گیا۔ حضور نے اُسی وقت مجھے نماز کے بعد حکم دیا کہ اُسی وقت روانہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضور کی دعا اور توجہ کی برکت سے میری تقریر بہت موثر ثابت ہوئی اور لوگوں نے اسے اس قدر پسند کیا کہ میں خود حیران رہ گیا۔ وہ حقائق اور معارف جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوشہ چینی سے میں نے جمع کئے تھے۔ محض الٰہی تائید کے ساتھ اُن کے بیان کرنے کی توفیق ملی۔ فالحمد للہ

اس مجمع میں قریباً سات آٹھ ہزار کی نفری ہوگی۔ اور لوگ پہلے جلسوں سے بھی زیادہ آئے تھے۔ میں نے صبح اپنی تقریر کے مضمون کو ترتیب دے لی تھی۔ ان میں سے ایک بات مجھے یاد رہ گئی ہے جو میں نے اس وقت بیان کی

تھی اور وہ یہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کی صفت کلام کا مظہر ہے اور یہ ضروری امر ہے کہ صفت میں بھی موصوف کی جھلک نمایاں ہو اور صفت وہی ہے جو موصوف پر دلالت کرے۔ اِس لحاظ سے قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے وجود کی روشن دلیل ہے اور اس کے متعلق خود قرآن پاک کے اُتارنے والا فرماتا ہے: مثلاً کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ۔ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّھَا۔ (۱۴: ۲۵-۲۶) کہ ہمارے اس کلام کی مثال شجرہ طیبہ کی طرح ہے جس کی جڑ اس طرح مظبوط ہے کہ وہ دعویٰ بھی خود کرتا ہے اور اپنے دعوے کی دلیل بھی خود ہی دیتا ہے۔ جیسا کہ سورج اپنے وجود کی خود دلیل ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

قرآن کریم میں جس قدر تعلیمیں ہیں جس قدر ہدایتیں ہیں۔ اوّل تو اُن کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔ دوسرے اُن کی صداقت کا ثبوت یہ دیا گیا ہے کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے ایک معمولی انسان روحانی انسان بن جاتا ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور یہ تعلق کسی خاص زمانہ کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ قرآن پاک کے نزول سے آج تیرہ چودہ سو سال تک اس کا ثبوت ملتا چلا آ رہا ہے۔ اور اسلام کے اندر ہر زمانہ ہر ملک ہر ایک قطعہ زمین میں ایسے کامل افراد پیدا ہوتے چلے آئے ہیں جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے مصداق تھے اور مجددین اور ائمہ ھدیٰ اور خلفاء راشدین کا سلسلہ جاری ہے۔ جن کے ہاتھ پر قرآن کریم کے منزل علیہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں آسمانی نشان ظاہر ہوتے رہے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا رہا ہے اور اپنے الہام کے ذریعہ اپنی رضامندی کی راہوں سے اطلاع دیتا رہا ہے۔ اور یہی بات اسلام کے زندہ مذہب ہونے، قرآن پاک کے زندہ جاوید کلام ہونے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ رسول ہونے کی روشن دلیل ہے۔ لیکن جس مذہب میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ اب کوئی خدا رسیدہ پیدا نہیں ہو سکتا جو متکلم مع اللہ ہونے کا مدعی ہو سکے، ایسا مذہب زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے۔ اس کی کتاب مردہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں میں نے مجدّدین اور ائمہ ہدیٰ اور خلفائے راشدین مہدیّین کے نام گنوائے۔ اور یہ بھی کہا کہ ہمارے اس زمانہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے خالی نہیں رہنے دیا اور اپنا ایک عظیم الشان بندہ تجدید دین کے لیے کھڑا کیا۔ لیکن عیسائی مذہب میں دو ہزار سال سے یہ زندگی مفقود ہے۔

میری دو گھنٹہ کی تقریر کے بعد جب پادری جوالا سنگھ اٹھا تو بجائے اس کے کہ اصل موضوع پر کچھ کہتا۔ اس نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ خدا تعالیٰ کی صفات عین ہیں یا غیر؟ لیکن میں اپنے وقت میں اس عین غیر کے موضوع میں

نہ اُلجھا۔ اور صداقتِ قرآن اور اس کے منجانب اللہ ہونے اور تمام الہامی کتابوں سے افضل اور مکمل ہدایت نامہ ہونے کے دلائل دیتا رہا۔ لوگ بہت ہی اچھا اثر لے کر گئے اور بازاروں میں ہمارے دوستوں نے لوگوں کی زبان سے برملا یہ فقرہ سُنا کہ مولوی ہوں تو ایسے ہوں۔ اور احمدیت کا بھی خوب چرچا ہوا۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے حضرت مفتی صاحب دوسرے دن قریباً گیارہ بجے ہوشیار پور پہنچ گئے۔ غیر احمدی جوق در جوق آنے لگے اور دوسری رات حضرت مفتی صاحب نے تقریر فرمائی۔ پادری جوالا سنگھ اُن کے مقابل میں گو کھڑا ہوا لیکن ان کے منقولی دلائل جو عیسائیوں کی مقدس کتابوں پر ہی مبنی تھے اُن کا جواب اس سے بن نہ آیا اور لوگ عش عش کرنے لگے۔ تیسرے روز بازاروں میں بھی احمدی مولویوں کا خوب چرچا ہوا اور سلسلہ کی تبلیغ ہوئی۔

۵۔ کیا بل رفعہ اللہ الیہ کا مطلب دنیا سے اٹھالینا ہے؟

ایک دفعہ ضلع جالندھر میں مسئلہ حیات وفات حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اور صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک غیر احمدی مولوی سے میرا مناظرہ قرار پایا۔ جس نے تمام مجمع کو جو ڈیڑھ ہزار ہوگا، مخاطب کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ (۴:۱۵۸۔۱۵۹) کہ یہود نے اُسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ اس سے زیادہ واضح ثبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا اور کیا ہوگا؟

میں نے جواب میں کہا کہ اے حاضرین جماعت! ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس مولوی کو بھی جلدی اس دنیا سے اٹھالے اس پر وہ غصہ کے ساتھ مجھے کہنے لگا کہ ’’خدا تجھے نہ اٹھالے۔‘‘ میں نے کہا کہ پھر اٹھالینے کے معنے موت کے ہوئے نا! ورنہ آپ کو غصہ کیوں آیا؟ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو طبعی موت کے ذریعہ دنیا سے اٹھالیا۔ اس پر لوگ خوب ہنسے اور کہنے لگے مولوی صاحب آپ تو اپنے اقرار اور قول کی رو سے پھنس گئے۔

۶۔ ولٰکن شبہ لھم اور لیومنن بہ قبل موتہ کا مطلب

۱۹۱۹ء میں مسجد احمدیہ (کبوتراں والی) سیالکوٹ میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے میرا مناظرہ

قرار پایا۔ حیات مسیح ناصری علیہ السلام کے ثبوت میں مولوی ابراہیم صاحب وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے یہ استدلال کرنے لگے کہ کوئی اور آدمی مسیح کی شکل وصورت کے مشابہ بنا کر صلیب پر چڑھایا گیا تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا تھا۔

میں نے اس استدلال کی تردید میں جواب دیا کہ شُبِّهَ لَهُمْ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشابہ بالمصلوب ہو گئے تھے۔ اور انہیں زندہ ہی اُتار لیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کی تائید دوسری آیت سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَآوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (۵۱:۲۳) یعنی صلیب کے واقعہ کے بعد وہ دونوں ماں بیٹا کسی دوسری جگہ چلے گئے۔ کیونکہ اٰوٰی کا لفظ کسی مصیبت سے نجات کے لیے آتا ہے چنانچہ اس اٰوَيْنٰهُمَا کی تفسیر حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى اَنْ يَّا عِيْسٰى اِنْتَقِلْ مِنْ مَّكَانٍ اِلٰى مَكَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُؤْذٰى یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تُو اب کسی دوسری جگہ چلا جا تا کہ دُشمن تجھے پہچان کر دوبارہ پکڑ نہ لیں اور پھر تیری ایذا دہی کے درپے نہ ہوں۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب نے مجھ سے حدیث کا حوالہ مانگا اور عام لوگ کہنے لگے کہ اگر یہ حدیث نکل آئے تو ہماری تسلی ہو جائے گی۔ میں نے کہا کنز العمال کی دوسری جلد میں ہے۔ انہوں نے صفحہ اور سطر کا حوالہ مانگا۔ میں نے کہا کہ بعد میں لکھ دوں گا۔ انہوں نے کہا کتاب میرے پاس سات جلدوں میں موجود ہے ابھی منگواتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا شاگرد بھیجا کہ دوسری جلد لے آئے۔ مجھے صفحہ اور سطر یاد نہ تھی لیکن خدا تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ایک دوست کی نشان دہی پر "عسلِ مصفّٰی" سے حوالہ کا پتہ مل گیا اور میں نے اصل حوالہ نکال کر لوگوں کو دکھایا جس کا کافی اثر ہوا اور ایک خاندان وفات مسیح کا قائل ہو گیا۔

دوسری تائیدِ الٰہی اس طرح ہوئی کہ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے حیات مسیح ناصری علیہ السلام کی تائید میں وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (۱۶۰:۴) کی آیت پڑھ کر کہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ جب مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس زمانہ کے سب یہود اُن پر ایمان لائیں گے کیونکہ ابھی سب یہود اُن پر ایمان نہیں لائے اس لیے وہ زندہ ہیں۔ میں نے کہا مولوی صاحب! جو اہل کتاب یہودی اور عیسائی انیس سو سال سے مر رہے ہیں یہ لوگ کیسے ایمان لائیں گے۔ کیا اُس وقت ان سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ اس پر بجائے اس کے کہ مولوی صاحب کچھ جواب دیتے انہوں نے تفسیر بیضاوی میرے پاس بھیج دی کہ اسے پڑھ لو اس

میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ میں نے لے کراس سے وہ مقام پڑھا جہاں پر یہ دوسری روایت قَبْلَ مَوْتِھِم کی قرأت لکھی ہوئی تھی۔ یعنی ہر ایک اہل کتاب کو مرتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل دکھائی جاتی ہے اور وہ اُن پر ایمان لا کر مرتے ہیں۔

مولوی صاحب کہنے لگے یہ روایت ضعیف ہے۔ لوگ سمجھے کہ اگر روایت ضعیف تھی تو ہمارے مولوی نے خود پیش کیوں کی! اور افسوس کرنے لگے کہ ضعیف روایت کو پیش نہیں کرنا چاہیے تھا اور اس طرح مولوی صاحب کی بہت سبکی ہوئی۔

۷۔ مسیح موعود کا آنحضرت ﷺ کی قبر میں دفن ہونا

دوسرے دن صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مناظرہ تھا۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے کہا کہ اگر مرزا صاحب مسیح موعود ہوتے تو ان کی قبر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے فَیُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَابْنُ مَرْیَمَ مِنْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب! حدیث شریف میں تو قبر کا لفظ آیا ہے کہ ابن مریم میری قبر میں دفن کیا جائے گا اور پھر میں اور وہ دونوں ایک ہی قبر سے اٹھیں گے۔ آپ بجائے قبر کے مقبرہ مراد لے رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضورؐ کی قبر کھود کر تو ابن مریم کو دفن نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نقشہ آپ مقبرہ نبوی ؐ کا دکھا رہے ہیں اس میں قبر کی خالی جگہ ایک کونے میں دکھائی گئی ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے مَیں اور ابن مریم اکٹھے ایک قبر سے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان سے اٹھیں گے۔ پس آپ کا استدلال دونوں طرح غلط ہے۔ نہ آپ حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو نعوذ باللہ کھود کر ابن مریم کے دفن ہونے کے قائل ہیں اور نہ حدیث کے الفاظ کی رو سے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان دونوں (آنحضرتؐ و ابن مریمؑ) کے جی اٹھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جو نقشہ آپ مجلس میں دکھلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ میں مدینہ منورہ سے لایا ہوں اس میں ابن مریم کی قبر کی جگہ حضرت عمرؓ کی قبر کے ساتھ دکھلائی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ کے ماتحت تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ ابن مریم حضورؐ کی قبر میں دفن کئے جاتے اور وہاں سے ہی قیامت کو حضورؐ کے ساتھ اکٹھے اٹھتے۔

اس پر مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کہنے لگے کہ اس حدیث کا یہ مطلب درست نہیں تو آپ کیا مطلب

لیتے ہیں کیا یہ حدیث صحیح نہیں؟ میں نے کہا صحیح تو ہے لیکن میرے نزدیک اس سے مراد روحانی قبر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ یہ مٹی کی قبر مراد نہیں۔ جب صحابہؓ نے عذاب قبر کے متعلق حضورؐ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا تھا اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ۔ اگر قبر سے مراد یہ قبر ہو جو آپ مراد لیتے ہیں تو تمام ہندو جو جلائے جاتے ہیں عذاب قبر اور منکر نکیر کے سوال جواب سے محفوظ ماننے پڑتے ہیں۔ اور پارسیوں کے مردے جنہیں گدھیں کھا جاتی ہیں۔ اسی طرح جو مردے سمندر میں پھینکے جاتے ہیں اور انہیں مچھلیاں کھا جاتی ہیں ان سب کے متعلق ماننا پڑتا ہے کہ وہ بھی عذاب قبر سے بچ جائیں گے۔ پس اس حدیث میں ظاہری قبر مراد نہیں بلکہ روحانی قبر مراد ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رویاء جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ تین چاند میرے حجرے میں گرے ہیں اس سے بھی میرے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ چوتھی قبر کی ظاہری طور پر بھی وہاں کوئی جگہ نہیں۔

پس قبر سے روحانی قبر مراد ہے جس میں ہر ایک سے سوال و جواب ہوتا ہے اور اس حدیث میں حضورؐ نے مسیح محمدیؑ سے اپنے اتحاد کامل کی صراحت فرمائی ہے نہ کہ نعوذ باللہ حضورؐ کی قبر کھود کر اس میں اُس کو دفن کئے جانے کا بیان فرمایا ہے۔ میری اس تقریر سے سب حاضرین بہت متاثر ہوئے اور میرے بیان کی تصدیق کی۔

۸۔ بل رفعہ اللہ الیہ میں آسمان کا ذکر نہیں

جن دنوں میں سندھ میں امیر التبلیغ تھا وہاں کے ایک پیر معین الدین ساکن سکرنڈ کا ایک مرید احمدی ہو گیا تو اس نے تین مولوی منگوا کر مجھ سے بحث کروائی۔ ہماری طرف سے مناظرہ کے پریذیڈنٹ ماسٹر محمد پریل صاحب تھے اور حنفیوں کے پریذیڈنٹ ایک شیعہ ذاکر تھے۔ جب حنفی مولوی صاحب نے حیات مسیح ناصری علیہ السلام کی تائید میں بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ (۱۵۹:۴) والی آیت پڑھ کر ترجمہ کیا کہ ''اُسے اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا'' تو میں نے کہا مولوی صاحب کیا آسمان کا لفظ قرآن کریم میں ہے؟ مولوی صاحب کہنے لگے کہ قرآن مجید میں تو نہیں تفسیر جلالین میں ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ تفسیر جلالین میں جو کچھ لکھا ہے کیا آپ اُسے صحیح مانتے ہیں؟ مولوی صاحب کہنے لگے جو کچھ تفسیر میں لکھا ہے وہ سب صحیح ہے میرا اس پر ایمان ہے۔ میں نے تفسیر جلالین کے بائیسویں پارہ میں سے وہ روایت نکال کر پریذیڈنٹ ذاکر صاحب کو دی جس میں یہ بہتان لکھا ہوا ہے کہ نعوذ باللہ من ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینبؓ پر عاشق ہو گئے تھے۔ چونکہ شیعہ صاحبان بھی ہماری طرح عصمت انبیاء علیہم السلام کے قائل

ہیں وہ جلالین کی عبارت پڑھتے ہی غصہ سے آگ بگولا ہو گیا اور چلا کر کہنے لگا۔ ارے حنفیو!! تم نے یہ کیا غضب ڈھایا ہے؟ کیا ایسا ظالمانہ عقیدہ کسی مسلمان کہلانے والے محبِ رسول پاکؐ کا ہو سکتا ہے؟

جب پیر صاحب نے دیکھا کہ ہمارا صدر ہی ہمیں ملزم کر رہا ہے تو آپے سے باہر ہو کر کہنے لگا کہ کیا مرزا صاحب محمدی بیگم پر عاشق نہیں ہو گئے تھے؟ میں مولویوں کی کتاب سے حوالہ دکھاتا ہوں۔ میں نے کہا اس کی ضرورت نہیں اس کی ضرورت نہیں میں مانتا ہوں کہ کسی ناپاک دل مولوی نے ایسا لکھا ہوگا۔ مگر ہمارے نزدیک ایسی کتاب جلانے کے لائق ہے اور لکھنے والا بے ایمان فاسق ہے جو بہتان لگانے کی وجہ سے اَسّی درّے کھانے کا مستحق ہے۔ کیا تم بھی جلالین کی روایت کے متعلق ایسا کہنے کو تیار ہو؟

اس پر کچھ جواب دینے کی بجائے پیر صاحب نے کہا کہ ہم مباحثہ ہی نہیں کرتے۔ اسی وقت ایک شخص مجمع سے اُٹھا اور بلند آواز سے کہنے لگا۔ میں آج سے احمدی ہو گیا ہوں واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن پاک سے ثابت ہے اور حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے اور راستباز ہیں۔

۹۔ مخالف مولوی پر حق کا رعب

۱۹۱۵ء میں جب میرا تقرر راولپنڈی میں تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سید محمد اشرف صاحب مرحوم، ملک نورالدین صاحب مرحوم اور ماسٹر محمد رمضان صاحب مرحوم کے ساتھ مجھے چنگا بنگیال جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک ہفتہ تقریریں کرنے اور تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے کا موقعہ ملا۔ اسی دوران میں کسی دوسرے گاؤں سے مولوی محمد فضل صاحب کا ایک بھانجا آیا جسے میں نے کہا کہ ہم تمہارے گاؤں میں بھی تبلیغ کے لیے آئیں گے۔ اس پر مولوی محمد فضل صاحب کہنے لگے کہ اس کے گاؤں کا نمبردار بہت شریر ہے وہ اپنی قوم کے حنفی مولوی کی بے عزتی کیے بغیر بھی نہیں ٹلتا۔ آپ تو احمدی ہیں اور پھر غیر قوم سے۔ ممکن ہے وہ بے ادبی کرے اور سختی سے پیش آئے۔ اس لیے آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بیعزتی بھی ہو تو موجبِ عزت ہے۔ اور مولوی صاحب کے بھانجے سے کہا کہ اس بات کا ذکر اپنے نمبردار سے کر دینا کہ وہ ہمیں اپنے گاؤں میں تبلیغ حق کی اجازت دیدے۔ اس پر نمبردار نے اپنے بھائی کو ہمارے پاس بھیجا کہ آپ کو اجازت ہے۔ آپ کل رات مغرب کے معاً بعد ہمارے گاؤں میں آ کر وعظ کریں۔ شرط یہ ہے کہ ہم آپ کی تقریر کے بعد اپنے مولوی سے سوال و جواب کرائیں گے۔ میں

نے اُسے خوشی سے قبول کرلیا اور دوسرے دن ہم چاروں ہی مولوی محمد فضل صاحب کو ساتھ لے کر وہاں جا پہنچے۔ان لوگوں نے ایک ایسے مولوی کو وہاں پر منگوایا ہوا تھا جو انہیں کہا کرتا تھا کہ میں مولوی محمد فضل صاحب سے گفتگو نہیں کرتا کیونکہ یہ تمہارے ماموں ہیں۔ہاں کوئی دوسرا مرزائی مولوی کبھی آیا تو اس سے بات چیت کروں گا۔جب میں نے اپنی تقریر شروع کی تو کئی لوگ جو سخت متعصب تھے بڑبڑانے لگے لیکن نمبردار کے ڈانٹنے پر خاموش ہو گئے۔میں نے اپنی تقریر میں حضرت اقدس کا ذکر بطور واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ جب ہم ہندوستان سے پڑھ کر آئے تو ہم نے سُنا کہ قادیان میں ایک شخص مرزا غلام احمد صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور جس مسیح موعود کا اُمتِ محمدیہ کو وعدہ دیا گیا تھا اس کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام اطلاع دی ہے کہ وہ مسیحِ محمدی تو ہے۔اس کے بعد جب ہمیں قادیان جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں پر گفتگو کرنے کا موقعہ ملا تو ہم نے کہا کہ یہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔قرآن مجید میں تو آیا ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر زندہ موجود ہیں اور مہدی نے تو سیدوں میں سے آنا تھا۔آپ مغل ہو کر مہدویت کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔اس پر حضرت مرزا صاحب اور ان کے مریدوں نے ہمیں یہی کہا کہ آپ لوگ ہمارے دلائل ٹھنڈے دل سے سُنیں اور غصہ میں نہ آئیں وغیرہ۔وغیرہ۔اور تین گھنٹہ تک خوب تبلیغ کی۔

جب میں تقریر کر کے بیٹھ گیا تو وہ مخالف مولوی صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب یہ آیت جو آپ نے پیش کی ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔اس میں استثناء کیسا ہے؟ میں نے کہا مولانا آپ صبر کریں میں اس استثناء کے متعلق آپ کو تشریح سے عرض کرونگا کہ یہ استثناء کس قسم کا ہے۔متصل ہے یا منقطع۔اور اس کے منطقی نتیجہ سے بھی آپ کو اطلاع دونگا۔لیکن پہلے میرا سوال آپ پر یہ ہے کہ میں نے اپنی تقریر میں کوئی صرفی نحوی یا منطقی اصطلاحیں پیش نہیں کیں۔میں نے تو صرف قرآن کریم پیش کیا ہے اور قیامت کے دن یہ لوگ نہ آپ کے کام آئیں گے اور نہ مجھے کوئی فائدہ دیں گے۔آپ سے پوچھا جائیگا کہ اس شخص نے قرآن پیش کیا تھا تم نے کیا پیش کیا؟ پھر آپ کیا جواب دیں گے؟ میرے اتنا کہنے سے اس مولوی پر حق کا رُعب اسقدر پڑا کہ وہ بلند آواز سے اعلان کرنے لگ گیا کہ لوگو! میں ان احمدیوں سے کوئی بات نہیں کروں گا۔انہوں نے مرزا صاحب کی کوئی بات پیش ہی نہیں کی اور صرف قرآن مجید کی باتیں اور آیتیں پیش کی ہیں اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں اور قرآن پاک کو کیسے جھٹلا سکتا ہوں۔لوگوں نے کہا واقعی پڑھی تو انہوں نے قرآن پاک کی آیتیں ہی ہیں مگر صداقت تو مرزا صاحب کی ثابت کی ہے۔آپ مرزا صاحب

کو سچا سمجھتے ہیں جو اُن کی باتوں (استدلال) کا جواب نہیں دینا چاہتے ؟ اُس نے کہا میں سچا تو نہیں سمجھتا لیکن میں اُن کی پیشکردہ آیتوں کی تردید نہیں کر سکتا۔ اس پر میں نے کہا بات دراصل یہ ہے کہ مولوی صاحب نیک نیت انسان ہیں۔ انہوں نے ابھی تک تحقیق ہی نہیں کی۔ جب یہ تحقیق کریں گے اور حق ان پر کھل جائے گا تو مان لیں گے۔ ابھی کیسے مان لیں۔ اس پر سب خاموش ہو گئے۔

میں نے کہا کہ اُٹھو چلیں۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کامیابی ہو تو وہاں پر ٹھہرنا نہیں چاہیے کیونکہ شیطان اپنی ذلت کو مٹانے کے لیے کوئی نہ کوئی حیلہ سوچتا ہے اور اس طرح حق کا اثر مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ مولوی محمد فضل صاحب کو کیا سوجھی جوش میں یہ کہہ دیا۔ لوگو اس سے زیادہ حق اور کیا دیکھو گے اب تو مان لو۔ اس پر وہی نمبردار غصہ میں آ گیا اور چلا کر کہنے لگا کہ پکڑلوان کو۔ میں فوراً اس کے پاس گیا اور اس کا نام (ہاشم خان) لے کر کہا کہ اگر ان لوگوں نے ہمیں مارا یا کسی قسم کی بے عزتی کی تو یہ آپ کی بے عزتی ہوگی کیونکہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے خود بلا کر بے عزتی کرائی۔ تب وہ سمجھ گیا اور اس نے دوبارہ اعلان کیا کہ انہیں کوئی کچھ نہ کہے۔ اور مجھے کہا کہ آپ یہاں سے جلد چلے جائیں مبادا یہ لوگ بے قابو ہو جائیں۔ چنانچہ ہم جلد وہاں سے چلے آئے اور لوگ شور مچاتے رہے کہ بھاگ گئے۔ اس موقعہ پر مولوی احمد خان صاحب نسیم کے والد ماجد فضل محمد خان صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔

۱۰۔ مولوی محمد علی صاحب سے گفتگو

۱۹۱۵ء کا ایک اور واقعہ ہے کہ میں راولپنڈی سے چند دن کے لیے قادیان آیا۔ واپسی پر حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجھے فرمایا کہ میں چک ۹۹ شمالی سرگودھا کے راستے واپس جاؤں کیونکہ وہاں پر حکیم شاہنواز صاحب کا بھائی (جو متعصب غیر مبائع ہے) گیا ہوا ہے شائد وہ کوئی فتنہ پھیلائے۔ میں رات لاہور ٹھہرا اور صبح مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے ارشاد کی تعمیل میں وہاں درس قرآن دیا۔ چونکہ دیر ہو چکی تھی اسٹیشن پر گیا میرے ساتھ شیخ غلام احمد صاحب نومسلم بھی تھے۔ پلیٹ فارم پر پہنچے ہی تھے کہ گاڑی نکل گئی۔ میں نے کہا کہ وقت ہے مولوی محمد علی صاحب (جو اُن دنوں لنڈے بازار کے قریب رہتے تھے) سے ہی مل آئیں۔ راستہ میں شیخ غلام احمد صاحب کہنے لگے کہ حدیث میں آیا ہے کہ مخالف سے مقابلہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے آپ مولوی صاحب

سے پہلے سلسلہ گفتگو شروع نہ کریں۔ میں نے خیال کیا کہ اس کا تو یہاں موقعہ نہیں اور مقابلہ کی کوئی صورت نہیں۔ اگر مولوی صاحب بھی خاموش رہے اور میں بھی خاموش بیٹھ کر چلا آیا تو وقت ضائع ہوگا اور وہاں کے لوگ کہیں گے کہ مولوی صاحب کے رُعب کی وجہ سے بول نہیں سکا۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ بموجب حدیث ہم میں سے ایک امیر بننا چاہیے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ امیر ہیں۔ میں نے کہا کہ اب آپ میرے لیے دعا کریں کہ مولوی صاحب سے گفتگو کے دوران میں کلمہ حق کہنے کی توفیق ملے۔

چنانچہ مولوی صاحب سے ملنے کے بعد بیٹھتے ہی میں نے کہا مولوی صاحب ایک سال ہوگیا ہے کافی بحث ہو چکی ہے اب زیادہ تشریحات بند کرنی چاہئیں اور اختلافی امور پر زور دیکر ان کو نہیں بڑھانا چاہیے۔ آپ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو ظلّی بروزی نبی کہتے ہیں اور ہم بھی۔ اس ظلّی بروزی کی تشریح کی ضرورت نہیں کہ آیا وہ صرف محدث ہوتا ہے یا کثرتِ مکالمہ مخاطبہ اور اظہار علی الغیب کی وجہ سے نبی بھی۔ پس اس تشریح کو زیادہ نہیں پھیلانا چاہیے تا کہ اختلاف نہ بڑھے۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ دینی اختلاف تو بڑا دیرپا ہوتا ہے چنانچہ سنّیوں اور شیعوں میں اب تک اختلاف موجود ہے۔ میں نے کہا اگر طالب حق بن کر بات کیجائے تو فیصلہ جلد ہو جاتا ہے۔ کہنے لگے یہی تو مشکل ہے۔ میں نے کہا دیکھیں ہم میں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں حضرت مسیح ناصری کی حیات ممات کے متعلق زمین وآسمان کا فرق تھا۔ چونکہ ہم طالبِ حق تھے اس لیے اُن کے دعویٰ کو سمجھ لیا اور سب اختلاف چھوڑ دیئے اور حق کو قبول کر لیا۔ مولوی صاحب کہنے لگے ہم جانتے ہیں جدھر میاں صاحب جماعت کو لے جا رہے ہیں وہ حق نہیں ہم حق پر ہیں۔ میں نے کہا اگر ہر ایک فریق یہ دیکھے کہ صحابہ کرام کا نمونہ کدھر پایا جاتا ہے پھر جہاں وہ نظر آئے اسی جماعت کے ساتھ مل جائے۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ ہم نے اس پر غور کیا ہے سچے خلیفے اتفاق رائے سے ہوئے ہیں۔ اگر اختلاف ہوا تو یزید کی خلافت میں۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب اگر میں یہ کہوں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت بھی ثقیفہ بنوساعدہ میں انصار اور مہاجرین کے درمیان اختلاف ہوا تھا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے پر بعض لوگوں نے اختلاف کیا کہ ایسے سخت مزاج کو کیوں خلیفہ بنا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جو طوفانِ بے تمیزی بعض منافقین نے برپا کیا۔ وہ بھی ظاہر ہے۔ کیا آپ ان واقعات کا انکار کر سکتے ہیں؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت جو اختلاف ہوا اس سے بچہ بچہ واقف ہے۔ تو کیا اختلاف کے باعث حضرت علی کرم اللہ وجہہ سچے خلیفہ نہ رہے تھے۔ حالانکہ آپ نے ابھی

خود فرمایا ہے کہ ''دینی اختلاف بڑا دیرپا ہوتا ہے۔'' تو کیا حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت میں اختلاف کے باعث ہم انہیں نعوذ باللہ غاصب کہتے ہیں؟ حالانکہ مسلمانوں کے اُس وقت سے دو ٹکڑے ہو گئے۔ باوجود اس کے ہم اور آپ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت حقہ کے قائل ہیں۔ پس آپ کا قول کہ جس کی خلافت پر اختلاف ہو وہ ناحق پر ہوتا ہے، درست ثابت نہیں ہوتا۔ کہنے لگے ہاں یہ جو آپ نے کہا ٹھیک ہے۔ میں نے کہا اس اختلاف سے ہمیں ایک اور بات معلوم ہوئی کہ کسی خلیفہ کے وقت جو اختلاف ہوتا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ اگر خلیفہ اہل بیت سے نہ ہو تو اختلاف خفیف ہوتا ہے اور اگر خلیفہ اہل بیت سے ہو تو اختلاف شدید نوعیت کا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جماعت کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت کے وقت ہوا جو آپ کے چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے۔ اور پھر دوبارہ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا۔ جب کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو اہل بیت سے نہ تھے معمولی سا اختلاف ہوا اور بعض لوگ صرف بیعت سے رک گئے مگر چونکہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ اہل بیت سے ہیں۔ اُن کے وقت اس قدر شدید اختلاف ہوا کہ جماعت دو ٹکڑے ہو گئی۔ اور ہم تو اسوۂ صحابہؓ کے مطابق اصحابِ علیؓ بن گئے۔ اب آپ کو کیا سمجھیں؟ کہنے لگے۔ ہم حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھی ہیں۔ میں نے کہا مولوی صاحب اگر میں کہوں کہ فلاں فلاں امام نے لکھا ہے کہ ان تینوں بزرگوں نے بعد میں بیعت کر لی تھی تو آپ اس سے اختلاف کریں گے؟ اس لیے اس کو چھوڑتے ہوئے میں کہوں گا کہ ان کا اختلاف مسئلہ خلافت میں نہ تھا۔ وہ خلافت کے تو قائل تھے صرف حضرت علیؓ سے ان کو اختلاف تھا۔ مگر آپ تو خلافت کے ہی منکر ہیں۔ پس یا تو آپ اعلان کریں کہ ہم خلافت کے قائل ہیں صرف میاں صاحب سے اختلاف ہے۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ جو وجوہ آپ اختلاف کے پیش کرتے ہیں وہ درست ہیں کہ نہیں۔ یا پھر اعلان کریں کہ خلافت برحق ہے اور اگر خلافت برحق خیال کرتے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلے خلیفہ حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہونے سے پہلے (جنہیں آپ چھ سال خلیفہ مانتے رہے ہیں) آپ کو کسی ایسے خلیفہ کے ہاتھ پر اُسوۂ صحابہ کے مطابق بیعت خلافت کرنی چاہیے تھی۔ حالانکہ آپ ایک سال سے بلا بیعت زندگی گزار رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو بغیر بیعت چلا جائے وہ مواخذۂ خداوندی کے نیچے ہے۔ کہنے لگے کہ سچ ہے وہ خلافت کا زمانہ تھا کیونکہ وہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نبی نہ تھے اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے اس لیے مزید خلافت نہیں۔ میں نے کہا قطع نظر اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہونے کا اپنی کتب میں لکھا ہے۔ نیز آپ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھ سال تک خلیفہ برحق مانتے رہے ہیں۔ اور کسی نبی کا خلیفہ اور اس خلیفہء نبی کو قبول کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کسی نبی کے خلیفہ کو۔ آپ تو فرمائیں کہ اس طرح خلیفہ کا انکار کر کے اور خلافت کے منکر ہو کر نہ آپ اصحاب علیؓ میں شمار ہو سکتے ہیں اور نہ اصحاب طلحہؓ و زبیرؓ و عائشہؓ میں۔ بلکہ آپ تیسرے گروہ میں جا شامل ہوئے جو خلافت کی تعریف صرف مشورہ کرنا قرار دیتے تھے اور اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہ کا نعرہ لگاتے تھے (خوارج) اور خلافت علیؓ کے بھی منکر تھے اور حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی مخالف۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب غصہ سے برافروختہ ہو کر کہنے لگے۔ آپ بحث کے لیے تیار ہو کر آئے ہیں۔ مَیں نے اس کے لیے تیاری نہیں کی۔ یا تو آپ اُٹھ کر چلے جائیں یا کوئی اور بات کریں۔

میرے ساتھی شیخ غلام احمد صاحب نے کہا اٹھو چلیں۔ لیکن وہاں ایک متعصب غیر مبائع مولوی فضل احمد صاحب نے شیخ صاحب سے اُلجھنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا شیخ صاحب یہ لوگ مولوی صاحب کو مطاع نہیں سمجھتے۔ ایسی گفتگو چھوڑ دیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا ہم سے غلطی ہوئی یہ باتیں آپ سے مجلس میں نہیں کرنی تھیں بلکہ علیحدگی میں کرنی مناسب تھیں۔ کہنے لگے میں کرائے کا ٹٹو نہیں میری خلوت اور جلوت برابر ہے۔ میں نے کہا آپ کا شغل کیا ہے؟ کہنے لگے میں قرآن پاک کے ترجمہ پر نظر ثانی کرتا ہوں۔ میں نے کہا یہ تو سارا آپ نے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا دیا تھا۔ اب نظر ثانی کے کیا معنے؟ کہنے لگے کچھ نہ کچھ تصحیح کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کام ذاتی ہے؟ کہنے لگے انجمن کا دیا ہوا ہے۔ اس پر شیخ صاحب نے مجھے واپس چلنے کو کہا اور ہم چلے آئے۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ اگر وہاں کچھ اور بیٹھتے تو میں اُن کو کہنے والا تھا کہ آپ تو کہتے تھے کہ میں کرائے کا ٹٹو نہیں اور اب جو انجمن سے دو سو روپیہ ماہوار لیتے ہیں کیا یہ کرایہ نہیں؟

۱۱۔ حکمتِ عملی سے تبلیغ

۱۹۱۱ء کا واقعہ ہے کہ میں اور چوہدری غلام محمد صاحب گوندل چک ۴۳ سے چک ۹۹ کو آرہے تھے کہ راستہ میں رات ہم کو چک ۱۰۳ جنوبی میں ٹھہرنا پڑا۔ جب ہم مغرب کی نماز پڑھنے گئے تو نمازی واپس آرہے تھے۔ جب ہم

نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ امام الصلوٰۃ وہاں بیٹھے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم احمدی ہیں اور عشاء کے بعد وعظ کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر امام صاحب کہنے لگے کہ میں بھی بیعت کر آیا تھا۔ گاؤں والے مخالف ہو گئے۔ اب میں انکار کر چکا ہوں تو میرے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ آپ وعظ نہ کریں۔ جن کے ہاں ہم مہمان تھے انہیں کہا کہ آپ کھانا جلد کھلا دیں، ہم نے وعظ کرنا ہے۔ انہوں نے بھی منع کیا کہ یہ لوگ آپ کی بے عزتی کریں گے اور اس سے ہمیں دُکھ پہنچے گا۔ ہم نے جواب دیا کہ اگر ہماری بے عزتی ہو گی تو آپ سے کوئی گلہ نہ ہو گا۔ ہم کھانا کھا کر مسجد میں جا پہنچے۔ امام مسجد نے کہا اگر محمد خان نمبردار مان جائے تو پھر وعظ کر سکتے ہیں۔ وہ سخت مخالف ہے۔ اس پر میں نے بلند آواز سے کہا کہ نمبردار صاحب آ گئے ہیں! وہ بولا میں وضو کر رہا ہوں ابھی آیا۔ میں نے کہا ہم آپ کے گاؤں میں بطور مسافر ٹھہر گئے ہیں کچھ قرآن کریم سنانا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا پہلے ہمارے ساتھ نماز پڑھیں پھر قرآن سنائیں۔ میں نے کہا چوہدری صاحب آپ کو معلوم ہے کہ ہم آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے اس لیے میں فقط آپ کو قرآن سناؤں گا۔ غرض اس طرح ردوکد کے بعد میں نے کہا ہمیں افسوس ہو گا کہ آپ مسلمان ہو کر قرآن سننا پسند نہیں کرتے۔ آخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ مرزا صاحب کا نام بالکل نہ لیں اور عام وعظ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کریں۔ اور انہوں نے ہم کو صف دے دی کہ پہلے آپ نماز پڑھ لیں پھر ہم پڑھیں گے۔ نماز سے فراغت کے بعد میں اٹھا اور وعظ میں حضرت نبی اکرمؐ کی تکالیف اور تبلیغی مشکلات کا ذکر کیا اور پھر ائمہ دین اور مجددین نے اشاعت اسلام کی راہ میں جو جو مصائب اٹھائے ان سب امور کو ڈیڑھ گھنٹہ تک بیان کیا۔ لوگ توجہ سے سنتے رہے۔ کچھ تصوف کے مسائل بھی بیان کیے۔ آخر میں میں نے کہا دیکھو میں نے مرزا صاحب کا حسب وعدہ کوئی ذکر نہیں کیا۔ وگرنہ میرے لیے ضروری تھا کہ میں سناتا کہ حدیث شریف میں امام مہدی اور مسیح محمدیؑ کی یہ یہ علامات آئی ہیں اور یہ سب مرزا صاحب میں پائی جاتی ہیں۔ اور فلاں فلاں نشانیوں کا ذکر ہے مثلاً سورج گرہن چاند گرہن کا رمضان شریف کے اندر مقررہ تاریخوں پر ظاہر ہونا اور وہ سب نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اور یہ ذکر بھی کرتا کہ وفات مسیح ناصری قرآن کریم کی فلاں فلاں آیت سے ثابت ہے۔ اور اُمتی نبوت کے جاری اور باقی ہونے کا قرآن کریم کی فلاں فلاں آیت سے ثبوت ملتا ہے۔ چونکہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اس لیے میں نے ان امور کا ذکر نہیں کیا۔ جب وقت زیادہ ہو گیا اور اس پر مزید پون گھنٹہ گذر گیا تو حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب اب بہت وقت گذر گیا ہے اور جو کچھ آپ نے کہنا تھا وہ کہہ بھی لیا ہے اب دعا کریں۔ اس پر میں نے وعظ ختم کر دیا اور کہا آؤ دعا کریں۔

(اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ)(۱۲۶:۱۶)

۱۲۔ قرآن کریم کے ذریعے حق کا پیغام

۱۹۱۵ء میں جب میرا تقرر راولپنڈی میں تھا۔ چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار کے بڑے بھائی چوہدری عبدالحق صاحب وہاں انسپکٹر پولیس تھے۔ سید محمد اشرف صاحب رضی اللہ عنہ بھی ان دنوں راولپنڈی میں متعین تھے اور چونکہ وہ ضلع شاہپور کے رہنے والے تھے۔ اس لیے چوہدری عبدالحق صاحب سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔ چوہدری افضل حق صاحب اُن دنوں نئے نئے بی اے پاس کر کے اپنے بھائی کے پاس آئے تھے۔ ان کی طبیعت پر مغربی فلسفہ کا رنگ غالب تھا۔ چنانچہ ایک روز چوہدری عبدالحق صاحب نے شاہ صاحب سے ذکر کیا کہ افضل حق بی اے تو پاس کر آیا ہے لیکن دہریت سرایت کر گئی ہے۔ نہ خدا کو مانتا ہے اور نہ اسلام سے دلچسپی رکھتا ہے۔ شاہ صاحب نے اُن سے کہا کہ ہمارے مولوی صاحب یہاں موجود ہیں اُن سے قرآن شریف کا ترجمہ افضل حق کو پڑھوائیں تا کہ دینی علوم سے بھی اُسے واقفیت ہو جائے۔ اس پر انہوں نے چوہدری افضل حق صاحب کو میرے پاس بھیجا۔

میں نے محبت اور پیار سے افضل حق صاحب کو قرآن شریف کا ترجمہ پڑھانا شروع کیا۔ ان کی طبیعت میں غور کرنے کا مادہ تھا۔ مسائل کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے اور زیادہ تر اسلام کی حقانیت اور برتری کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ یہ درس تقریباً اڑھائی ماہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد چونکہ چوہدری عبدالحق صاحب کی تبدیلی لاہور ہو گئی اس لیے افضل حق صاحب کو بھی اُن کے ہمراہ لاہور جانا پڑا۔ لیکن اس عرصہ میں انہوں نے اتنا پڑھ لیا تھا جس سے اُن کے دل میں قرآن شریف اور اسلام کی عظمت گھر کر گئی تھی اور دینی مسائل سے انہیں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بھی انہیں حسن ظنی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اُن پر چونکہ سیاست غالب تھی اس لیے وہ سلسلہ سے حسن ظنی کے مقام سے آگے نہ بڑھ سکے۔ کچھ عرصہ بعد جب انہوں نے میدان عمل میں قدم رکھا تو سیاست اور دیگر وجوہ کی بناء پر وہ سلسلہ کے مخالف بن چکے تھے۔ لیکن اس دور میں بھی ان کے پیدا کردہ لٹریچر سے سلسلہ سے حسن ظنی ظاہر ہے۔ اور سید محمد اشرف صاحب سے لاہور میں متعدد ملاقاتوں میں اس امر کا اعتراف تو وہ کھلم کھلا کرتے رہے کہ مجھے تو مولوی بقاپوری صاحب نے مسلمان بنایا ہے ورنہ میں اسلام کیا، خدا بھی نہ مانتا تھا۔

۱۳۔ 'میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگاہ میں بارؔ

راولپنڈی میں ایک غیر مبائع درزی فضل الٰہی ایک دن مجھ سے کہنے لگا۔ کہ ہم تو میاں صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) کو بڑا سچا سمجھتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں بڑا نالائق ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں وہ سچے ہیں کہ انہوں نے جماعت کے دو ٹکڑے کر دئے ہیں۔ میں نے کہا یہ تو آپ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے متعلق بھی مانتے ہیں۔ باقی رہا نالائق ہونے کا معاملہ اس کے متعلق خود حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگاہ میں بار

پس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو بھی اس کا اقرار ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح کامیاب بھی ہیں کہ اُن کے مشن کو بطریق احسن چلا رہے ہیں اور اُن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ وہ ساری پیشگوئیاں پوری کر رہا ہے جن کا وعدہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ سے کیا تھا۔ اور نوے فی صدی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر جمع کر دیا ہے۔

۱۴۔ دین کے معاملے میں دنیاوی تعلیم کوئی معیار نہیں

ایک دفعہ یہی فضل الٰہی کہنے لگا کہ آپ میاں صاحب کو لائق کہتے ہیں وہ تو میرے سے بھی کم تعلیم یافتہ ہیں۔ میں میٹرک پاس ہوں وہ انٹرینس فیل۔ میں نے کہا ہاں جناب آپکی لیاقت تو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بڑھ گئی ہے کیونکہ وہ انٹرنس پاس نہ تھے اور تم پاس ہو۔ اس پر حاضرین کہنے لگے ارے یہ بھی کوئی لیاقت کا معیار ہے جسے تو پیش کرتا ہے۔

۱۵۔ خلیفۂ وقت کی امر بالمعروف میں تابعداری

غالباً ۱۹۱۵ء کا ذکر ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب ولایت سے آئے تو میں جلسہ سالانہ پر جاتے ہوئے اُن سے لاہور میں ملا۔ باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے کہ میں تو میاں صاحب کے ہر امر بالمعروف میں تابعداری اور اطاعت کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے کہا امر بالمعروف کے معنے آپ کیا لیتے ہیں۔ کیا ان سے کوئی امر بالمنکر بھی صادر

لگے ارے یہ بھی کوئی لیاقت کا معیار ہے جسے تو پیش کرتا ہے۔

۱۵۔ خلیفۂ وقت کی امر بالمعروف میں تابعداری

غالباً ۱۹۱۵ء کا ذکر ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب ولایت سے آئے تو میں جلسہ سالانہ پر جاتے ہوئے اُن سے لاہور میں ملا۔ باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے کہ میں تو میاں صاحب کے ہر امر بالمعروف میں تابعداری اور اطاعت کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے کہا امر بالمعروف کے معنے آپ کیا لیتے ہیں۔ کیا ان سے کوئی امر بالمنکر بھی صادر ہوتا ہے؟ اگر اس کے معنے وہ ہیں جو آپ نے سمجھے ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ ارشادِ خداوندی قرآن کریم میں مذکور ہے وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ (۶۰:۱۳) تو کیا اس سے یہ مراد لیا جائے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امر بالمنکر بھی کرتے تھے اور عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو امر بالمعروف کریں اس کی تو وہ اطاعت کریں اور امر بالمنکر کا انکار کر دیں۔ حالانکہ اس کا یہ مطلب ہی نہیں۔ اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ خدا کے نبی اور رسول اور اُن کے خلفاء صرف امر بالمعروف ہی کرتے ہیں۔

۱۶۔ نبوت پر مباہلے کی دعوت

۱۹۱۵ء کا ہی واقعہ ہے کہ ایک بار کیمل پور میں حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ سے جب وہ غیر مبایعین کے مبلغ تھے گفتگو کرتے ہوئے میں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز جب آپ لوگوں کو مباہلہ کے لیے بلاتے ہیں تو مولوی محمد علی صاحب کیوں مباہلہ نہیں کر لیتے؟ اس پر حکیم مرہم عیسیٰ کہنے لگے کہ کیا آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ نبی کے بغیر کوئی مباہلہ کا چیلنج نہیں دے سکتا نہ نبی کے بغیر کوئی مباہلہ کر سکتا ہے۔ میں نے کہا اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام واقعی نبی تھے اور آپ نے اُن کا نبی ہونا خود تسلیم کر لیا۔ کیونکہ حضرت اقدس نے اپنے مخالفین کو مباہلہ کے لیے بار ہا بلایا اور مباہلے بھی کیے اور ان مباہلوں کے نتیجہ میں کئی مخالف آپ کی زندگی میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہلاک بھی ہوئے جیسے غلام دستگیر قصوری۔ محمد اسمٰعیل علی گڑھی۔ عبدالرحمٰن لکھو کے۔ لیکھرام آریہ۔ ڈاکٹر ڈوئی امریکن وغیرہ وغیرہ۔

اس سے آزادی دلوائی جائے۔ پیشی کی تاریخ پر چھ مولوی عدالت میں پیش ہوئے جن میں تین حنفی اور تین اہلِ حدیث تھے۔ میں نے بھی اپنے وکیل کے کہنے پر حنفیوں اور اہلِ حدیث کے اختلافی مسائل جرح کے لیے اُن کو بتلا دئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ حنفی اور اہلحدیث بھی ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں لیکن اس سے حنفی اور موحد میاں بیوی کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح احمدی ہو جانے سے کسی مرد کا نکاح حنفی یا وہابی عورت سے فسخ نہیں ہو جاتا۔ جب ہمارے وکیل نے عدالت میں اہلحدیث مولویوں پر جرح کی اور پوچھا کہ جو شخص یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہے اور حضرت پیر صاحب کے نام پر گیارھویں دے تو وہ کافر ہے یا مومن؟ تو اہلحدیث مولویوں نے بالاتفاق کہا کہ وہ قطعی کافر اور جہنمی ہے۔ پھر حنفی مولویوں سے پوچھا گیا کہ جو شخص گیارھویں دینے والے اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنے والے کو کافر کہتا ہے وہ تمہارے نزدیک کافر ہے یا مومن؟ تو حنفی مولویوں نے بالاتفاق کہا کہ وہ پکا کافر ہے۔ اس پر مجسٹریٹ نے جو انگریز تھا لکھا کہ یہ بوڑھے بوڑھے مولوی تو آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں (گویا کفر کی ٹکسالیں ہیں جہاں سے کفرنامے تیار ہو کر نکلتے ہیں)۔ تو وہ سمجھ گیا کہ یہ محض ضد و عناد کا معاملہ ہے اس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں اور خاوند کے احمدی ہونے سے یہ مولوی جو تنسیخِ نکاح کا فتویٰ دیتے ہیں اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ مقدمہ خارج کر دیا۔

۱۹۔ شیعہ مجسٹریٹ کی عدالت میں جرح

اسی طرح تنسیخِ نکاح کا ایک مقدمہ سرہند بسی ریاست پٹیالہ میں ہوا جس کے لیے مجھے بھیجا گیا۔ غیر احمدی مولویوں نے احمدیوں کے کفر کے جو دلائل اور وجوہات اپنے وکیل کو تیار کر کے دئے تھے وہ ایسے تھے جن میں تجمل حسین شیعہ مجسٹریٹ کے برافروختہ ہو کر مقدمہ کا احمدیوں کے خلاف فیصلہ کرنے کا کافی مواد اور امکان تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو پٹیالہ کے ایک مخلص دوست شیخ کرم الٰہی صاحب نے (جو صحابہ میں سے تھے اور وہاں پر کورٹ انسپکٹر تھے) مجھے بتلایا کہ غیر احمدیوں کے وکیل نے جو سوالات تیار کئے ہیں اُن کا جواب بہت کٹھن ہے۔ میں نے پوچھا کیسے سوالات ہیں؟ انہوں نے کہا:

صد حسین است در گریبانم

وغیرہ کیطرح کے ہیں۔ غرض دوسرے روز جو میں عدالت میں پہنچا تو دیکھا کہ مجسٹریٹ ایک ادھیڑ عمر کا خوش مزاج

آدمی ہے اور وُہ نہایت مشتاق ہے کہ میں ان مسائل پر روشنی ڈالوں۔ اس وقت وکیل نے مجھ سے یہ سوالات کئے جو مع جوابات درج ذیل ہیں:۔

وکیل کا سوال: آپ کا پیشہ کیا ہے؟

میرا جواب: تبلیغِ اسلام میرا کام ہے۔ میں قادیان کی طرف سے مبلغِ اسلام ہوں کہ لوگوں کو بتلاؤں کہ اس وقت اسلام ہی تمام مذاہب میں سچا اور زندہ مذہب ہے اور جو بے عمل مسلمان ہیں انہیں عملی طور پر اسلام پر کار بند ہونے کی تلقین کروں۔

سوال: آپ تبلیغِ اسلام کرتے ہیں یا تبلیغِ احمدیت؟

جواب: اسلام اور احمدیت ایک ہی چیز ہے۔ حضرات شیعہ بھی جن عقائد پر کار بند ہیں انہیں صحیح اسلام یقین کرتے ہیں۔ اسی طرح حنفی جن عقائد پر کار بند ہیں انہیں صحیح اسلام یقین کرتے ہیں۔ اسی طرح احمدی جن امور اور اعتقادات کو صحیح یقین کرتے ہیں انہیں صحیح اسلام جانتے ہیں۔

سوال: تبلیغِ اسلام عبادت ہے؟

جواب: ہاں عبادت ہے۔

سوال: عبادت پر اُجرت لینا جائز ہے؟

جواب: اس بات پر سب اسلامی فرقے متفق ہیں اور شیعہ حضرات بھی اُسے درست یقین کرتے ہیں اور تمام متقدمین و متاخرین شیعہ علماء جائز سمجھتے ہیں کہ درس تدریس اور تبلیغ کیلئے اُجرت لینی دینی جائز ہے۔

اس پر مجسٹریٹ متاثر ہو کر غیر احمدی وکیل کو کہنے لگا ارے بھائی اگر یہ جائز نہ ہو تو پھر دین کا کام ہی چلنا بند ہو جائے۔ درس تدریس اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کرنے والے کھائیں گے کہاں سے۔ اور اگر اُن کے گذارے کا بندوبست نہ ہو تو بھلا وہ ایسی بے اطمینانی سے پڑھانے اور خدمت وتبلیغِ اسلام کا کام کیسے کر سکیں۔

سوال: جو مرزا صاحب کو نہ مانے وہ کافر ہے؟

جواب: یہ صرف ہمارا ہی عقیدہ نہیں بلکہ حضرات شیعہ بھی مانتے ہیں کہ جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کو امام برحق نہ مانے گا وہ کافر ہے۔

مجسٹریٹ: وکیل سے مخاطب ہو کر۔ نور محمد (وکیل کا نام تھا) تُو کوئی ان سے ایسا سوال کر جس سے ثابت ہو کہ یہ کافر

ہیں۔ ارے وہ امام مہدی کیا ہوئے جن کو نہ ماننے والے کافر نہ ہوں۔

نور محمد وکیل: جی یہ بات تو تب ہو کہ مرزا صاحب سچے امام مہدی ہوں۔

مجسٹریٹ: یہ تو اُن کو سچا امام مہدی مانتے ہیں اور اس صورت میں اُن کا وہی عقیدہ ہونا چاہیے جو امام مہدی کی شان کے مطابق ہے کہ اس کے منکر مسلمان نہیں۔

خاکسار: لیجئے میں ثبوت پیش کرتا ہوں۔

مجسٹریٹ: نہیں میں اس وقت ثبوت نہیں لیتا۔

وکیل: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں؟

خاکسار: ہاں ہم حضور سرور پاکؐ کو خاتم النبیین مانتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں انہیں خاتم النبیین کا خطاب عطا فرمایا گیا ہے۔

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آئے گا؟

جواب: نہیں، مگر وہ جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ وہ نبی بن کر آئے گا اور حضورؐ کا تابع اور اُمتی ہوگا۔

سوال: کیا مرزا صاحب نبی ہیں؟

جواب: یہ نہ صرف ہمارا ہی عقیدہ ہے بلکہ شیعہ حضرات بھی مانتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کئی نبیوں سے بھی افضل ہوں گے۔

وکیل نے کہا کہ مرزا صاحب امام مہدی بھی تو ہوں۔

اس پر مجسٹریٹ نے دوبارہ اس کو زجر کی اور ناراض ہوا کہ جب یہ مرزا صاحب کو امام مہدی مانتے ہیں تو ان کے متعلق وہ سب کچھ مانیں گے جو حضرت امام مہدی کی شان میں آ رہا ہے۔

سوال: کیا حضرت علیؓ نبی تھے؟

جواب: یہ ہمارا ہی عقیدہ نہیں بلکہ حضرات شیعہ بھی مانتے ہیں کہ وہ امام تھے نبی نہیں تھے۔

سوال: ''صد حسین است در گریبانم'' کیا یہ مرزا صاحب نے کہا ہے؟

جواب: ہاں انہوں نے ہی فرمایا ہے۔

سوال: کس کتاب میں؟

جواب: نزول المسیح میں۔

سوال: کیا آپ اس کو درست مانتے ہیں؟

جواب: میرا اس بات پر ایمان ہے۔ میں ہی کیا حضرات شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوگا وہ کئی نبیوں سے افضل ہے۔ اس پر مجسٹریٹ اپنی میز پر زور زور سے قلم مار کر کہنے لگا۔ ''فیکٹ فیکٹ'' جس کے معنے ہیں: ''یہ درست اور درست ہے''۔ یا فی الواقعہ صحیح بات ہے۔

۲۰۔ سندھی وڈیرا کا قبولِ حق

کمال ڈیرہ سندھ میں ایک دفعہ وہاں کے ایک رئیس وڈیرا اللہ وسایا سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر گفتگو ہوئی تو وہ کہنے لگا۔ ہم اپنے مولوی بلاتے ہیں آپ اُن سے گفتگو کریں۔ میں نے کہا میں کس کا مولوی ہوں؟ میں بھی تو مسلمانوں کا مولوی ہوں، ہندوؤں کا تو نہیں ہوں۔ اس بات کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ آپ ہمارے لیے بھی قابل تعظیم عالم ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ آپ بے شک بلالیں لیکن یہی سمجھ کر کہ ہمارے دو چچا ہیں جن کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ دونوں کی بات سن کر ہم نے ہی فیصلہ کرنا ہے۔ چنانچہ تین چار مولوی صاحبان بلائے گئے۔ جن میں سے ایک محمد داؤد نامی میرے مقابلے میں پیش ہوا۔ وفات مسیح ناصری علیہ السلام کے ثبوت میں میں نے یَا عِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ (۳:۵۶) کی آیت پیش کی اور کہا کہ اس طرح تیس آیتیں میرے پاس ہیں جن سے وفات مسیح کا ثبوت ملتا ہے۔ پہلے صرف اسی ایک آیت پر ہم دونوں کے دلائل سُنیں اور خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر فیصلہ کریں۔ اس بات پر میں نے اللہ وسایا اور ایک فارسٹ آفیسر کو جو وہاں موجود تھا توجہ دلائی۔ چنانچہ تین گھنٹہ تک اسی ایک آیت پر سوال و جواب کے طور پر ہم دونوں کی گفتگو ہوئی۔ مجمع دو اڑھائی سو افراد پر مشتمل تھا جس میں صرف پندرہ بیس احمدی اور باقی سب غیر احمدی شیعہ و سُنی تھے۔ تین گھنٹے گذرنے کے بعد اللہ وسایا اور غلام رسول صاحب فارسٹ آفیسر نے کہا کہ اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ دوسری آیت آپ کھانا کھانے کے بعد پیش کریں۔ میں نے کہا پہلے آپ دونوں حضرات خدا کا خوف دل میں رکھ کر بیان کریں کہ مولوی صاحب نے میرے دلائل کا جواب دیا ہے یا میرے دلائل پختہ اور لاجواب ہیں؟ ان دونوں نے کہا

کہ جب آپ ایمان سے پوچھتے ہیں تو حقیقت یہی ہے کہ ہمارے مولوی نے نہ تو آپ کے دلائل توڑے ہیں اور نہ ہی آپ کے سوالات کا جواب دے سکا ہے۔ اس کا سامعین پر بہت اچھا اثر ہوا اور جب مولوی صاحبان وڈیرا صاحب کے گھر کھانا کھانے گئے تو انہوں نے کہا کہ آپ نے ہماری بڑی ہتک کی ہے اس لیے ہم کھانا کھانے کے بعد مباحثہ نہیں کریں گے۔ اُس نے کہا کہ میں نے جو بات حق تھی کہہ دی اب اگر مباحثہ نہ کرو گے تو ثابت ہوگا کہ تم بھاگ گئے۔ اس کے بعد وڈیرا صاحب مرحوم احمدی ہو گئے۔

۲۱۔ حدیث میں نماز کو دنیا کی چیز کہنا

جب سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ وتبلیغ نئے نئے ترکی سے واپس آئے تھے تو مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور شاہ صاحب اور میں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں تبلیغی دورہ کرنے کی غرض سے بھیجے گئے۔ جب ہم لکھنؤ پہنچے تو وہاں پر مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محل سے (جو مشہور عالم تھے) بھی ملنے گئے تو انہوں نے ہم کو تحفۂ خوشبو پیش کی اور ساتھ ہی حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَا کُم ثَلَاثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ حدیث بھی پڑھی کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس پر مولانا راجیکی صاحب نے ایسی روشنی ڈالی جس سے مولونا عبدالباری صاحب بہت محظوظ ہوئے اور ایک لطیفہ وہاں پر یہ ہوا۔ ہمارے مرزا کبیر الدین صاحب لکھنوی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں تو دجال کے گدھے کا ہانکنے والا ہوں اور یہ سب بزرگ ہمارے سلسلہ کے علماء ہیں جو قادیان سے تشریف لائے ہیں۔ مرزا کبیر الدین صاحب مرحوم ریلوے گارڈ تھے اور بہت خوش مزاج انسان تھے اس لیے انہوں نے گارڈ کا ترجمہ دجال کے گدھے کا ہانکنے والا کیا۔ گویا ایک رنگ میں مولوی عبدالباری صاحب کو تبلیغ بھی کی کیونکہ دجال کا گدھا دجال کے ظہور کی علامت ہے اور دجال کے قتل کرنے (یعنی لِیُھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ) (۸:۴۳) کے دلائل سے لاجواب اور مبہوت بنانے کا کام...... مسیح موعود علیہ السلام کے سپرد تھا اور اس طرح سب کے ظہور کی خبر دے دی۔ مولوی صاحب نے پوچھا تھا کہ اس حدیث میں نماز کو دنیا کی چیز قرار دیا گیا ہے۔ جب واپس قادیان آیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں یہی سوال پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تو آپ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز پڑھ رہی تھیں پس اس سے آپ کا منشاء مبارک یہ تھا

کہ نیک عورت اور نیک اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

۲۲۔ امام مہدی اور مسیح موعود کو نہ ماننے والے

جن دنوں میں سندھ میں امیر التبلیغ تھا تو ایک دفعہ کراچی کے دورہ کے اثناء میں میری آنکھ زخمی ہوگئی اور شیخ نیاز محمد صاحب مرحوم انسپکٹر سی۔آئی۔ڈی پولیس مجھے ایک متعصب ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے لے گئے۔اس نے کہا کہ مولوی صاحب آٹھ دس دن دوائی ڈلوائیں تو آنکھ کا زخم درست ہوگا۔ چنانچہ اس نے دوائی ڈالی اور چار پانچ منٹ آنکھ بند کرنے کو کہا۔ دوسرے دن میں نے شیخ صاحب کو کہا کہ مجھے راستہ تو معلوم ہے میں اکیلا جا کر دوا ڈلوا آتا ہوں۔ آپ اپنا کام کریں۔ جب تیسرا چوتھا دن دوائی ڈالواتے ہوگیا تو ایک دن ڈاکٹر صاحب پوچھنے لگے مولوی صاحب! آپ ہمیں کافر جانتے ہیں یا مسلمان؟ میں نے کہا آپ دوائی تو ڈالیں۔ اُس نے کہا نہیں، پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیں۔ پھر میں دوا ڈالوں گا۔ میں نے کہا آپ کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی اور مسیح نے آنا ہے جب وہ آئے گا تو اس کے نہ ماننے والے کو آپ کیا کہیں گے اور اُسے کیا جانیں گے کافر یا مومن؟ اس نے بلا سوچے سمجھے جلدی سے کہا کہ ہم تو اسے کافر جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ چلو اب دوا ڈالو اپنے منہ سے اپنے آپ کو کافر نہیں کہا کرتے۔ ہمارے نزدیک تو حضرت مرزا صاحب وہی امام مہدی اور مسیح موعود ہیں اور اس کا ثبوت بھی موجود ہے کہ تمام علامات ظاہر ہوگئیں۔ تمام نشانیوں کا ظہور ہو چکا اور آدھی صدی (اب تو اسی سال) گذر جانے کے باوجود ان کے سوا نہ کوئی آسمان سے اُترا نہ زمین سے ظاہر ہوا۔ اس پر اُس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور خاموش ہوگیا اور پھر کبھی کوئی سوال نہ کیا۔

(نوٹ: لغوی لحاظ سے تو کسی کو جھٹلانے والا کافر ہی کہلاتا ہے لیکن حضرت مسیح موعود نے ہمیں (حضرت مسیح موعود اور انکی جماعت کو) کافر کہنے والوں کو، بموجب حدیث 'کوئی شخص کسی دوسرے پر فسق اور کفر کی تہمت نہ لگائے کیونکہ اگر وہ شخص فاسق اور کافر نہیں تو کہنے والے پر یہ کلمہ لوٹے گا' کافر کہا ہے۔ مرتب)

۲۳۔ آریہ شانتی سروپ نے اسلام کیوں چھوڑا

۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے کہ امرتسر میں ایک آریہ (جو پہلے مولوی محمد علی قریشی تھا اور اب اس نے اپنا نام شانتی

سروپ رکھا ہوا تھا) آیا اور اس نے اشتہار دیا کہ میں کل آریہ سماج مندر امرتسر میں اس موضوع پر تقریر کروں گا کہ میں نے اسلام کو کیوں چھوڑا؟ مسلمانوں کے مولوی صاحبان بھی آویں ان کو سوال و جواب کا موقعہ دیا جائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن اس کا لیکچر سننے کے لیے مسلمان بکثرت آئے۔ علی الخصوص اس لیے بھی کہ مولویوں کے ساتھ اس کا مباحثہ دیکھیں۔ چنانچہ حنفیوں کیطرف سے مولوی عبدالحق سابق ایڈیٹر اہلسنت والجماعت اور اہل حدیث کی طرف سے مولوی ثناء اللہ اور احمدیوں کی طرف سے خاکسار بھی وہاں پہنچا۔ شانتی سروپ نے کھڑے ہوکر بیان کرنا شروع کیا کہ دیکھو جو بیمار ہوتا ہے وہ اس حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے جو اسکو بیماری سے نجات دلائے میں بھی گناہ کا بیمار تھا۔ میں نے اس مرض سے نجات حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کے نسخہ کو استعمال کرنا چاہا تو اس میں لکھا دیکھا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (۲:۱۱)۔ کہ جو پہلے بیمار ہیں، خدا ان کی بیماری اور زیادہ کرتا ہے۔ میں نے سوچا اور زیادہ غور سے کام لوں شاید کوئی علاج نکل آئے۔ لیکن وہاں پر لکھا دیکھا کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (۲:۸)۔ میں پھر بھی مایوس نہ ہوا اور زیادہ مطالعہ کیا کیونکہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اسلام کو چھوڑ دوں۔ میں نے دیکھا کہ وہاں لکھا ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا (۲:۲۷)۔ تو میں نے لاچار ہوکر انتہائی مایوسی کے بعد اسلام کو چھوڑ دیا اور آریہ مذہب کا مطالعہ کیا تو اس میں مَیں نے اپنی بیماری کا علاج پالیا اور پھر اسے اختیار کر کے شفاء حاصل کی۔

شانتی سروپ نے ایک گھنٹہ تک اس بات کو تفصیل سے بیان کیا اور بیٹھ گیا۔ پریزیڈنٹ ڈاکٹر دیندیال نے جو ایک آریہ تھا کھڑے ہوکر کہا کہ جو مولوی صاحبان اس پر کچھ کہنا چاہیں وہ اپنا نام لکھوادیں۔ چنانچہ لوگوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام لکھوایا اور جب وہ سٹیج پر آئے تو لوگوں نے خوب نعرے لگائے۔ اسکے بعد مولوی عبدالحق صاحب کا نام بھی لکھوایا۔ اس پنڈال میں احمدی صرف پانچ چھ تھے جن میں سے قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر جوان دونوں انٹرنس میں تعلیم پاتے تھے اور مجھ سے عربی پڑھا کرتے تھے اور بابو فقیر علی صاحب سٹیشن ماسٹر بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری احمدی جماعت کی طرف سے مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کا نام لکھ لیں۔ کیونکہ میں ایک غیر معروف آدمی تھا اس لیے انہوں نے مفصل پتہ طلب کیا۔ میں نے کہا میں مبلغ اسلام ہوں اور قادیان سے تعلق رکھتا ہوں اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں حقیقی اسلام کی تبلیغ کرتا ہوں۔ ان دونوں مولویوں کے لیے لوگوں نے کرسیاں خالی کر دیں۔ میں عام لوگوں کی طرح نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اُٹھ کر کہا کہ یہ آیتیں جو پڑھی گئی ہیں ان سے پہلے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ... (۲:۷) یہ بدل اور مبدل منہ ہے اور یہ باتیں مخصوص

ہیں عام نہیں، اور عالمانہ اصطلاحوں کے ساتھ تقریر کرتا رہا۔ کچھ شعر بازی کی جیسا کہ اُسے عادت تھی۔ کچھ مذاق اُڑایا اور اپنا وقت گذار دیا۔ اس سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہوگئی کیونکہ شانتی سروپ کہتا تھا کہ مولوی صاحب شعر بازی کرتے ہیں، ٹو دی پوائنٹ جواب نہیں دیتے۔ ثناء اللہ کے جواب سنکر مجھے اور میرے ساتھیوں کو دعا کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور ہم لوگ دعا میں لگے رہے۔

اس کے بعد عبدالحق کھڑا ہوا اور اس نے کہا کبھی فعل کی نسبت فاعل کے طرف ہوتی ہے، کبھی سبب کی طرف۔ اور بعض تفاسیر کے حوالے پیش کئے اور ایسے مہمل جواب دئے جسے عوام نہ سمجھ سکے اور اس سے مسلمانوں میں بددلی اور مایوسی اور زیادہ بڑھ گئی۔ شانتی سروپ نے کہا یہ تفسیریں تو تمہارے جیسے مولویوں نے کی ہیں۔ میرے لیے سند نہیں۔ معقول جواب دو۔ تم بھی اور تمہارے مفسر بھی کہتے ہیں کہ خدا بیماری نہیں بڑھاتا لیکن قرآن تمہارے خلاف یہ بیان کرتا ہے کہ خدا بیماری بڑھاتا ہے۔ میں تمہاری یا تمہارے مولویوں کی بات مانوں یا قرآن کی جسے تم خدا تعالیٰ کا کلام کہتے ہو۔ آخر:

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

میری باری آئی تو میں دعا کر کے اٹھا۔ میں نے کہا پنڈت شانتی سروپ آپ کہتے ہیں کہ میں بیمار تھا اور میں نے اسلام میں رہ کر اپنی بیماری بڑھتی دیکھی تو میں نے آریہ مذہب قبول کر لیا تو شفا پائی۔ آپ بیان کریں کہ آپ کی بیماری کیا تھی جسے اسلام کے نسخہ سے فائدہ نہ ہوا اور آریہ سماج کے پاس وہ کون سا اکسیری نسخہ تھا۔ جس سے آپ نے شفا پائی۔ میرا یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو متاثر کر دیا اور انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسلمان بڑے چھوٹے سب کہنے لگے کہ پنڈت صاحب بیماری بتلایئے بیماری جلد بتلایئے کہ آپ کو کون سا مرض تھا؟ بابو فقیر علی صاحب یہ نظارہ دیکھ سجدہ میں گر گئے۔ شانتی سروپ اس قدر مرعوب ہوا کہ پریزیڈنٹ سے کہنے لگا مولوی صاحب کو کہو کہ اس کا جواب آپ کو نہیں دیا جائے گا۔ ڈاکٹر پریزیڈنٹ جس سے میرا کسی قدر تعارف تھا اس سے میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! سوال تو میں نے شانتی سروپ صاحب سے کیا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی زبان سے جواب دیتے آپ نے اُن کی نمائندگی شروع کر دی ہے۔ اگر کرنی تھی تو ان کے وقت میں کرتے نہ کہ میرے وقت میں۔ اس پر ڈاکٹر کہنے لگا کہ آپ کا وقت اب پھر سے شروع کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا کہ شانتی سروپ نے کہا ہے کہ میں بیمار تھا اور قرآن کہتا ہے فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (۲:۱۱) اس میں ھُم کا اشارہ عام لوگوں کی طرف نہیں بلکہ ان کی طرف

ہے جو منہ سے تو محض جھوٹ اور فریب سے دوست ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن دل میں اسلام کے دشمن اور بدخواہ ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے چونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اس لیے سزا کے طور پر ان کی بیماری کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ آپ اپنے ڈاکٹر پریزیڈنٹ سے پوچھ لیں کہ جو مریض بدپرہیزی کرے گا اس کی بیماری بڑھتی جائے گی۔ کیونکہ الٰہی قانون ہے کہ جو مریض پرہیز نہ کرے اس کی مرض میں ترقی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ قانون بنایا ہے جو فطرت اور عقل کے عین مطابق ہے۔ اس لیے مقنن ہونے کی وجہ سے بیماری بڑھانے کا فعل اسکی طرف منسوب کیا ہے:

کہ بد پرہیز بیمارے نہ بیند روئے صحت را

آخر میں نے کہا کہ آپ کو اپنی بیماری بیان کرنی ہوگی۔ اس کے بعد میں نیچے بیٹھنے لگا تو سب پہلوان جو وہاں جلسہ سننے آئے تھے۔ انہوں نے میرے پاس آ کر کہا کہ آپ چل کر مولوی عبدالحق والی کرسی پر بیٹھیں آپ کا حق ہے۔ وہ تو اسلام کو ذلیل کرانے لگا تھا۔ چنانچہ مجھے کرسی دی گئی اور لوگ چھتری لے کر مجھ پر سایہ کرنے لگے۔

اس کے جواب میں شانتی سروپ نے کہا کہ یہ مولوی صاحب کے اپنے معنے ہیں تفسیروں میں اس طرح نہیں لکھا۔ اسی مضمون کی بعض اور آیات بھی ہیں۔ جیسے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۸:۲) وغیرہ۔ اس طرح کی باتیں کر کے بیٹھ گیا۔ میں اُٹھا اور کہا کہ افسوس! شانتی سروپ نے اپنی بیماری اور نسخہ نہیں بتلایا۔ شاید یہ بھول گئے ہونگے۔ میں ان کو وقت دیتا ہوں یہ سوچ کر اور یاد کر کے بتلائیں۔ اس پر پھر شور اور نعرے بلند ہوئے۔ نیز میں نے کہا کہ شانتی سروپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے تو خود کہا کہ میں تفسیروں کی بات نہیں مانوں گا۔ قرآن کی مانوں گا۔ قرآن سے جواب دیا جائے۔ اب قرآن سے ہی اس اعتراض کا جواب سنو۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ سے پہلے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۷:۲) میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ ایسے ضدی کافر ہیں۔ کہ باوجود ڈرانے کے نہیں ڈرتے، حقیقت واضح کر دینے اور سمجھانے کے نہیں سمجھتے، ان کے اس فعل کی سزا ایسی تھی کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی کہ وہ سمجھ نہیں سکتے۔ ان کی آنکھوں کے آگے پردے آ گئے کہ سچائی کے نشانات اور واضح آیات اور معجزات دیکھ کر نہیں دیکھ سکتے۔ آپ کے پریزیڈنٹ ڈاکٹر بندیال صاحب ہیں۔ ان سے پوچھ لو کہ جب کوئی شخص آنکھوں سے دیکھنے کا کام لینا چھوڑ دے بلکہ ان کو بند ہی رکھے تو کیا دو تین مہینے کے بعد وہ نابینا نہ ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں میں پھولا جالا اور دھند نہ پڑ جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے کانوں میں روئی

ٹھونس لے تو آہستہ آہستہ اس کی قوت شنوائی جاتی نہ رہے گی۔ یہی حقیقت قرآن کریم نے بیان کی ہے کیونکہ منکرین اس بات کو نہیں سوچتے کہ یہ وقت واقعی کسی مامور کے ظہور اور کسی صداقت کے پھیلنے کا ہے۔ کیونکہ روحانی امراض کثرت سے پھیل گئیں۔ ان سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور ہلاکت اور تباہی سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک مامور نے اعلان کیا لیکن لوگوں نے کان نہ دھرے اور انکار سے پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے نشان پر نشان دکھلائے۔ لوگوں نے آنکھوں سے کام نہ لیا۔ شانتی سروپ صاحب! پہلا قصور دل کا ہے کہ اس سے کام نہ لیا، اس لیے اس پر مہر لگ گئی۔ دوسرا قصور کانوں کا ہے کہ مامورِ وقت کی آواز کو نہ سُنا پس اُن پر بھی مہر لگ گئی۔ پھر آنکھوں کا ہے کہ صداقتِ مامور کے نشانات دیکھ کر چشمِ بصیرت کو نہ کھولا۔ پس اُن پر پردے پڑ گئے۔ جیسا جیسا قصور اسی طرح سزا دی گئی۔ یہ ایک صداقت ہے، حقیقت ہے، جسے قرآن پاک نے بیان کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا نہ کہ جائے اعتراض۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور سچی کتاب ہے۔ اسے جب میں نے مفصل بیان کیا تو وہ گھبرا گیا اور بار بار اپنا پسینہ پونچھتا تھا اور اُدھر سے مسلمان جزاکم اللہ، جزاکم اللہ کہتے تھے۔ اور کوئی شربت وغیرہ پینے کی پیشکش کرتا تھا کوئی چھتری لے کر سایہ کر رہا تھا (کیونکہ گرمی کا موسم تھا)۔ میں یہ کہتا تھا کہ اس وقت دعائیں کرو کہ اسلام کا کلمہ بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت ظاہر ہو۔ اور اپنی تقریر کے آخر میں پھر یہ مطالبہ دُہرایا کہ بیماری اور علاج بتلاؤ۔

شانتی سروپ اٹھا اور کہنے لگا کہ جب قرآن کہتا ہے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا (۲:۲۷) تو لوگوں کا کیا قصور۔ اور میرے جواب پر اس نے کوئی تنقید نہ کی۔ اور دوسری آیات پڑھتا رہا۔ جس سے حاضرین سمجھ گئے کہ اس کے پاس میرے دلائل کا جواب نہیں۔ وہ بیٹھا تو میں اُٹھا اور میں نے کہا یہ میرے تیسری ٹرم ہے پھر اس کے بعد مجھے کچھ کہنے کا موقعہ نہ دیا جائے گا۔ میں افسوس کرتا ہوں اور لوگ بھی منتظر تھے کہ آپ اپنی بیماری بتلاتے اور علاج کا پتہ دیتے مگر آپ نے نہ بیماری بتلائی نہ علاج سے آگاہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بیماری تھی جس کا علاج اسلام نے روزے رکھنے بتایا ہے اور یہ روزے نہیں رکھ سکے اور ادھر آ کر ان کو اس بیماری کا علاج مل گیا۔ کیونکہ آریہ مذہب میں نیوگ جائز ہے جو ان کی بیماری کا قرار واقعی علاج تھا۔ اس پر مسلمان جوش میں آ کر خوب اچھلے اور بہت شور پڑ گیا کہ ٹھیک! ٹھیک!!! یہی بیماری تھی جس کا نام لیتے ہوئے شانتی سروپ صاحب گھبراتے تھے۔ آخر مولوی صاحب نے مرض معلوم کر ہی لیا۔ (نیوگ: اولاد حاصل کرنے کے لئے خاص رسم۔ مرتب)

اس کے بعد میں نے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْراً کا جواب دیا کہ دیکھو اگر صرف سزا کا ذکر کیا جائے اور اس فعل کا ذکر نہ کیا جائے جس کے نتیجہ میں سزا دی گئی ہے تو اُسے بے انصافی سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مجسٹریٹ کسی مجرم کو پھانسی کی سزا دے دے اور ساتھ جرم نہ بتلائے اور اس جرم کے وقوع ہونے کے دلائل نہ دے تو سارا جہان اُسے ظالم اور بے انصاف قرار دے گا۔ لیکن اگر سزا کے ساتھ مجرم کے جرم کو سچی شہادتوں کی بناء پر پختہ دلائل سے ثابت کر دے تو ہر ایک انسان یہی کہے گا کہ مجسٹریٹ نے انصاف سے کام لیا ہے اور مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچایا ہے۔ یہی حقیقت اس کے بعد بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَمَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفَاسِقِیْنَ (۲:۲۷)۔ شانتی سروپ صاحب آدھی آیت پڑھتے ہیں یعنی سزا کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن آگے جو سزا دینے کی وجہ بیان کی گئی ہے اُسے چھوڑ جاتے ہیں۔ یعنی لا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ پڑھ کر چپ کر جاتے ہیں اور آگے وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی (۴:۴۴) کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ میں یہ سزا ان کو دیتا ہوں جو فاسق ہیں یعنی جان بوجھ کر نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑتے ہیں اور احکام الٰہی کو نظر انداز کرتے ہیں زمین میں فساد مچاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا ایسے لوگوں کو کوئی سزا نہ ہونی چاہیے تھی؟ اگر مجرم کو سزا نہ دی جائے تو دنیا سے امان اٹھ جائے۔

جب میں اپنی تقریر ختم کر چکا اور اُٹھ کر جانے کے لیے تیار ہوا تو مسلمان کہنے لگے۔ مولوی صاحب تشریف رکھیں ہم بیماری پوچھ کر جائیں گے۔ آریوں نے دیکھا کہ کام بگڑتا نظر آتا ہے۔ کوتوالی میں اطلاع دی۔ وہاں پر ہمارے محکم الدین صاحب کا بیٹا تھا اس نے کہا کہ جانے دو یہ کیا جواب دیں گے۔ اس واقعہ سے سارے شہر میں احمدیت کا خوب چرچا ہوا اور ہر جگہ احمدیت کی تعریف ہونے لگی۔

۲۴۔ مولوی ثناء اللہ کے محلے میں تقریر

امرت سر کے قیام کے زمانہ میں میرا طریق یہ تھا کہ ہفتہ کی شام کو کسی نہ کسی احمدی کے مکان پر مختلف محلوں میں صداقت مسیح موعود علیہ السلام کے موضوع پر تقریریں کیا کرتا تھا۔ ایک بار میاں عبدالرشید صاحب ہیڈ ڈرافٹسمین جو میاں فیملی لاہور کے ممبر ہیں اور کٹڑہ سفید امرت سر میں رہتے تھے، ان کے مکان پر تقریر کرنے کی تجویز ہوئی۔ چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اسی محلّہ میں رہتے تھے اس لیے اندیشہ تھا کہ وہ اپنے مذاق کے کسی مولوی کو بھیج کر

تقریر میں گڑ بڑ ڈلوائیں گے۔ میں نے اسی محلہ کے ایک دلال مولا بخش نامی کو جو میرا واقف تھا اور لوگوں کو کہا کرتا تھا کہ یہ ثناء اللہ سے اچھے ہیں اور ہمارا مداح تھا، بُلایا اور کہا کہ میرا اس محلّہ میں تقریر کرنے کا ارادہ ہے آپ بھی آجائیں۔ اندیشہ ہے کہ کوئی تقریر میں بولے اور بدمزگی پیدا ہو۔ اس نے کہا آپ کوئی فکر نہ کریں میں اپنے دو چار آدمی لیکر آجاؤں گا۔ وہاں پر ہم تیس بتیس احمدی تھے اور تین چار آدمی وہ بھی آ گئے اور پانچ اسی محلّہ کے مولوی ثناء اللہ نے اپنے مولویوں کے ساتھ بھجوائے۔ میں نے تقریر شروع کی تو مولوی تقریر کو خراب کرنے کے لیے گڑ بڑ کرنے لگے۔ مولا بخش نے کہا۔ مولوی صاحبان میں یہاں موجود ہوں آپ اطمینان رکھیں اس مرزائی مولوی کو اب جانے نہ دیں گے۔ آپ اسے تقریر کر لینے دیں۔ سُنیں تو سہی یہ کہتا کیا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے اور تقریر سُنتے رہے۔ میں نے تقریباً ایک گھنٹہ تقریر کی۔ جب میں اپنی تقریر ختم کر چکا تو ایک مولوی اٹھا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب! مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ مرزا صاحب نے مباہلہ کیا تھا۔ لیکن مولوی صاحب تو زندہ ہیں اور مرزا صاحب فوت ہو گئے۔ اس کا جواب دیں؟

میں جواب دینے ہی لگا تھا کہ مولا بخش کہنے لگا مولوی صاحب آپ خاموش رہیں۔ اور اس نے مولوی سے مخاطب ہو کر کہا واہ مولوی صاحب آپ نے یہ کیا سوال کیا ہے؟ وہ تو اس کے جواب میں جلدی سے کہہ دیں گے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے خود لکھا تھا کہ حرامزادے کی رسی دراز ہوتی ہے۔ واہ کیا تم اپنے مولوی کو حرامزادہ ثابت کرنے لگے ہو۔ جاؤ مرزائیو جاؤ تمہارے دلائل ہم نے سُن لیے ہیں۔ اٹھو جی ہم بھی چلتے ہیں۔ چنانچہ مجمع برخاست ہو گیا۔ ان ہی دنوں میں میاں سراج الدین موذن مسجد اقصیٰ درویش قادیان احمدی ہوئے تھے۔

۲۵۔ مرکز سے گذارہ لینا

ایک غیر احمدی مولوی نے ایک دفعہ دوران بحث میں تنگ آ کر مجھے کہا۔ تم کو قادیان سے پانچ روپے ماہوار ملتے ہیں اس وجہ سے تم احمدی ہو گئے ہو۔ میں نے کہا آپ مجھ سے لائق ہیں۔ آپ کے بھی دس روپے ماہوار لگوا دوں گا آؤ چلو قادیان چلیں۔ کہنے لگا میں کیوں دس روپے کے لیے اپنا ایمان بیچوں۔ میں نے جواب دیا کہ کیا میرا ایمان ہی اس قدر بودا اور کمزور ہے؟ اس پر لوگوں نے اُسے شرمندہ کیا کہ یہ کیسی کچی بات تو نے اُن کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔

۲۶۔ پیر ذکری نیچے گر گیا

سکرنڈ ضلع نواب شاہ (سندھ) کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک پیر صاحب جو سرہند کے خلیفہ اور ذکر میں مشہور تھے، اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ اُن کے ایک مرید مولوی عبدالرحمان صاحب میری تبلیغ سے احمدی ہو گئے۔ جب پیر صاحب کو معلوم ہوا تو ان کو بُلایا اور گفتگو کی۔ چونکہ مولوی صاحب واقف تھے، انہوں نے وفات مسیح اور صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر خوب دلائل دئے۔ تب پیر صاحب نے کہا کہ وہ خلیفہ قادیانی مولوی بقاپوری صاحب دورہ بھی کیا کرتے ہیں؟ مولوی صاحب نے بتلایا کہ ہاں کبھی کبھی آیا کرتے ہیں۔ اس پر پیر صاحب نے اپنے مریدوں کو کہا کہ جب مولوی بقاپوری صاحب آئیں تو مجھے اطلاع دینا تا کہ میں ان سے مل سکوں۔ جب میں اس کے بعد سکرنڈ گیا تو اُنکے مریدوں میں سے ایک آیا، اور کہنے لگا کہ ہمارے پیر صاحب یوں کہہ گئے تھے۔ اگر آپ کل کا دن ٹھہریں تو ہم اُن کو اطلاع پہنچا دیں۔ میں نے کہا کہ تم اپنے پیر صاحب کو خبر کر دو کہ میں کل صبح سات آٹھ بجے اُن کے گوٹھ میں خود ہی پہنچوں گا۔ غرض میں دو تین آدمی ساتھ لے کر اُن کے گاؤں کو روانہ ہو گیا جو وہاں سے ڈیڑھ دو میل تھا۔ راستہ میں ذکر آیا کہ پیر صاحب کے پاس اگر بڑے سے بڑا آدمی بھی بطور مہمان آئے تو اُسے چھوٹی سی روٹی اور کھٹی لسی کھانے کو دیا کرتے ہیں۔ اور میرے لئے یہ مضر تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں بیعت لینے کا مجاز ہونے کے باعث وہاں پر پیر مشہور تھا۔ اور جس پیر کے پاس جاتا تھا وہ دوسری چار پائی میرے بیٹھنے کیلئے بچھوایا کرتا تھا۔ اور اس ذکری پیر کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سب پیروں کو نیچے بٹھایا کرتا تھا۔ پیر صاحب کے گاؤں سے دو تین میل کے فاصلہ پر چانڈیاں مرادعلی میں ہماری نئی جماعت تھی۔ میں نے وہاں پر آدمی بھیج دیا کہ رات کیلئے تین چار آدمیوں کا کھانا تیار رکھیں۔

جب ہم گاؤں کے قریب پہنچے، تو پیر صاحب کا ایک خلیفہ آیا اور پوچھا کہ آپ میں سے مولوی بقاپوری صاحب کون ہیں۔ اور مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا کہ پیر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ راستہ میں وہ بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ پڑھتا رہا۔ دوسرے آدمی جو ملے وہ بھی شامل ہوتے گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ میرے لئے انہوں نے غلیچہ اور پیر صاحب کے لئے چار پائی بچھائی ہوئی ہے۔ تیس کے قریب اُن کے مرید بھی آگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اندر سے لا الٰہ الا اللہ کی آواز آئی تو سب مرید کھڑے ہو گئے۔ میں بیٹھا رہا۔ دیکھا کہ ایک بتیس سالہ نوجوان جس نے بال

رکھے ہوئے ہیں اور سر پر چاندی کا خول چڑھا ہوا کلاہ پہنے تھا، اور مجھے ٹکٹکی باندھ کر توجہ کرنے لگا۔ میں نے بھی ٹکٹکی باندھ کر اس پر دو تین منٹ ہی توجہ کی تھی کہ اس نے نظر نیچی کر لی۔ میں سمجھ گیا کہ میں غالب آ گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں۔ وہ سب سے معانقہ کرتے ہوئے میرے قریب آیا تو میں اُٹھ بیٹھا۔ میں نے قوت ارادی کو جمع کر کے توجہ اس پر ڈالی اور ساتھ ہی دعا بھی کی۔ جب اس نے مجھ سے معانقہ کیا تو دل کی ضرب میرے دل پر لگانے لگا۔ لیکن جب اُس کی چھاتی میری چھاتی سے لگی تو میں نے محسوس کیا کہ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر چارپائی پر گر گیا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور سندھی میں کہنے لگا ''سائیں ویہو'' یعنی حضرت بیٹھیے۔ میں نے سندھی میں جواب دیا میں نہیں بیٹھوں گا بلکہ کھڑا رہوں گا۔ اس نے سندھی میں پوچھا کہ کیوں حضرت؟ میں نے کہا کہ میں کشفی طور پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا ہوں اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مجلسوں میں بھی حاضر ہوا ہوں اور موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں رہا ہوں اور اُن کے برابر بیٹھتا رہا ہوں۔ اب اگر میں نیچے بیٹھوں اور آپ اُوپر ہوں تو ان بزرگوں کی ہتک ہوتی ہے۔ میرا یہ کہنا تھا اور کچھ توجہ کا اثر اس پر پہلے سے ہی تھا، اس نے اُٹھ کر ہاتھ جوڑے اور کہا کہ حضرت میں نے آپکی شان کو نہیں پہچانا۔ اور اُتر کر نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے اصرار کر کے اُسے غالیچہ پر بٹھایا۔ اس بات کو دیکھ کر اس کے مریدوں نے بہت برا منایا کہ اس نے پیر کو نیچے بٹھا دیا۔ پھر میں نے اس کو تبلیغ کرنی شروع کی۔ چونکہ وہ صوفی تھا اس لیے میں نے اسے تصوف کے رنگ میں پیغامِ حق پہنچایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی مزاج عاشقانہ اور معشوقانہ بنائے ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی صفتِ رحمانیت اور رحیمیت کا جلوہ نظر آ رہا ہے۔ اور ان صفات کے ظہور سے پہلے اپنی صفتِ ربوبیت کے ماتحت انسان کو پیدا کیا۔ پھر رحمانیت کے ماتحت رسولوں اور نبیوں کو بھیجا۔ اور جن لوگوں نے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۲۹:۷۰) کے ماتحت حق کو قبول کیا ان پر اپنے روحانی جسمانی انعامات صفتِ رحیمیت کے ماتحت کئے۔ اور مخالفینِ انبیاء و رسل کو اپنی صفتِ مالکیت کے ماتحت اسی دنیا میں خائب و خاسر رکھا اور اپنے پیاروں کی آنکھوں کے سامنے نابود کیا۔ اور یہ سلسلہ ارسالِ رسل و خلفائے رسل قیامت تک جاری ہے کیونکہ یہ چاروں صفات دائمی ہیں معطل نہیں۔ اسی طرح صفتِ تکلّم بھی ابدی صفت ہے جس کے ماتحت وہ اپنے پیاروں سے کلام کرتا، ان پر اپنی مرضی ظاہر کرتا اور انہیں اخبارِ غیب پر آگاہی بخشتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح تین گھنٹے مسلسل تقریر کرتا رہا۔ پیر صاحب

ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد کہتے کہ یہی لا اِلٰہَ الا اللہ کی صحیح تفسیر ہے لیکن کسی مرید نے اس عرصہ میں لا اِلٰہَ الا اللہ کی آواز نہ نکالی اور خاموشی سے سنتے رہے (یہ لوگ ہر دو چار منٹ کے بعد لا اِلٰہَ الا اللہ کا ذکر کرنے کے عادی ہیں)۔ قریباً تین گھنٹہ کے بعد وہی خلیفہ آیا اور پیر صاحب کے کان میں کچھ کہہ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آیا تو پیر ذکری صاحب نے مجھے کہا کہ حضور آپ نے بہت حقائق اور معارف سُنا کر مجھے محظوظ کیا ہے اب آپ کھانا کھالیں۔ اس کے بعد وہ جلسہ سالانہ کے متعلق دریافت کرتا رہا اور میں بتاتا رہا۔ پھر ہم اُٹھ کر کھانے کے لیے گئے تو دیکھا کہ میرے لیے انہوں نے ایک طباق میں مرغا پکا کر رکھا ہے اور ایک میرے دوسرے ساتھیوں کے لیے۔ پھر ظہر کی نماز کے بعد ہم نے اجازت چاہی۔ اس نے کہا کہ جلسہ سالانہ پر میں نہیں آسکوں گا پیر ہونے کی وجہ سے مجھے حجاب ہے۔ ہاں بعد میں حاضر ہو کر آپ کے خلیفہ صاحب کی زیارت کروں گا۔ مجھے بہت شوق پیدا ہوا ہے کہ آپ کے پیر کی زیارت کروں۔ جب ہم رات کو ٹنڈو مراد علی پہنچے تو اس جگہ بہت چرچا سُنا کہ یہ خلیفہ قادیانی بہت بڑا پیر ہے جس نے پیر ذکری کو چارپائی سے نیچے گرادیا۔

۲۷۔ تلاوتِ قرآنِ پاک کی برکت

میں جوانی میں پورا قرآن کریم تین روز میں ختم کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد سات روز میں ختم کرنا شروع کیا۔ پھر دس روز میں۔ پھر پندرہ روز میں۔ پھر ایک ماہ میں یعنی ایک پارہ روز۔ اور اب تو بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ نہیں پڑھا جاسکتا صرف آدھ پارہ روزانہ تلاوت کر لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس تلاوت کی برکت سے اتنا عبور ہو گیا ہے کہ اگر دوسرا آدمی تلاوت کر رہا ہو تو وہ حصّہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں آیات فلاں پارہ میں ہیں۔ گو حافظوں کی طرح مسلسل نہیں پڑھ سکتا۔ ۱۷-۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے کہ ایک بار حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے بھیرہ رمضان شریف میں قرآن کریم سنانے کے لیے بھجوائے گئے۔ میں بھی اُن دنوں نظارت دعوۃ و تبلیغ کی طرف سے وہاں پر موجود تھا۔ ایک دن حافظ صاحب کا قرآن سُننے کے لیے دوسرے حافظ صاحب نہ آئے تو حافظ صاحب نے کہا کہ قرآن کریم کا اعادہ کرنا تھا۔ میں نے کہا آپ مجھے سنائیں۔ کہنے لگے ناظرہ خواں غلطی نہیں نکال سکتے۔ میں نے کہا سُنائیں تو سہی۔ چنانچہ حافظ صاحب نے ابتداء ہی میں سہو کیا تو میں نے کہا یہ آیت تو فلاں موقعہ کی ہے۔ حافظ صاحب حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کو تو

اچھا خاصا قرآن یاد ہے۔ اُمید ہے اچھی طرح سن لیں گے۔ چنانچہ اس دن میں نے بطور سامع کے سُنا۔

اسی طرح ۳۳-۱۹۳۲ء کے جلسہ سالانہ کے بعد مدرسہ احمدیہ کے صحن میں رپورٹ جلسہ سالانہ سنائی گئی تو حضور نے تبصرہ فرماتے ہوئے کسی آیت کی تلاوت کی تو اٹک گئے۔ میں نے فوراً وہ آیت پڑھ دی۔ حضور نے فرمایا کسی حافظ کو موقعہ دینا چاہیے۔ دوسری بار پھر اٹکے تو میں خاموش رہا۔ لیکن اس دفعہ پھر کسی غیر حافظ نے لقمہ دیا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ ''اب پھر ایک غیر حافظ نے لقمہ دیا ہے۔ ہم تو حافظ روشن علی صاحب کے لقمہ دینے کے عادی ہیں کہ اگر کسی آیت کا ایک لفظ بھی پڑھتے تو حافظ صاحب فوراً اس کا ماقبل اور مابعد پڑھ دیا کرتے تھے۔ لیکن آج کل حافظ بھی تو بس ایسے ہی ہیں کہ مہارت نہ ہونے کے باعث صحیح آیت کا لقمہ نہیں دے سکتے۔''

۲۸۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان

جب میں بسلسلہ تبلیغ بنگال گیا تو واپسی پر ایک دو مولوی میرے ہم سفر تھے۔ اُن سے وفات حضرت مسیح ناصری پر گفتگو ہوئی تو کہنے لگے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ میں نے کہا وہ آیت پڑھیں۔ کہنے لگے آیت تو یاد نہیں۔ میں نے کہا میں پڑھ دیتا ہوں۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (۴:۱۵۹)۔ کہنے لگے ہاں یہی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ میں نے کہا یہاں ''اپنی طرف'' کے الفاظ ہیں آسمان کا نام نہیں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کا ذکر ہے انہوں نے فرمایا اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ (۳۷:۱۰۰)۔ اور اس کے بعد وہ بابل کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا گیا نہ صلیب پر فوت ہوئے بلکہ اس واقعہ کے بعد اس علاقہ کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے گئے۔ مولوی صاحب کہنے لگے کیا اللہ تعالیٰ قادر نہیں کہ آسمان پر اٹھالے؟ میں نے کہا یہاں قدرت کا سوال نہیں واقعہ کا سوال ہے۔ کہنے لگے آپ قدرت پر ایمان نہیں رکھتے؟ میں نے کہا ہم خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو اس امر پر قادر مانتے ہیں کہ عند الضرورت وہ دنیا میں کسی مامور کو نازل کرے لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجبور ہے کہ مسیح ناصری کو ہزار ہا سال تک زندہ مع جسد عنصری آسمان پر رکھے تا کہ موقع پر اس سے لوگوں کی اصلاح کا کام لے سکے۔ جیسا کہ آپ ہر دو نے عید پر نئے کوٹ بنوائے ایک عید کے بعد اُتار کر رکھ دے، دوسرا پہنے رہے کہ دوسری پر نیا بنوالیں گے۔ اب آپ بتائیں کہ ہر دو میں سے قدرت والا کس کو سمجھا جائے گا۔ نیز دیکھو باسی روٹی دوسرے وقت

کے لیے رکھنا قدرت اور عقلمندی کی علامت نہیں۔صاحبِ قدرت امیر آدمی دوسرے وقت تازہ روٹی کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو بڑی قدرتوں اور طاقتوں والا ہے۔اس نے مسیح ناصری کے وقت ان کو بھیجا اور اب مسیح محمدی کے وقت اس کو بھیج دیا۔کیا قدرت اس سے ظاہر ہوتی ہے یا اس سے جو آپ کا خلافِ قرآن عقیدہ ہے؟

۲۹۔ نبوت کے دلائل دعوے کے مطابق

۱۹۱۵ء کا ذکر ہے کہ میں سیالکوٹ گیا تو مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی جو اُن دنوں غیر مبایعین میں شامل ہو گئے تھے اُن سے سوال کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ غیر تشریعی نبوت کا تھا یا مجددیت کا؟ کہنے لگے صرف مجددیت کا۔میں نے کہا دعویٰ معلوم کرنے کا میں آپ کو ایک نہایت آسان طریق بتلاتا ہوں۔ہم دیکھیں کہ آپ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جو دلائل رقم فرمائے ہیں وہ نبیوں والے ہیں یا مجددین والے۔اگر آپ کے دعوے کے دلائل ایسے ہیں جن سے نبیوں کی نبوت ثابت ہوتی ہے تو آپ نبی ہیں اور آپ کا دعویٰ نبوت کا ثابت ہوتا ہے۔کیونکہ دعویٰ کے مطابق دلائل ہوتے ہیں۔نیز جہاں جہاں آپ نے اپنے متعلق اپنی تحریرات میں نبی کا لفظ استعمال فرمایا ہے وہاں پر مجدد کا لفظ رکھ کر دیکھا جائے کہ کیا مجدد کا لفظ رکھنے سے عبارت بے معنی اور مہمل تو نہیں ہو جاتی۔پھر آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا دعویٰ صرف مجددیت کا نہیں بلکہ نبوت کا بھی ہے۔

(۱) مثلاً ''نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)۔یہاں پر نبی کی جگہ ''مجدد یا محدث'' کا لفظ رکھنے سے عبارت کس قدر بے معنی اور مہمل ہو جاتی ہے۔

(۲) ''اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے اور ایک وہ بھی جو امتی بھی ہے اور نبی بھی''۔یہاں ''نبی بھی'' کی جگہ ''مجدد بھی'' رکھئے اور پھر مطلب واضح کیجئے۔

(۳) ''میں اسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اُسی نے میرا نام نبی رکھا ہے''۔(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

(۴) ''وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔(۱۷:۱۶) پس اس سے بھی آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہی مسیح موعود ہے۔''(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵)

(۵) ''وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ ۔(۶۲:۴) یہ آیت آخری زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیشگوئی ہے۔''(تتمہ صفحہ ۶۷ وغیرہ وقس ہذا)

ان پانچ حوالوں میں رسول اور نبی کی جگہ مجدد یا محدث کا لفظ رکھ کر غور کریں کیا عبارت بے مطلب نہیں ہو جاتی کیونکہ اوپر جو الہام اور آیات پیش کی گئی ہیں ان میں بھی رسول اور نبی کے الفاظ آئے ہیں نہ کہ مجدد اور محدث کے۔ پھر حضور علیہ السلام کا استدلال بھی رسالت اور نبوت کے متعلق ہے نہ کہ اپنی مجددیت اور محدثیت کے متعلق۔ میری اس بات کا مجلس پر بہت اچھا اثر ہوا اور مولوی صاحب لاجواب ہو گئے۔

۳۰۔ کس کی عقل پر عمل کیا جائے

۱۹۱۷ء کا ذکر ہے۔ امرتسر کی جماعت نے مولوی غلام رسول صاحب ایک احمدی کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا درس سننے کیلیے قادیان بھیجا تا کہ وہ نوٹ کر کے پھر جماعت کو سنائیں۔ جب وہ واپس آ کر درس سنانے لگے تو کہا کہ حضرت میاں صاحب نے فلاں آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے اور میری رائے میں اس طرح ہے۔ جماعت کے لوگوں نے کہا کہ آپ اُن کی تفسیر بتلائیں اپنی رائے مت بتلائیں۔ لیکن وہ اس قسم کے آدمی تھے کہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ میں نے کہا آپ کو حضرت صاحب سے اختلاف کیوں ہے؟ تو کہنے لگے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں حالانکہ آپ نبی نہ تھے صرف مجدد تھے۔ میں نے کہا اگر میں حضرت اقدس کی عبارتوں سے دکھادوں کہ آپ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو کیا پھر آپ مان لیں گے؟ کہنے لگے ہم حضرت صاحب کی وہ بات مانیں گے جو حدیث کے مطابق ہو۔ میں نے کہا اگر میں حدیث سے ثابت کردوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو ایک بار چھوڑ چار بار نبی اللہ، نبی اللہ، نبی اللہ، نبی اللہ قرار دیا ہے تو کیا آپ پھر مان لیں گے؟ کہنے لگے ہم وہ حدیث مانیں گے جو قرآن شریف کے مطابق ہو۔ میں نے کہا اگر میں قرآن شریف سے ثابت کردوں کہ آیت وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (۷۰:۴)۔ وغیرہ سے صریح طور پر ثبوت ملتا ہے کہ حضورؐ کی اطاعت اور پیروی سے آپ کے امتی نبی بھی بن سکتے ہیں تو کیا پھر آپ مان لیں گے کہ حضرت اقدس نبی تھے؟ اور خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے اختلاف چھوڑ دیں گے؟ تو کہنے لگے کہ آیت کے معنے عقل کے مطابق کریں

گے اور یہ کہہ کر چل پڑے۔ میں نے بازو سے پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب ایک بات بتلا دیں اور پھر چلے جائیں کہ عقل آپ کس کی لیں گے۔ کیونکہ ہماری عقل تو یہ کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور امتِ محمدیہؐ کی (جو خیر الامت ہے) فضیلت اور اسلام کی برتری اسی میں ہے کہ رسول پاکؐ کی تابعداری میں قرآن پر چل کر وہ تمام فیوض و برکات حاصل ہوں جن کے ملنے کی دعائیں امت محمدیہؐ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ کی قومی دعا میں ہر نماز کے ابتداء میں اور درود شریف کے اندر ہر نماز کے خاتمہ پر مانگتے چلے آئے ہیں۔ جن سے آلِ ابراہیم اور بنی اسرائیل کو چودہ سو سال نوازا جاتا رہا ہے۔ اور اگر آپ غیر احمدیوں کی عقل پر عمل کریں گے تو اُن کی عقل تو حضرت مسیح موعودؑ کو ہی سچا نہیں مانتی اور آپ یہودیوں، عیسائیوں اور آریوں کی عقل لیں گے تو وہ قرآن کریم، اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی سرے سے انکاری ہیں۔ اس پر وہ لاجواب ہو کر چلے گئے۔

۳۱۔ روحانی پھل کافروں پر حرام ہیں

جن دنوں قادیان کے غیر احمدی جلسے کرایا کرتے تھے ان دنوں کا ذکر ہے کہ ایک جلسہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان آئے تو ایک دن مقبرہ بہشتی میں بھی گئے۔ وہ سردی کا موسم تھا اور باغ میں سنگترے لگے ہوئے تھے۔ ایک سنگترے کو ہاتھ لگا کر مولوی ثناء اللہ طنزاً کہنے لگے "مرزا جی میں دو سنگترے لے لوں"۔ ایک احمدی جو سن رہا تھا اس نے کہا کہ حضرت صاحب تو آپ کو روحانی پھل اور سنگترے دیتے رہے لیکن آپ نے قبول ہی نہیں کیے۔ میں نے سن کر کہا اس کا جواب آیت اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (۷:۵۱) میں موجود ہے۔

۳۲۔ دعوے سے پہلے کی زندگی نبوت کا ایک ثبوت ہے

ایک مناظرے میں جب میں نے مولوی ثناء اللہ صاحب سے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعویٰ سے پہلی زندگی پر تم کوئی عیب، افتراء یا جھوٹ یا دغا کا لگا کر دکھلاؤ۔ جیسا کہ حضورؑ نے اُسے خود اپنی صداقتِ دعویٰ کے ثبوت میں تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲ پر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"کون تم میں سے ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لیے ایک دلیل ہے۔"

کیونکہ قرآن کریم میں اللہ پاک فرماتے ہیں فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۰:۱۷)۔ اس چیلنج پر کئی سال گذر گئے مگر آج تک کسی شخص کو اس کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ جب آپ کی دعویٰ سے پہلی زندگی پاک اور بے عیب ہے تو یہ قرآنی دلیل کی رو سے آپ کی صداقت کی اظہر من الشّمس علامت ثابت ہوتی ہے۔ اور دعوے کے بعد آپ لوگوں کے اعتراضات ویسے ہی ہیں۔ جیسا کہ دیگر مکذبین انبیاء ورسل نے اپنے وقت کے نبیوں اور رسولوں پر کئے۔ اس پر مولوی ثناء اللہ نے کہا کہ دعویٰ سے پہلے اور پچھلے اعتراضوں میں کوئی فرق نہیں جس طرح قمیض کو آگے کی طرف نجاست لگ جائے یا پیچھے کی طرف بہر حال وہ پلید ہے۔ دیکھو قرآن کریم میں بھی آتا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۔ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (۴۱:۴۲-۴۳) یعنی قرآن شریف پر آگے اور پیچھے سے اعتراض نہیں پڑتا۔ میں نے کہا آپ کی مثال بھی غلط اور آیت سے استدلال بھی خلاف واقعہ۔ کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اگر آگے سے قمیض پھٹی ہوئی ہو تو زلیخا عزیز مصر کی عورت سچی اور حضرت یوسف علیہ السلام (نعوذ باللہ) جھوٹے اور اگر پیچھے سے قمیض پھٹی ہوئی ہو تو حضرت یوسف علیہ السلام سچے اور وہ عورت جھوٹی۔ اسی طرح دعویٰ سے پہلی زندگی پر اگر اعتراض ہو تو معترضین سچے اور اگر دعوے کے بعد کوئی عیب نکالیں تو معترضین جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔ اور آیت جو آپ نے پیش کی ہے اس میں حقیقت کا اظہار ہے نہ کہ کسی واقعہ کا ذکر۔ اس سے اگلی آیت میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (۴۱:۴۴)۔ اس میں فرمایا کہ مکذبین جھوٹے اعتراض کرتے ہی ہیں۔

۳۳۔ سندھ کے پیر جمیل شاہ سے ملاقات

شہر گنبٹ (سندھ) کے ایک پیر جمیل شاہ صاحب کے پاس ایک بار مجھے مولوی غلام احمد صاحب اختر رضی اللہ عنہ ساکن چاچڑاں کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ اُس روز اُن کے ہاں عرس تھا اور اکثر مرید جمع تھے۔ ہمارے لیے انہوں نے ایک قالین بچھایا جس پر ان کا ولی عہد بیٹا اور ہم بھی بیٹھ گئے۔ خود پیر صاحب چارپائی پر تھے۔ دوران گفتگو کسر نفسی سے کہنے لگے آپ کی مہمان نوازی کے لیے مجھے خود بندوبست کرنا چاہیے تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہمانوں کے لیے اپنے ہاتھ سے..... کھانا لا کر کھلاتے، اور میں اپنے نوکروں سے کہہ رہا ہوں۔ میں نے کہا اہل اللہ خدا تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام فرشتوں سے

کرواتا ہے۔اسی طرح وہ بعض اپنا کام نوکروں سے بھی لے لیتے ہیں اور انسانی صفات کے لحاظ سے وہ اکثر اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس زمانہ میں دیکھا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے ہاتھ سے مہمانوں کو کھانا لا کر دیتے اور جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہوتے ہمارے ساتھ ہی تشریف رکھتے اور اُسی اُسوہ پر ہمارے موجودہ امام عمل فرماتے ہیں۔ اگر وہ کرسی پر ہوں تو ہمارے لیے بھی کرسی اور اگر فرش پر ہوں تو ہمارے لیے بھی فرش۔ پیر صاحب میری باتوں سے بہت خوش ہو کر اپنے بیٹے کو کہنے لگے کہ بیٹا ان سے کوئی بات پوچھنی ہو تو پوچھ لو۔ یہ بہت بڑے عالم فاضل ہیں۔ چنانچہ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جو جسم کے ساتھ ہوا تھا کیا آپ جوتی سمیت آسمانوں پر گئے تھے یا بغیر جوتی کے؟ میں نے مولوی غلام احمد صاحب اختر سے کہا کہ آپ جواب دیں۔ انہوں نے کہا کہ ایسے سوالوں کا جواب آپ ہی دیں۔ میں نے جواب دیا کہ پہلے یہ بتلائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج ہوا تھا وہ خاکی جسم کے ساتھ ہوا تھا۔ جیسا کہ ہمارا جسم ہے یا نورانی جسم کے ساتھ جو خاص آپؐ کا تھا؟ وہ جلدی سے کہنے لگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نورٌ علیٰ نور تھے۔ وہ نوری جسم کے ساتھ آسمان پر گئے تھے۔ میں نے کہا بس آپ کی جوتی بھی نوری تھی اور اُسی کے ساتھ آپؐ آسمانوں پر گئے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دوسری صبح کو جب پیر صاحب نے ہمیں بلایا تو آپ ایک قالین پر بیٹھے تھے جس پر ہمیں بھی بٹھایا اور عشاء کی نماز پیر صاحب نے مع اپنے مریدوں کے مولوی غلام احمد صاحب اختر کے پیچھے پڑھی۔

۳۴۔ جن نکالنے کا واقعہ

ایک روز کا ذکر ہے کہ جمعہ کے دن بارہ بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف سے ایک خط پر یہ حکم آیا کہ ''آپ جا کر جن نکال آئیں''۔ خط پڑھا تو لکھا تھا کہ میں نے اپنے گاؤں سے باہر ایک حویلی بنائی ہے۔ پندرہ بیس دن ہوئے کہ میری لڑکی کوٹھے پر چڑھ رہی تھی کہ اس کو ایک نوجوان کہنے لگا یہ مکان تم نے میری جگہ پر بنالیا ہے اس کو خالی کر دو ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ لڑکی کانپتی ہوئی واپس آ گئی اور مجھے یہ کیفیت سُنائی۔ میں نے اس کو تسلی دی کہ یہ محض وہم ہے جن وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ دوسرے دن پھر اُسے ایسا ہی نظر آیا اور کل والی بات دہرائی۔ میں نے پھر اس کو سمجھایا۔ مگر تیسرے دن چیخ سُنی۔ جب دیکھا تو لڑکی مری ہوئی تھی۔

غیر احمدی کہتے ہیں کہ یہ جن ہے۔ فلاں کو بلاؤ کہ وہ اُسے نکالے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم جنوں کے قائل نہیں۔ ہم احمدی ہیں۔ یہ وہم ہی وہم ہے۔ لیکن دو تین دن بعد میرے ایک ہی تیرہ چودہ سالہ لڑکے کو بھی یہ نظارہ دکھائی دینے لگا۔ اُسے بھی میں سمجھاتا رہا۔ آخر وہ بھی چوتھے دن مردہ پایا گیا۔ اب کل سے مجھے بھی وہی شکل نظر آنے لگی ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ یہ جگہ میری ہے اور میں سکندر جگدیو اس کا مالک ہوں۔ تم مکان سے نکل جاؤ ورنہ تم کو بھی مار ڈالوں گا۔ حضور ہمارے لیے دعا فرما دیں اور کسی ایسے بزرگ کو بھیجیں جو ہمیں کچھ پڑھنے کے لیے بھی بتلائے اور دعا بھی کرے۔

میں اُسی وقت حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور گذارش کی کہ حضور میں جمعہ سے پہلے جن نکالنے چلا جاؤں یا جمعہ کے بعد؟ آپ نے فرمایا جمعہ کے بعد جائیں۔ میں نے کہا کہ میں جو عرض کرنی چاہتا ہوں مسجد میں ہی عرض کرلوں گا۔ حضور خطبہ کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو میں نے عرض کی کہ میں جا کر کس طرح جن نکالوں؟ آپ نے فرمایا میں کیا کہوں۔ جس طرح مرضی ہو جا کر نکالیں۔ میں نے عرض کی جنوں کی حقیقت تو حضور پر عیاں ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ایک وہم ہے جو بڑھتے بڑھتے حقیقت اختیار کرلیتا ہے۔ آپ جائیں اور جا کر دعائیں کریں اور ظاہری تدبیر جو مناسب سمجھیں وہ بھی کریں۔ میں بھی آپ کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔

چنانچہ میں چوہدریوالہ تحصیل بٹالہ میں مستری دین محمد صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ مستری صاحب جنوں کی ہیبت سے بہت خوفزدہ تھے اور ان کے دل میں جنوں کا ڈر گھر کر گیا ہوا تھا۔ وہ مجھ سے دیر تک اس جن کے متعلق باتیں کرتے رہے جو ان کے گھر آتا تھا۔ انہیں اس بات کا بہت شکوہ تھا کہ لوگ اس سارے واقعہ کو وہم قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے دیکھتے دیکھتے ہی ان کی ایک جواں سال لڑکی اور ایک لڑکا اسی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ اتفاق کیا کہ جن تو واقعی موجود ہے اور ساتھ ہی یہ تسلی دی کہ میں جن کو اللہ کے فضل سے نکال دوں گا۔ کچھ وقفہ کے بعد ہم پھر اسی موضوع پر باتیں کرنے لگے۔ وہ مجھے بتاتے رہے کہ میں نے لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم کا ورد بھی کیا ہے اور اسی طرح اور بھی کئی ورد کئے ہیں لیکن یہ جن نہیں نکلا۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ یہ جن شیطانوں میں سے ہے کیا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کا بھی ورد کیا ہے یا نہیں؟ تو اس پر وہ خوب چونکے اور کہنے لگے کہ اس کا ورد تو نہیں کیا۔ اس پر میں نے پورے زور سے انہیں یقین دلایا کہ اعوذ باللہ کا ورد کرنے سے یہ جن ضرور دور ہو جائے گا۔ چنانچہ اس سے ان کی کچھ ڈھارس بندھی۔ اس کے بعد میرے دریافت کرنے پر انہوں نے

مجھے وہ جگہ دکھائی جہاں سے جن نمودار ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا مصلیٰ اس جگہ بچھالیا اور مستری صاحب کو یقین دلایا کہ میں آج اُسے یہاں سے اُٹھنے ہی نہ دوں گا۔ یہیں دبا دوں گا۔ اب رات ہو چکی تھی اور مستری صاحب سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ میں نے کمرہ میں بعض جگہوں پر گوگل کی دھونی دلوادی اور خود مصلّے پر بیٹھ کر دعا میں مصروف ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ وہ دین محمد صاحب کا وہم دور فرمائے۔ میں دعا کر رہا تھا کہ دین محمد نے گھبرا کر کہا کہ وہ نکلا جن۔ میں نے اُسی وقت اس کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں میں نے جن دبا لیا ہے۔ چنانچہ دیکھو اب پہلے سے اس کا قد چھوٹا نظر آ رہا ہے۔ کیوں ہے یا نہیں؟ اس پر دین محمد صاحب نے کہا کہ ہاں ہے تو چھوٹا۔ میں نے کہا اب چھوٹا ہی ہوتا جائے گا اور پھر نہیں نکلے گا۔ چنانچہ اگلی رات بھی یہی عمل ہوا اور جب میں دعا کر رہا تھا تو دین محمد صاحب نے اعتراف کیا کہ جن نکلا تو ہے لیکن دبا ہوا ہے اور بہت چھوٹا رہ گیا ہے۔ تیسری رات جن نہ نکلا اور دین محمد صاحب کی تسلی ہو گئی اور اس کے بعد میں واپس قادیان آ گیا۔

اس سلسلہ میں یہ لکھنا ضروری ہے کہ جنوں کا ایسا کوئی خارجی وجود ہم تسلیم نہیں کرتے جو انسانوں پر مسلط ہو سکے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کمزور طبیعتیں اپنے بعض وساوس سے اس قدر مرعوب ہو جاتی ہیں کہ انہیں خوف اور ڈر کی وجہ سے اپنے خیالات متمثل ہو کر ہیبت ناک جنوں کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔ اور یہ ڈر ان کے دل میں اس طرح پیوست ہو جاتا ہے کہ کسی تدبیر سے نہیں نکلتا۔ جو لوگ قوی دل کے ہوتے ہیں وہ ایسے وساوس سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ ایسے وساوس کو دبا لیتے ہیں۔ لیکن کمزور طبیعت لوگوں کے علاج کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کوئی واقف کار اور صاحب توجہ انسان ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے اور حُسنِ تدبیر سے ان کا وہم ان کے دل سے دور کر دے۔

۳۵۔ سورۃ تکویر کی علامات

ایک غیر احمدی مولوی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ لوگ سورۃ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ کو مرزا صاحب کے زمانہ کی علامت اور ان کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے کہا کہ یہ علامات بعض آسمانی ہیں اور بعض زمینی۔ آسمانی علامات میں سے سورج اور چاند گرہن ہے جس کا ذکر سورۃ القیامتہ میں ہے کہ سورج اور چاند کو اکٹھا گرہن ہوگا۔ اور زمینی جیسے اونٹوں کا بیکار ہو جانا جس کا ذکر سورۃ تکویر میں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمینی علامت اور ایک آسمانی علامت کا ذکر حدیث میں فرما کر یہ بتلا دیا کہ سورۃ تکویر کی باقی

علامات بھی مسیح موعود کے زمانہ کی ہی ہیں۔ چنانچہ فرمایا: (۱) اِنَّ لِمَھْدِ یِنَا اٰیَتَیْنِ۔۔۔(الحدیث)۔ (۲) ولیترکن القلاص فلا یسعٰی علیھا (الحدیث)۔ اور جب یہ دونوں تفسیرِ نبوی کے مطابق مسیح موعود علیہ السلام کی علامات ٹھہریں تو باقی بھی اُن کے زمانہ کی ہی قرار پائیں گی۔

۳۶۔ تین دن کا جلسہ: تنہا مجاہد

۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے جبکہ میں امرت سر میں اور مولانا غلام رسول صاحب راجیکی لاہور میں اور حافظ غلام رسول صاحب جہلم میں مقرر تھے۔ تو مجھے خط ملا کہ سیدوالہ ضلع لائلپور میں فلاں فلاں تاریخ جلسہ ہے انہوں نے آپ تینوں کے لیے درخواست کی ہے آپ پہنچ جائیں دوسرے دو عالم بھی پہنچ جائیں گے۔ جلسہ تین دن تھا اور ساتھ ہی مناظرہ بھی۔ مجھے جڑانوالہ سے تانگہ نہ ملا۔ اس لیے میں ایک دن لیٹ گیا۔ اور جب میں پہنچا تو دیکھا کہ دوسرے دونوں مولوی صاحبان بھی کسی معذوری کی وجہ سے نہیں آئے تھے اور جماعت کے دوست بڑی تشویش میں تھے۔ میں نے جلسوں کا پروگرام دیکھ کر کہا کہ تسلی رکھیں میں تینوں دن بھگتا لوں گا۔ چنانچہ میں نے صداقتِ اسلام پر تقریر شروع کی اور اس کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر احمدیوں، آریوں اور عیسائیوں پر اچھا اثر پڑا۔ کہ یہ مولوی صاحب خوب ہیں، سترہ میل تانگہ پر سفر کر کے بغیر کھائے پیئے گرمی کے موسم میں آتے ہی تقریر میں مشغول ہو گئے۔ بڑے باہمت شخص ہیں۔ پہلے دن مباحثہ اور سوال و جواب کے لیے آریہ اُٹھے۔ اور دوسرے دن وفاتِ مسیح اور امکانِ نبوت پر تقریریں اور سوال و جواب ہوئے۔ تیسرے دن صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر غیر احمدیوں سے مباحثہ قرار پایا تھا۔ لیکن تینوں دن آٹھ آٹھ گھنٹہ بولنے کے باوجود میرے گلے میں کوئی نقص پیدا نہ ہوا۔ تیسرے دن احباب کہنے لگے کہ ہمیں تو شرم آتی ہے کہ اس قدر کوفت کے بعد آپ سے کچھ عرض کریں، لیکن احمدی مستورات کا اصرار ہے کہ مولوی صاحب کی ایک تقریر عورتوں میں بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ انہوں نے تو مجھے خوب مکھن اور دودھ کھلایا پلایا ہے۔ اس لیے ان کا حق زیادہ ہے۔ آپ جگہ کا انتظام کریں میں ضرور تقریر کروں گا۔ چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد عورتوں میں بھی ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی۔

۳۷۔ کسی کے مذہبی پیشوا کو برا نہ کہا جائے

ایک دفعہ پٹیالہ میں صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر میرا مناظرہ ایک غیر احمدی مولوی سے تھا۔ اس نے میرے دلائل کا جواب دینے کے بجائے حضرت اقدس کی شان میں گستاخی اور آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ میں نے جلدی سے اُٹھ کر میز سے اپنی کتابیں اکٹھی کر کے اٹھالیں اور کہا کہ میں مباحثہ نہیں کرتا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے روحانی باپ ہیں۔ یہ مولوی میرے پیش کردہ دلائل کو توڑے نہ کہ ان کو بُرا بھلا کہے۔ کیونکہ اگر میں اس کے باپ کو جھوٹا یا لعنتی کہوں تو اس کو غصہ آئیگا یا نہیں۔ ان کے صدر پر میری اس بات کا خدائے تعالیٰ نے اثر ڈالا وہ کہنے لگا۔ آپ نے ہمارے مولوی کے باپ کو جھوٹا اور لعنتی کہہ بھی دیا ہے۔ یہ اس کے فعل کی سزا ہے۔ آپ مباحثہ کریں میں اپنے مولوی کو روک دیتا ہوں۔ آپ دونوں شریفانہ گفتگو کریں۔ اس کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ میں پریذیڈنٹ کے مکان پر جا کر اس سے ملاقات کر آیا تھا۔

۳۸۔ حکمتِ عملی سے رشتے کا قیام

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمارے محلّہ کے امام مسجد حافظ محمد ابراہیم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی قدرت اللہ کے ہاں ضلع انبالہ گئے کہ اپنی بھتیجی کا جو اُن کی بہو بھی تھی رخصتانہ کرا کے قادیان لائیں۔ لیکن اُن کا بھائی اور بیوی کسی طرح رخصتانہ پر راضی نہ ہوئے اور عذر کیا کہ ابھی ہمیں مالی وسعت نہیں۔ ایک سال کے بعد لڑکی کو رخصت کریں گے۔ حافظ صاحب نے بہت منت سماجت کی لیکن کام نہ بنا۔ وہ دس روز رہ کر واپس چلے آئے۔ حافظ صاحب کے لڑکے نے اس واقعہ کا ذکر کر کے مجھے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ وہاں چلیں تو آپکی طرزِ گفتگو سے امید ہے کہ میرا چچا راضی ہو کر میری بیوی کو بھیج دے۔ آپ کی آمد و رفت کا کرایہ ہمارے ذمے ہوگا۔ میں نے کہا دفتر دعوۃ و تبلیغ سے اجازت لے لو۔ یہ ثواب کا کام ہے میں ضرور جاؤں گا۔ اس کی درخواست پر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ناظر دعوۃ و تبلیغ نے مجھے فرمایا کہ آپ ان کے ساتھ جا کر حافظ صاحب کی بہو کا رخصتانہ کرا دیں۔ کرایہ وغیرہ وہ اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ حافظ صاحب غریب آدمی ہیں اور سلسلہ کا کام کرتے رہتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا اچھا دفتر سے کرایہ لے لیں۔ جب میں حافظ صاحب کے لڑکے کو لے کر چل پڑا تو راستہ میں دو تین روپے کا پھل لے لیا اور لڑکے کو کہا کہ تم اپنے چچا کے گھر چلو اور سلام کر کے بیٹھ جانا اور کہنا کہ میرے ساتھ مولوی بقاپوری صاحب بھی ہیں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے چچا نے اُسے بٹھایا اور میرے لیے چار

پائی لے کر باہر آیا۔ بیٹھتے ہی میں نے لڑکی کے رخصتانہ کی بات چیت شروع کر دی اور کہا کہ میں ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ کی اجازت سے آیا ہوں۔ اور ہر ناظر صاحب ہفتہ واری رپورٹ حضرت صاحب کے حضور پیش کرتے ہیں جس میں ہر مبلغ کی کاروائی کا ذکر ہوتا ہے۔ اب اگر تم رخصتانہ نہ کرو گے اور میرے ان دنوں کے متعلق ذکر آیا کہ مولوی بقا پوری صاحب کو حافظ صاحب کی بہو کے رخصتانہ کے سلسلہ میں بھجوایا گیا تھا لیکن حافظ صاحب کے بھائی نے لڑکی کا رخصتانہ نہ کیا۔ تو یہ بات آپ کے لیے خفت کا موجب ہوگی۔ پس مالی تنگی کا عذر درست نہیں کیونکہ تمہارا سمبندھی تمہارا بھائی ہے۔ اُسے یہ خیال بھی نہ آئے گا کہ میری بھتیجی کچھ لائی ہے یا نہیں۔ نیز اسی وقت رخصت کرنے سے آپ کا عذر بھی معقول ہے کہ مولوی بقاپوری نے جلدی کرائی اور ایک دن میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسی باتیں ہوتی رہیں تو اٹھتے وقت کہنے لگا میں تو رخصتانہ کرنے پر رضا مند ہوں لیکن اسکی والدہ نہ مانے گی۔ میں نے کہا دوپہر کا کھانا تو تم نے مجھے باہر کھلایا ہے رات کو کھانا مجھے اندر کھلانا۔ میں آپ کی بیوی کو بھی سمجھا لوں گا۔ آخر میں نے رات کو اس کی بیوی کو بھی رضا مند کر لیا لیکن اتنی ترمیم ہوئی کہ انہوں نے کہا بجائے کل کے دو دن کے بعد بھجیں گے۔ چنانچہ انہوں نے لڑکی کو خوشی خوشی بھیج دیا۔ امرت سر آ کر میں نے حافظ صاحب کو تار دے دیا۔ اس سے ہمارے محلہ میں بڑا چرچا ہوا کہ مولوی بقاپوری کی حکمت عملی سے دو گھر سدھر گئے۔

۳۹۔ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی سے ملاقات

ایک دفعہ قادیان جاتے ہوئے خاکسار اپنے ماموں زاد بھائی کے پاس لاہور میں ٹھہرا جو چکڑالوی تھا۔ وہ مجھے اصرار کر کے مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے پاس لے گیا کہ میں ان سے علمی مذاکرہ کروں۔ جب ہم پہنچے تو مولوی صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ فارغ ہونے پر میرے بھائی نے کہا کہ یہ قادیان اپنے امام کے پاس جا رہے تھے میں انہیں علمی مذاکرہ کے لیے آپ کے پاس لایا ہوں۔ جو یہ پوچھیں آپ اس کا جواب دیں۔ مولوی صاحب نے کہا میں جواب تو دوں گا لیکن یہ تو مرزا صاحب کو اپنا امام کہتے ہیں حالانکہ قرآن پاک نے تورات کو امام کہا ہے۔ میں نے کہا آج آپ کی بات سے میری ایک غلط فہمی دور ہوگئی کہ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام کہا گیا ہے جیسا کہ فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (۱۲۵:۲)۔ میں تو سمجھتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انسان تھے لیکن آج معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ بھی کسی کتاب کا نام ہے۔ اس پر مولوی صاحب بہت کھسیانے ہوگئے۔ پھر میں نے کہا

کہ جس ترتیب سے آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن کریم سے دکھلائیں۔ کہنے لگے قرآن پاک میں ہے یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (۷۴: ۲۔۳۔۴)۔ میں نے کہا کہ یہ بتلائیں کہ پہلے کھڑے ہو جاؤ، پھر کانوں تک ہاتھ لے جاؤ اور پھر یہ آیت پڑھو۔ کہاں قُمْ کے الفاظ سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ فَاَنْذِرْ یعنی ڈرا۔ یہاں سے کانوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم نکلتا ہے کیونکہ انسان ڈرتے وقت کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ پھر آیا ہے وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ۔ کہ اس کے بعد تکبیر کہو۔ یعنی اِنَّ اللہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْر کہو۔ یہ کہہ کر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا۔ مولوی صاحب آگے پڑھیں۔ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ یعنی اپنے کپڑوں کو صاف کرو۔ مولوی صاحب! کیا تکبیر کہہ کر پھر کپڑے دھونا شروع کر دیں؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں نماز پڑھنے کا کوئی حکم نہیں۔ اس پر حاضرین ہنس پڑے اور مولوی صاحب شرمندہ ہو گئے اور غصہ سے کہنے لگے مومن بن کر آؤ۔ میں نے کہا مولوی صاحب یہ تو وہی بات ہوئی جیسے کوئی ڈاکٹر مریض سے کہے تم تندرست ہو کر میرے پاس آؤ تو میں دوائی دوں گا۔ پھر کہنے لگے مجھ سے تم قرآنی ثبوت نماز کا طلب کرتے ہو۔ تم اپنی نماز کا قرآن سے ثبوت دو کہ کہاں لکھا ہے کہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہو۔ میں نے کہا ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اس طریق پر نماز پڑھتے ہیں جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر اپنی سنت سے سمجھائی اور بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی۔ کیونکہ آپ کے ذمہ قرآن کریم پڑھکر سنانا اور اس کے احکام پر عمل کر کے دکھانا دونوں باتیں ضروری تھیں ورنہ امت کیسے سمجھتی کہ فلاں حکم پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے جسے سُنت کہتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم یقینی ہے اسی طرح سنت بھی یقینی ہے۔ حدیث شریف درجہ سوم پر ہے اور وہ ظنی ہے۔ جس کی صحت کا ثبوت قرآن کریم، سنت اور روایت کی تنقید سے حاصل ہوتا ہے۔ پس ہم جو نماز پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے لے کر آج تک علماء اور عوام سے اس کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بھی تو نمازیں پڑھتے تھے اور اقیمو الصلوٰۃ پر عمل کرتے تھے۔ اور اسی طرح واتوا الزکوٰۃ پر۔ اور نماز کی طرح زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل بھی سُنت اور حدیث سے ثابت ہے اور قرآن پاک کی آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْم (۶۹: ۵۳) سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی (۸۷: ۲) سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کا صاف ثبوت ملتا ہے۔ لیکن آپ جس طریق پر نمازیں پڑھتے ہیں اس کے متعلق آپ نہیں بتلا سکے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہیں، اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ آپ بھی مدتوں اہلحدیث رہے اور یہی نمازیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح اور باتیں بھی ہوئیں۔ پھر ہم

چلے آئے اور میرا بھائی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے اقرار کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب آپ کی باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔

۴۰۔ حضرت مسیح موعودؑ کا آنحضرتؐ سے اتحاد دائمی ہے

ایک دفعہ ایک غیر مبائع کہنے لگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَاٰی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مرزا صاحب بھی نبی ہیں۔ اور آپ کی نبوت طفیلی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ لوہا آگ میں پڑ کر آگ بن جاتا ہے۔ لیکن آگ کی جنس الگ ہے اور لوہے کی الگ۔ میں نے کہا کیا تم اُس وقت لوہے کو پکڑ سکتے ہو؟ لوہے کی گرمی تو عارضی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حضورؐ سے اتحاد دائمی ہے اسی لیے آپ نے فرمایا ہے مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی۔

۴۱۔ غیر احمدی نے خواجہ کمال الدین صاحب کو خاموش کرادیا

ایک دفعہ ایک غیر احمدی نے خواجہ کمال الدین صاحب سے سوال کیا کہ کیا آپ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں؟ وہ کہنے لگے ہم ان کو صرف مسیح موعود مانتے ہیں نبی نہیں مانتے۔ بلکہ وہ ایک مجدّد ہیں۔ اس پر وہ مولوی کہنے لگا۔ آپ مجدّد بے شک کہیں لیکن مسیح موعود نہ کہیں۔ کیونکہ مسیح موعود از روئے قرآن شریف وحدیث شریف واجماع اُمت نبی ہوگا۔ اس پر خواجہ صاحب خاموش ہو گئے۔

۴۲۔ صداقتِ مسیح موعودؑ کا قرآن سے ثبوت

ایک دفعہ ایک چکڑالوی نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کریں کیوں کہ ہم حدیثوں کو نہیں مانتے۔ میں نے کہا سنو! یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۶:۳۲)۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ تین صدی تک مسلمانوں میں قرآن پر فیصلہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد روایات کا سلسلہ چلا اور ہزار سال قرآن کریم نے آسمان پر رہنا تھا۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والا چودھویں صدی میں آئے گا۔ سو وہ آگیا۔ اور قرآن کریم نے جو اس کے ظہور کی علامات بتلائی ہیں ان

سب کا بھی ایک ایک کر کے ظہور ہو چکا۔ سورۃ تکویر میں اکثر کا ذکر موجود ہے۔

۴۳۔ امام مہدی کا عرب کے بجائے ہندوستان سے آنا

ایک مولوی صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت امام مہدی نے تو سیدوں سے ہونا تھا اور عرب میں آنا تھا نہ کہ مغلوں میں سے ہندوستان میں ظاہر ہونا تھا؟ میں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی یہ سوال یہودیوں نے اٹھایا تھا کہ آخری موعود نبی شام کے ملک میں اور بنی اسرائیل کی قوم سے آنا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل سے اور عرب میں آئے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت یہود کے قدم بہ قدم چلے گی اس لیے یہ یہود والا اعتراض بھی علماءِ سُوء نے پیدا کر لیا۔ لیکن یہودیوں اور مسلمانوں میں ایک فرق ضرور ہے وہ یہ کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کیوں نہیں آئے اور ہمارے قومی ملک شام میں کیوں نہ پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیشگوئی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان (ملک شام میں) تمہارے بھائیوں (بنی اسرائیل) میں سے میرے جیسا نبی برپا کرے گا۔ اس وجہ سے یہود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو گئے اور سوائے سات یہودیوں کے کسی آٹھویں کو ماننے کی توفیق نہ ملی۔ لیکن آج کل کے مسلمان مولوی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح موعود ہم مسلمانوں میں سے کیوں آیا اور پھر ہندوستان میں کیوں آیا اور بنی اسرائیل سے کیوں نہ آیا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُمت محمدیہؐ کے مولوی سخت حاسد ہیں۔

۴۴۔ مسیحِ موعود ہی امام مہدی ہیں

ایک غیر احمدی مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ حدیث میں ابن مریم کے نازل ہونے اور امام مہدی کے پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ آپ مرزا صاحب کو امام مہدی بھی مانتے ہیں اور ابن مریم بھی۔ میں نے کہا حدیث میں وَ اِمَامُکُم مِنکُم ہے۔ آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہاں واوٴ حالیہ ہے یعنی ابن مریم اپنے ظہور کے وقت تم مسلمانوں میں سے تمہارا امام بن کر آئے گا۔ آسمان سے نازل ہونے کا تو کہیں ذکر نہیں۔ اور قرآن پاک میں چارپایوں، لباس،

لوہا بلکہ ہر ایک چیز کے لیے نازل ہونے کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ عربی میں نزیل مسافر کو کہتے ہیں کیا یہ سب چیزیں آسمان سے اُترا کرتی ہیں؟ اور ابن مریم کے ہی مہدی ہونے کے عقیدہ میں حضرت امام بخاری بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں اسلیئے انہوں نے واماکم منکم والی حدیث بیان کرنے کے بعد مہدی کا باب ہی نہیں باندھا۔ ورنہ ان کا طریق عمل یہ ہے کہ جس حدیث سے دو تین باتیں ثابت ہوں اسے علیٰحدہ علیٰحدہ کئی بار الگ الگ بابوں میں لاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوئے کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ اس حدیث کو امام بخاری تین بار لائے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارہ میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہ اپنا مذہب ظاہر کر دیا۔ چنانچہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (۱۱۸:۵) والی آیت کو تفسیر القرآن کے باب میں لاکر اور اُسی جگہ مُتَوَفِّيكَ اَیْ مُمِيتُكَ کی تفسیر جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے دونوں ایک جگہ ذکر کر کے پھر وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل (۱۴۵:۳) کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام انبیاء کرام کی وفات اور موت پر استدلال اور تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع پھر ہر دو مسیحوں کا علیٰحدہ علیٰحدہ حلیہ ذکر کر کے پھر معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی جگہ دیکھنے کا بیان۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ امام بخاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ مانتے تھے اور ''ابن مریم'' کے ساتھ مسیح محمدیؑ کی مماثلت بخاری شریف کی ابتدائی حدیث سے ظاہر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کی تبلیغ میں مماثلت کے باعث ابن ابی کبشہ کہا گیا ہے۔

۴۵۔ حدیث عیسیٰ ابن مریم کے نزول میں تاویل

ایک دفعہ مسجد احمدیہ سرگودھا میں میری اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریریں ہوئیں۔ حضرت مفتی صاحب کی تقریر میں ایک غیر احمدی مولوی صاحب نے جو نابینا تھے اعتراض کیا کہ حدیث میں تو عیسیٰ ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے تم لوگ مثیل عیسیٰ کیسے مراد لیتے ہو؟ حالانکہ نص صریح میں تاویل نہیں چاہیے بلکہ حمل علیٰ ظاہر ہونا چاہیے۔ بہت سمجھایا لیکن حافظ صاحب انکار پر اصرار کرتے رہے۔ آخر ہم نے کہا اگر ہر جگہ ظاہری معنے ہی درست ہیں تو کیا اس آیت کے ظاہری معنے درست ہوں گے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۷۳:۱۷) جو اس جہاں میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا بلکہ سخت

گمراہ ہوگا۔حافظ صاحب سنتے ہی چونک پڑے کہ نہیں یہاں پر اَعمٰی سے مراد روحانی اندھا ہے۔ میں نے کہا حافظ صاحب! ہمارے لیے تاویل درست نہیں اور آپ کے لیے جائز ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

۴۶۔ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

۱۹۱۵ء میں راولپنڈی سے میں حکیم عبدالرحمٰن صاحب کاغانی مرحوم کے ہمراہ حکیم نظام جان صاحب کے گاؤں میں تبلیغ کے لیے گیا۔اور جب ہم ظہر کی نماز پڑھنے لگے تو دیکھا کہ اس گاؤں کا خان اپنے مولوی کے ساتھ جو دیوبند کا تعلیم یافتہ تھا مصروف گفتگو ہے۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو خان نے اپنے مولوی سے کہا کہ احمدی مولوی صاحب سے کچھ سوال کرو۔اور یہ خیال کیا کہ جب ہمارے مولوی کے سامنے اردگرد کے چھوٹے مولوی چون و چرا نہیں کر سکتے تو یہ احمدی مولوی بھی لاجواب ہو جائے گا۔جب ہم اندر سے نماز پڑھ کر مسجد کے صحن میں آئے تو مولوی صاحب بڑے تمسخرانہ انداز میں بولے ''مولوی صاحب! رانوں پر ہاتھ مار کر آ گئے؟'' میں نے کہا ''حضرت رسول کریمؐ چاروں، خلفاءِ راشدین اور ان کے بعد چاروں امام جس طور پر رانوں پر ہاتھ مار کر آ جاتے تھے اسی طرح میں آ گیا ہوں۔'' اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ ''نہیں وہ تو دعا مانگ کر اُٹھتے تھے۔'' میں نے جواب دیا کہ'' میں بھی دعا مانگ کر اٹھا ہوں۔'' وہ کہنے لگے آپ نے دُعا نہیں مانگی۔ میں نے کہا میں جو کہتا ہوں کہ مانگی ہے۔ پہلے التحیات پڑھا ہے پھر درود شریف پڑھا ہے پھر دعا اور اس کے بعد سلام پھیرا ہے۔اس پر مولوی صاحب نے کہا نہیں نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں مانگی۔ میں نے کہا اس طرح رسول پاکؐ نے نہیں مانگی، آپ کے چاروں خلیفوں نے نہیں مانگی، چاروں اماموں نے نہیں مانگی۔اگر مانگی ہے تو دکھلاؤ؟ مولوی صاحب نے کہا ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا منع ہے؟ میں نے کہا نہیں۔اس نے کہا آپ نے کیوں نہیں مانگی؟ میں نے پھر وہی الفاظ دُہرائے کہ اس موقعہ پر کسی سے ثابت نہیں اگر کسی نے مانگی ہے تو دکھلاؤ۔اس لیے میں نے بھی نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں مانگی۔اس نے پھر تیسری بار یہی کہا کہ کیا مانگنا منع ہے؟ میں نے کہا نہیں۔اس نے کہا کہ پھر آپ نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر کیوں دعا نہیں مانگی؟ میں جواب دینے لگا تھا کہ خان اپنے مولوی سے غصہ میں کہنے لگا کہ جب یہ دو تین بار تم کو کہہ چکے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے چاروں خلیفوں اور چاروں اماموں نے اس موقعہ پر

ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں مانگی۔ اگر مانگی ہے تو تم اس کا ثبوت دکھلاؤ۔ دو کوٹھے کتابوں کے تمہارے پاس بھرے ہوئے ہیں کیا تم ثبوت نہیں دے سکتے؟

وہ خان جب اس طور سے اپنے مولوی پر برافروختہ ہوا تو میں نے کہا کہ خان صاحب مولوی صاحب پر غصہ ہونا بے فائدہ ہے۔ میں خود بھی مولوی ہوں اور ہم لوگ بھی اسی طرح ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگا کرتے تھے۔ لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے موجودہ زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شناخت کرنے کی توفیق دی جن کے فیضِ صحبت سے ہمیں اسرارِ شریعت کے متعلق بصیرت حاصل ہوئی اور ہزاروں دقیق امور ہم پر منکشف ہو گئے۔ یہ گتھی بھی حضور کے کلام کی برکت سے سلجھ گئی۔ حضور سے ہی میں نے سُنا کہ نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا نہ تو کبھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفاء نے اور نہ ہی چاروں اماموں نے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے متعلقہ کتابیں چھان ماریں اور واقعی ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا کوئی ثبوت نہ ملا۔ یہ مولوی صاحب بھی اگر کتابوں کو دیکھیں گے تو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ اس پر خان کہنے لگا دعا مانگنا تو اچھا فعل ہے۔ آپ اُسے بدعت کس طرح قرار دیتے ہیں۔ اس پر میں نے خان صاحب کو بتلایا کہ انسان جب نماز میں ہوتا ہے تو اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ کے دربار میں کھڑا ہوا اور اس کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگنا ہے اُسی وقت مانگے۔ جب وہ السلام علیکم کہہ کر نماز ختم کر دیتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے باہر آ جاتا ہے۔ اُس وقت دعا مانگنا اسی طرح بے معنی ہے جس طرح دنیوی بادشاہ کے دربار سے باہر آ کر کوئی شخص اپنی معروضات پیش کرنا شروع کر دے۔ نیز یہ عادت اختیار کرنے سے نماز کے دوران میں دعا مانگنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ خان کو یہ بات سمجھ آ گئی اور وہ کہنے لگا کہ واقعی اس صورت میں تو ایسا کرنا بُری بات ہے۔ الغرض خان میری باتوں سے متاثر ہوا اور اس نے اپنے گاؤں میں صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہماری تقریر کرائی۔

۴۷۔ ردوا ایدیھم فی افواھھم کا نظارہ

۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے کہ قادیان سے حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب اور حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہزارہ کے علاقہ مانسہرہ، دیگراں اور داتہ میں تبلیغ کے لیے گئے۔ وہاں پر شیخ نور احمد صاحب وکیل دھرم کوٹ رندھاوا اور مولوی محمد یحییٰ صاحب آف دیگراں اور مولانا سید سرور شاہ صاحب کے ایک پھوپھی زاد بھائی

غیر مبائع تھے۔ میرے لیے بھی ارشاد تھا کہ راولپنڈی سے ساتھ ہو جاویں۔ چنانچہ ہم ایبٹ آباد پہنچے تو شیخ نور احمد صاحب وکیل نے ہمیں یہ مختصر جواب دیا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواجہ کمال الدین صاحب کی وجہ سے مانا تھا۔ اب بھی اگر خواجہ صاحب میاں صاحب کی بیعت کرلیں تو میں بھی کرلوں گا۔ جب مولوی محمد یحیٰی صاحب کے پاس بات چیت کرنے کے لیے پہنچے تو وہ حضرت میر محمد اسحاق صاحب کو بات ہی نہ کرنے دیتے تھے اور جب وہ بولنے لگتے تو اُن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے کہ آپ ہمارے بزرگ ہیں آپ نہ بولیں۔ اور اسی طرح حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کے منہ پر اور میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے کہ آپ بزرگ ہیں آپ نہ بولیں۔ اُس دن میں نے رَدُّوْٓا اَیْدِیَھُمْ فِیْٓ اَفْوَاھِھِمْ (۱۴:۱۰) کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

۴۸۔ کیا حضرت عیسیٰؑ نے پنگھوڑے میں بات کی؟

ایک دفعہ ایک غیر احمدی مولوی جو اپنے آپ کو بہت بڑا عالم خیال کرتا تھا مجھے کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں بات کی ہے۔ اس کا ثبوت میں قرآن کریم سے دوں گا۔ چنانچہ اس نے یہ آیت پیش کی فَاَتَتْ بِہٖ قَوْمَھَا تَحْمِلُہٗ (۱۹:۲۸) اور تَحْمِلُ اور فِی الْمَھْدِ ان دونوں لفظوں سے استدلال کیا کہ اُن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شیر خوارگی میں کلام کرنا ثابت ہے۔ میں نے کہا تَحْمِلُ کے معنے سواری پر چڑھانے کے ہیں نہ کہ گود میں اٹھانے کے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ جنگِ تبوک میں شامل ہونے کے لیے بعض غریب صحابہ کے پاس سواری کے جانور نہ تھے اور وہ حضورؐ کے پاس آئے تا کہ آپ سواری مہیا کریں۔ اس موقعہ پر تَحْمِلُھُمْ کے الفاظ ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے پاس لائی ہیں تو اُن کو سواری پر بٹھایا ہوا تھا اور آپ پیدل تھیں اور مَھْد کے لفظ کی تشریح صَبِیًّا نے کردی اور صَبِیًّا کے معنے قرآن کریم کی دوسری آیت سے ظاہر ہیں جہاں حضرت یحییٰ کا ذکر ہے۔ کہ انہیں جوانی کے زمانہ میں نبوت مل گئی تھی جیسا کہ فرمایا وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (۱۹:۱۳)۔

۴۹۔ اولیاء اللہ کا سلسلہ جاری ہے

۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے کہ سندھ میں دو سندھی میرے ساتھ سکھر سے گاڑی پر سوار ہوئے دوران گفتگو میں کہنے لگے کہ جس شان کے اولیاء اللہ پہلے زمانہ میں ہوتے تھے اب نہیں ہوتے۔ میں نے کہا کس طرح کے اولیاء اللہ؟ کہنے لگے جیسے پیرانِ پیر بغداد میں۔ نظام الدین اولیاء دہلی میں۔ اور لال بادشاہ اور شاہ عبد اللطیف بھٹائی سندھ

میں۔ میں نے کہا ان بزرگوں پر اُس زمانہ کے مولویوں نے کفر کا فتویٰ کیوں لگایا تھا۔ کہنے لگے مولوی جھوٹے تھے ان کے بیان کردہ حقائق و معارف کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ میں نے کہا کہ اسی طرح کے بزرگ آج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوئے ہیں لیکن مولوی ان کو بھی کافر کہتے ہیں۔ جب یہ زمانہ گذر جائے گا تو ان کی صداقت بھی عام لوگوں پر کھل جائے گی۔ اس پر انہوں نے اصرار کیا کہ اس بزرگ کے حالات سے ہمیں بھی آگاہ کریں۔ اس پر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ مع دلائل اور جماعت کے غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کے لیے جدوجہد کو تفصیل سے بیان کیا۔ کہ غیر ممالک میں ہزاروں بُت پرست عیسائی، دہریہ اور غیر مسلم ہماری جماعت کی کوشش سے داخل اسلام ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے بزرگوں حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ اجمیری، فرید الدین گنج شکر، داتا گنج بخشؒ وغیرھم کے ذریعہ ہوئے اور میں سندھ میں اس بزرگ کا مبلغ ہوں اور میرے ذریعہ یہاں پر لوگ داخل سلسلہ ہو رہے ہیں اور جگہ جگہ احمدی جماعتیں قائم ہو رہی ہیں اس پر انہوں نے قادیان کا سب پتہ لکھوالیا اور وہاں جانے کا وعدہ کر لیا۔

۵۰۔ مامورین و مجددین خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں

ایک دفعہ ایک غیر احمدی مولوی صاحب غیر احمدیوں کی مجلس میں کچھ مسائل بیان کر رہے تھے۔ میں بھی وہاں بیٹھ گیا۔ اور بعض باتوں میں اُس سے تعاون کرتا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مثال دے کر سمجھایا کہ اب حقائق و معارف کا دروازہ ان پر کھولا گیا ہے۔ اس پر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات وغیرہ کا پوچھنے لگے تو مولوی صاحب غصہ ہو کر کہنے لگے کہ تم احمدیوں میں یہ بڑا مرض ہے کہ ہر بات میں مرزا صاحب کا ذکر ضرور کر دیتے ہو۔ میں نے کہا اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے کچھ ذرائع رکھے ہیں جب انسان ان ذرائع سے کام نہ لے کوئی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ مثلاً دیکھنے کا ذریعہ آنکھ، سننے کا کان۔ اسی طرح اپنی معرفت اور محبت حاصل کرنے کے لیے مامورین و مجددین کو ذریعہ بنایا ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رضا اور قرب اور محبت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقت کے مامور مجدد اور امام کو مانے اور اس زمانہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مامور و مجدد بنا کر بھیجا ہے۔ اُن کی شناخت اور ان کی پیروی کئے بغیر اب کسی کو نہ خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے نہ ہی قرب۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سے انہوں نے دعویٰ کیا ہے دنیا کے تمام مسلمانوں پر آسمان کے دروازے بند ہو چکے ہیں اور کوئی پیر، کوئی

گدی نشین، کوئی صوفی آپ نہیں دیکھیں گے جو پہلے بزرگوں، مجددین اور اولیائے اُمت کی طرح اللہ تعالیٰ سے الہام پانے یا کشوفِ صحیحہ کا شرف حاصل کرنے کا مدعی ہو۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور موجودہ زمانہ میں آپ کے نائب اور خلیفہ برحق مسیح محمدیؑ سے تعلق پیدا کیا جاوے۔ دنیا میں کسی وسیلہ کے بغیر حاکم تک رسائی نہیں ہوسکتی تو خدا تعالیٰ تک جو احکم الحاکمین اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے پیاروں کی مخالفت کر کے کہاں رسائی ہوسکتی ہے۔

۵۱۔ حضرت مسیح موعود کی غلامی میں بے نفسی

ایک بار میں تبلیغی دورہ پر جا رہا تھا اور میرے ساتھ کتابوں کی گٹھڑی میں قرآن پاک بھی تھا۔ جب گاڑی امرت سر پہنچی تو ایک سفید ریش جو ہاتھ میں حقہ پکڑے ہوئے تھا میری گٹھڑی پر بیٹھنے لگا۔ رات کا وقت تھا میں نے ہاتھ سے ہٹا کر کتابیں اپنی گود میں رکھ لیں۔ اس نے سمجھا مجھے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ نوجوان لڑکے اور گاؤں کے ایک لالہ جی بھی تھے۔ وہ بوڑھا باوجودیکہ بیٹھ بھی گیا پھر بھی اس نے مجھے بے تحاشا گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ میں منتظر رہا کہ یہ کب خاموش ہو تو اسے اصل حقیقت بتلاؤں۔ جب چند منٹ گذرے تو لالہ جی نے کہا چوہدری صاحب یہ شخص گونگا معلوم ہوتا ہے صبر کرو۔ اس پر اُس نے پھر گالی دے کر کہا لالہ جی اس نے مجھے دھکا دیا اگر میں گر جاتا اور میرا دانت ٹوٹ جاتا تو پھر کیا ہوتا!!!! میں خاموشی سے سُنتا رہا جب وہ تھک کر حقہ پینے لگا تو میں نے لالہ جی کو مخاطب کر کے کہا۔ لالہ جی! چوہدری صاحب کو غلطی لگی ہے میں نے دھکا نہیں دیا بلکہ ان کو پیچھے ہٹا کر کتابوں کی گٹھڑی جن کے اوپر قرآن شریف ہے اٹھائی ہے۔ یہ مسلمان ہے اس سے پوچھو اگر یہ بے خبری میں قرآن شریف پر بیٹھ جاتا تو اس کو کس قدر صدمہ پہنچتا۔ میرا یہ کہنا تھا کہ لالہ جی کہنے لگے رام رام یہ تو کوئی دیوتا ہے۔ چوہدری صاحب اس سے معافی مانگو اور اس کے لڑکوں نے بھی اُسے معافی مانگنے پر مجبور کیا اور کہا کہ یہ تو مولوی صاحب ہیں۔ اگر تو قرآن شریف پر بیٹھ جاتا تو ہم پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا۔ غرض میں نے اس کے معافی مانگنے پر معافی دے کر تبلیغ شروع کر دی اور بتایا کہ اس طرح کے اخلاق اور بے نفسی موجودہ زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں حاصل ہوئی ہے ورنہ میں بھی غیر احمدی مولویوں کی طرح متکبر ہوتا۔ الغرض لاہور تک میں تبلیغ کرتا رہا اور وہ لوگ مجھے پنکھا کرتے رہے اور خاموشی سے سنتے رہے اور اچھا اثر لے کر گاڑی سے اترے۔

۵۲۔ غیر احمدی مولویوں کا حرص

بیگم پور ضلع جالندھر میں خاکسار اور حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ مباحثہ کے لیے گئے۔ غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مباحثہ کرنا تھا۔ ہفتہ کے روز ہم پہنچے تو غیر احمدیوں نے دوسری بار مولوی ثناء اللہ صاحب کو لانے کے لیے آدمی بھیجا۔ لیکن وہ دوسرے دن اتوار کو خالی واپس آیا۔ تو غیر احمدی نمبردار ہمارے پاس آ کر کہنے لگا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی آج کچہری میں شہادت تھی اس واسطے وہ نہیں آسکے۔ آپ کوئی دوسری تاریخ مقرر کریں۔ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ چوہدری صاحب مولویوں کی شہادت اتوار کے روز ہوتی ہے جبکہ دوسرے لوگوں کے لیے سرکار کچہری بند رکھتی ہے۔ شرمندہ ہو کر واپس جانے لگا تو میں اس کے ساتھ ہولیا۔ میں نے کہا چوہدری صاحب یہ لوگ بڑے حریص ہوتے ہیں اگر اس نے نہیں آنا تھا تو پہلے دن ہی انکار کر دیتا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے یہ باتیں ایسی طرز سے ہمدردانہ لہجہ میں کہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے نہ آنے کی حقیقت کھل گئی کہ وہ کہتے تھے اتنے روپے پہلے دو۔ یہ کہتے تھے کہ مباحثہ کرنے کے بعد دیں گے۔ اس کے بعد وہ ہماری باتیں سُننے کے لیے تیار ہو گئے اور نماز ظہر سے مغرب تک تمام غیر احمدی ہماری تقریریں سنتے رہے۔

۵۳۔ تین پیرزادوں کا قادیان آنا

جھنگی ضلع گورداسپور کے پیرزادے تین بھائی تھے ان میں سے نور محمد کو مرض ذات الجنب کا سال میں دو دفعہ دورہ ہوا کرتا تھا۔ جب وہ تینوں بھائی دورہ کرتے ہوئے قادیان کے قریب آئے تو نور محمد کے علاج کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے تشخیص کے بعد فرمایا کہ آپ چند روز ٹھہر کر علاج کرائیں.... تو پھر میں بتلاسکوں گا کہ یہاں پر رہ کر علاج بہتر ہوگا یا گھر پر بھی دوائی استعمال ہو سکے گی۔ ان تینوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کی خواہش کی۔ چنانچہ حضور نے بوقت نماز ظہر شرف ملاقات بخشا۔ دورانِ گفتگو میں ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ سفر کتنی مسافت کا ہو تو نماز قصر کی جاسکتی ہے؟ حضور نے فرمایا آپ کو سفر کی کیا ضرورت پیش آتی ہے۔ پیرزادہ نے کہا مریدوں کے پاس جانا ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ آپ مریدوں کے پاس کیوں جاتے ہیں اور کیوں جا کر بے چاروں کو تنگ کرتے ہیں۔ ہماری طرح گھر پر ہی کیوں نہیں بیٹھتے؟ جو رزق اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسمت میں لکھا ہے وہ مل رہے گا۔ اس طرح رزق کی کسر بھی جاتی رہے گی اور نماز کو قصر کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔ نیز فرمایا۔ کہتے ہیں کہ ایک پیر صاحب شام کو ایک گاؤں میں اپنے ایک غریب مرید کے گھر پہنچے جو نذرانہ دینے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ وہ مرید پیر صاحب کو دیکھ کر ایک کماد کے کھیت میں جا

چھپا۔صبح کوخیال کرکے کہ اب پیر صاحب غالباً رخصت ہو چکے ہوں گے وہ گھر کی طرف لوٹا۔لیکن سُوئے اتفاق سے پیر صاحب باہر نکلتے ہوئے گلی میں دوچار ہو گئے اور بغیر سلام علیکم کے کہنے لگے لاؤ ہماری نذر! مرید بولا۔اگر اپنی نظر آپ کو دے دوں تو خود کیسے دیکھوں گا۔پیر کہنے لگا بھئی پیر کا روپیہ نذرانہ دو۔مرید نے کہا حضرت میرے پاس روپیہ ہوتا تو ساری رات کماد کے اندر کیوں چھپا رہتا۔پھر مسکراتے ہوئے آپ نے فرمایا۔اس طرح جاکر غریبوں کو تنگ اور شرمندہ کرنا اچھا نہیں۔اس کلام کا ان تینوں بھائیوں پر یہ اثر ہوا کہ تینوں نے بیعت کرلی۔مگر سنا ہے کہ بعد میں پھر دنیوی لالچ سے انہوں نے بیعت فسخ کردی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں نے ان میں سے ایک کی زبان سے بارہا یہ صدا سنی:

مرزا نور خدائے دا اکھیں ڈٹھا اج

۵۴۔ حضرت مسیح موعودؑ آنحضرتؐ کے اُمتی اور تابع نبی ہیں

ایک دفعہ سالانہ جلسہ کے ایام میں حضرت اقدس علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ بڑے بازار سے گذر کر ریتی چھلہ میں لسوڑی کے درخت کے پاس ٹھہر گئے اور خدام پروانہ وار مصافحہ کی خاطر ایک دوسرے پر گرنے لگے۔کسی دوست نے کہا بھائیو! تحمل سے کام لو۔کیوں بے تابی کا مظاہرہ کرتے ہو۔اس سے حضور کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔اس پر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کہنے لگے لوگ کیا کریں تیرہ سو سال کے بعد ایک نبی کا مبارک چہرہ نظر آیا ہے۔نیز اسی مجلس میں ایک شخص بلند آواز سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔الصلوٰۃ والسلام علیک یانبی اللہ۔پڑھتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کبھی کبھی اس کی طرف چشم مبارک اٹھا کر دیکھتے اور آپ کے چہرہ مبارک سے بشاشت مترشح ہوتی تھی۔

یہ یادرکھنا چاہیے کہ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی اور تابع نبی مانتی ہے۔اور تمام روحانی برکتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملیں ان کا ذریعہ اور واسطہ اور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کو یقین کرتی ہے۔جیسا کہ آپ کے الہام میں بھی ہے کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔اور رسول اللہ اور نبی اللہ کے خطابات کے مستحق آپ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی سے اور فنافی الرسول ہو کر ٹھہرتے ہیں جیسا کہ کسی شہنشاہ کے ماتحت بادشاہ عزت وحرمت کے خطابات سے مشرف ہوتا ہے یا چاند سورج کی روشنی سے منتیر ہوتا ہے۔

۵۵۔ شیعوں کے جلسے میں حضرت عمرؓ کا ذکر

ایک بار لاڑکانہ سندھ میں شیعوں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے حضرت عمر فاروق کہہ کر ان کا ذکر کیا، تو اُن کا ذاکر محمد پر بل کہنے لگا۔ ''عمرا کھو نہ کہ حضرت عمرؓ''۔ کیا آپ کو معلوم نہیں، اس نے فاطمہ بتولؓ کو اتنا پیٹا کہ محسن کا حمل ضائع ہو گیا اور اسی صدمہ سے وہ فوت ہو گئیں۔ اس وقت دوسو کے قریب شیعہ موجود تھے اور ان میں بڑے بڑے شیعہ رئیس نواب محمد علی صاحب وغیرہ بھی تھے۔ میں نے جرأت سے کام لیتے ہوئے درد بھری آواز سے کہا کہ اگر یہ واقعہ سچا سمجھا جائے تو اس سے خارجیوں کی بات کو تقویت پہنچتی ہے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا کہ فاطمہ کی موجودگی میں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح نہ کرنا لیکن ان کی یہ خواہش تھی کہ فاطمہ کسی طرح جلدی مر جائے تو میں ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کروں۔ تب ہی تو علیؓ کے سامنے عمرؓ نے لاتیں مار مار کر حمل ضائع کر دیا اور علیؓ نے اُف تک نہ کی۔ میں نے کہا نواب صاحب غور فرمائیے۔ اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی ہتک ہوتی ہے کہ دشمن آپ کی حرم محترم کو مار پیٹ رہا ہے اور خاوند ایسا بے غیرت ہے کہ اس کو روکتا نہیں۔ چوہڑے چمار کو بھی اپنی عورت کے لیے غیرت ہوتی ہے کہ لڑ کر مر جانا بھی منظور کر لیتا ہے لیکن اپنی بیوی کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ نواب صاحب اور دوسرے لوگ کہنے لگے ذاکر صاحب یہ قصہ سراسر جھوٹا ہے، حیدر کرار شیرِ خدا تھے اگر عمرؓ ایسا کرتا تو وہ اس کے ٹکڑے کر دیتے۔

۵۶۔ ان پڑھ نوجوان کا قبولِ حق

ایک دفعہ گوجرانوالہ کے امیر جماعت حکیم محمد الدین صاحب کہنے لگے کہ یہاں پندرہ سولہ برس کا ایک ان پڑھ لڑکا ہے وہ چاہتا ہے کہ اسے سلسلہ کے متعلق کچھ بتایا جاوے میں اسے بلاتا ہوں آپ اسے تبلیغ کریں۔ جب وہ آیا تو میں نے اس کو کہا کہ دوسرے مسلمان ہم کو برا بھلا کہتے ہیں اس کی وجہ تمہیں معلوم ہے یا نہیں؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے کہا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام جو دنیا میں آئے وہ اپنی عمر پوری کرنے کے بعد زمین میں ہی مدفون ہوئے۔ حتیٰ کہ ہمارے نبی کریم سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔ اور اسی طرح جب مخالفوں اور منکرینِ انبیاء نے اپنے وقت کے نبیوں کو قتل کرنے کی کوششیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کے سامنے زمین پر ہی رکھ کر ان کی مدد فرمائی حتیٰ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ نے سالہا سال طرح طرح کے دکھ دیئے اور مار ڈالنے کا ارادہ بھی کئی بار کیا تو اسی زمین پر ان کو بچایا اور مخالفین کو نامراد

رکھا۔ لیکن ہمارے غیر احمدی مسلمان بھائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جنہیں عیسائی خدا کا بیٹا کہتے ہیں) کو جب دشمنوں نے قتل کرنے کے ارادے سے مکان میں بند کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چھت پھاڑ کر چوتھے آسمان پر جسمِ خاکی کے ساتھ اُٹھالیا اور انیس سو سال سے اب تک بغیر کھانے پینے کے وہاں پر رکھا ہوا ہے۔ عیسائی اسی بات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کر کے ہزاروں مسلمانوں کو مرتد بنا چکے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر صرف نبی ہوتے تو دوسرے نبیوں کی طرح ان سے سلوک ہوتا۔ مگر برخلاف سب رسولوں کے وہ اب تک آسمان پر زندہ ہیں۔ بغیر کھانے پینے کے دو ہزار سال سے حی و قیوم ہیں۔ اب تم خود بتاؤ کہ یہ عقیدہ درست ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے ہزاروں مسلمانوں کے فرزند اسلام چھوڑ کر دشمنِ رسول بن گئے یا ہمارے عقائد جن سے عیسائی مذہب کی عمارت دھڑام سے گر کر پیوندِ زمین ہو جاتی ہے؟ اس ان پڑھ نے بھی میری باتوں کی تصدیق کی اور احمدیت کو قبول کرلیا۔

۵۷۔ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

سندھ راؤ تیانی کے ایک جاہل فقیر نے چند اصطلاحی الفاظ تصوّف کے یاد کر لیے اور جو مولوی اس کے پاس آتا اس سے کج بحثی کر کے جہلاء میں اپنا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ جب میں دورہ کرتے کرتے وہاں پہنچا تو اس نے مجھ سے حقیقت، طریقت کے متعلق چند سوال کئے۔ میں نے کہا میں ظہر کی نماز پڑھ لوں اور آپ بھی پڑھ لیں پھر آپ کے سوالوں کا جواب دوں گا۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر اس کے پاس آیا تو پوچھا۔ سائیں جی آپ نے بھی نماز پڑھ لی ہے؟ کہنے لگا آپ نے شریعت کی نماز پڑھی ہے اور ہم طریقت اور حقیقت کی نماز پڑھتے ہیں اور پڑھی ہے۔ میں نے کہا، میں نے جو شریعت کی نماز پڑھی ہے اس کی چار رکعت سنت چار رکعت فرض دو رکعت سنت ہے اور پھر اس ادائیگی کی کیفیت بیان کرنے کے بعد پوچھا آپ نے جو حقیقت اور طریقت کی نماز پڑھی ہے اس کی کیفیت بیان کریں۔ میری اس بات کا تمام حاضرین اور علی الخصوص اس کے مریدوں پر بہت اثر ہوا اور اس سے کیفیت پوچھنے لگے۔ جب وہ ایک گھنٹہ گذر جانے کے باوجود کچھ نہ بتلا سکا تو اس کے مریدوں نے مجھے کہا کہ آپ ہمیں بتلائیں کہ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کیا چیز ہے۔ میں نے محبت بھرے دل سے کہا شریعت احکامِ خداوندی کا نام ہے۔ طریقت ان احکام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرنے کا۔ حقیقت اس حالت کو کہتے ہیں جو عامل بالشریعت اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اور معرفت اس قلبی کیفیت کا نام ہے جس سے مکلّف کا دل

متاثر ہو کر متبتل الی اللہ ہوتا ہے۔ مثلاً شریعت کا حکم ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی جائے۔ طریقت یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے مطابق پڑھی جائے اور کانوں تک ہاتھ اُٹھائے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اکبر کا مفہوم سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے اپنے آپ کو معدوم کر دے۔ اور معرفت اس کیفیت محصّلہ کا نام ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے اس سے سب حاضرین اثر پذیر ہوئے۔

۵۸۔ آنحضرتؐ کی نبوت گھر کی گھر میں

ایک دفعہ کلانور کے ذیلدار کو جو غیر احمدی تھا اپنے پوتے کے حق میں ذیلداری کی درخواست پر بہت لمبے مقدمہ کے بعد اسے عدالت سے کامیابی حاصل ہوئی۔ میں ان ایام میں کلانور میں تھا۔ میں بھی اس ذیلدار کو جس کا نام نبی بخش تھا مبارک باد دینے گیا۔ کہنے لگا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے مرنے کے بعد بھی ذیلداری میرے خاندان اور میرے گھرانہ میں رہے گی (کیونکہ اس کا لڑکا فوت ہو چکا تھا اور پوتا موجود تھا)۔ میں نے کہا، چوہدری صاحب یہی بات ہم کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے اور آپ کا مطیع نبی ہونے کی وجہ سے نبوت گھر کی گھر میں ہی رہی۔ اور جس طرح آپ کو یہ خوشی ہے کہ میرے پوتے نے میرے بعد ذیلداری کرنی ہے اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک خوش ہے کہ میرے ایک امتی نے بنی اسرائیل کے نبیوں کا مقام حاصل کر لیا۔ اس پر متاثر ہو کر کہنے لگا۔ مولوی صاحب یہ باتیں پھر کریں گے۔

۵۹۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ

جس سال حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں سارے قرآن کا درس دینا تھا تو اسکے متعلق جماعتوں میں اطلاع کر دی گئی۔ میں ان دنوں چک نمبر ۹۹ شمالی میں تبلیغ کیا کرتا تھا۔ اس سال نیا بندوبست شروع تھا۔ اور والد صاحب مرحوم ومغفور اسی سال وفات پا گئے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بندوبست والوں نے میرے بھائیوں کو اطلاع دے دی کہ فلاں تاریخ تک تمام بھائی آکر زمین اپنے نام اندراج کرالو، ورنہ دوسرے سال پر کام جا پڑے گا۔ میں نے اپنے بھائیوں کو تسلی دی ہوئی تھی کہ میں اس تاریخ تک آجاؤں گا۔ لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں درسِ قرآن شروع ہونے والا ہے۔ اور وہ تاریخ ستائیس یا اٹھائیس شعبان کی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر میں قادیان جاتے ہوئے پرسوں بقاپور جاؤں تو ایک دن

جانے کا اور ایک دن وہاں رہنے کا اور ایک دن پھر واپس آنے کا۔ تین دن لگ جائیں گے اور میں تین سپارے درس نہیں سُن سکوں گا۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تو نے جو میرے دل میں اپنی اور اپنے کلامِ پاک قرآن شریف کی محبت ڈالی ہوئی ہے۔ اس کی برکت سے میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ میں سیدھا قادیان ہی جاؤں خواہ میری زمین کا اندارج میرے نام ہو یا نہ ہو۔ اور اسی مضمون کا خط بھی میں نے اپنے بھائیوں کو بھیج دیا۔ اور وہ یہ ہے:

''میرے دیندار احمدی مخلص بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں مقررہ تاریخ پر اندراج زمین کے لئے نہیں آسکتا۔ کیونکہ میں سیدھا قادیان جا رہا ہوں تا کہ رمضان کے درسِ قرآن میں شامل ہوسکوں۔ رمضان شریف کے بعد سرگودھا واپس جاتے ہوئے آپ کے پاس آؤں گا۔ اس طرح سے خواہ میری زمین رہے یا نہ رہے۔ والسلام۔''

جب میں واپسی پر بقاپور گیا۔ تو میرے ہر دو بھائیوں نے کہا کہ جب ہم نے تحصیلدار صاحب بندوبست کو آپ کا خط دکھایا (وہ صاحب غیر احمدی تھے اور قاضی کہلاتے تھے) تو اُن کے آنسو نکل آئے۔ اور کہنے لگے کہ ایمان اور اسلام تو ایسے شخصوں کا ہے۔ ایسے ہی لوگ زیارت کے لائق ہیں۔ اور کہا تم تسلی رکھو میں تمہاری مسل دبا چھوڑتا ہوں اور جس دن وہ آئیں گے میں تینوں کو مہتمم صاحب بندوبست کے پیش کردوں گا۔ سچ ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔

۶۰۔ پیروں کی متکبرانہ حالت

ایک دفعہ بقاپور میں ایک زمیندار کے گھر ایک پیر صاحب آئے۔ اُن کی حجامت بنانے کے لئے حجام کو بُلایا گیا۔ جب حجام آیا تو اُس وقت تین چار زمیندار پیر صاحب کے ساتھ حقہ پی رہے تھے۔ پیر صاحب چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور زمیندار نیچے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اروڑا حجام بھی اُن کے ساتھ حقہ پینے لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیر صاحب نے پوچھا کہ حجام نہیں آیا؟ حجام نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ اور حقہ چھوڑ کر حجامت کی طرف متوجہ ہؤا۔ پیر صاحب نے کہا کہ تو نے پیر کی بڑی گستاخی کی ہے کہ ہمارے ساتھ حقہ پی رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ گستاخی تو معاف کریں آئندہ نہیں کروں گا۔ پھر پیر جی نے کہا کہ چار پائی پر بیٹھ کر حجامت بناؤ۔ اُس نے کہا کہ میں نیچے بیٹھ کر حجامت بناؤں گا۔ کیونکہ پہلے ہی گستاخی ہوگئی ہے۔ ہر چند زمینداروں نے بھی اور پیر جی نے بھی کہا۔ مگر اُس نے یہی کہا کہ نہیں میں نیچے ہی بیٹھ کر آپ کی حجامت بناؤں گا۔ اور آپ چار پائی پر بیٹھے رہیں۔ آخر پیر جی نے کہا کہ زمین پر

فرش بچھاؤ میں نیچے بیٹھ کر حجامت بنوالوں گا۔لیکن حجام نے کہا کہ میں نیچے زمین پر آپ کی حجامت نہیں بناؤں گا۔ کیونکہ اس طرح آپ کے برابر بیٹھ کر حجامت بنانے سے میں گستاخی کا مرتکب ہوں گا۔آخر پیر جی نے چارپائی پر بیٹھ کر ہی حجامت بنوائی۔غالباً یہ واقعہ ۱۸۸٦ءیا ۱۸۸۷ء کا ہے۔میں اُس وقت بچہ ہی تھا۔لیکن جب بھی وہ نظارہ میرے سامنے آتا ہے کہ حجام پیر جی کا سر بار بار نیچے کو دباتا ہے اور پیر جی درد سے سسکیاں لیتے ہیں تو عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔اس کے بعد حجام نے پیر جی کو کہا کہ آپ لوگوں کا یہ متکبرانہ ٹھاٹھ اور دوسروں کی تحقیر۔۔۔۔آپ لوگوں سے ہمدردی کی کیا امید ہوسکتی ہے۔اگر تم پیر بنے ہو تو اخلاق محمدیؐ بھی پیدا کرو۔

اروڑا حجام بڑا دلیر آدمی تھا۔جب یہ واقعہ والد صاحب مرحوم ومغفور نے سُنا تو فرمایا کہ اروڑا تو بڑا بہادر ہے۔ایک دفعہ اُس نے قطبا نامی ایک جاٹ کا ابھی آدھا سر مونڈا تھا کہ اُس نے کہا کہ میں تمبا کو دیتا ہوں،آپ چلم بھر لائیں دونوں حقہ بھی پئیں گے۔اُس نے کہا کہ میں جاٹ ہوں اور تیرے حقہ پر آگ رکھوں! حجام نے کہا اچھا اگر یہی بات ہے تو میں تمہارا باقی سر نہیں مونڈوں گا۔حجام اپنی بات پر آخر تک قائم رہا اور حجامت نامکمل ہی رہی۔

۶۱۔ یقیمون الصّلوٰۃ اور مقیمین الصّلوٰۃ کے مضمون میں فرق

ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے ایک سوال کیا کہ یقیمون الصلوٰۃ اور مقیمین الصلوٰۃ میں کیا فرق ہے۔میں نے کہا کہ یقیمون الصلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ مومن نماز کو قائم کرتے رہتے ہیں۔یعنی نماز میں خشوع خضوع،حضور قلب اور توجہ الی اللہ رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور نماز کو سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔لیکن جب کوئی نماز شیطانی وساوس اور پراگندہ خیالات سے اِس درجہ سے گر جاتی ہے تو پھر وہ عزم واستقلال سے اس کو کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔اور اپنے اوقات میں نمازوں کو باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں۔یہاں تک کہ وہ مقیمین الصلوٰۃ ہوجاتے ہیں۔یعنی وہ نمازوں کو کھڑا کرنے والے ہوجاتے ہیں۔ یقیمون چونکہ مضارع ہے،جس کے معنے قائم کرتے ہیں یا کریں گے۔یعنی یہ لوگ جلد یا بدیر نماز کو قائم کرلینگے۔اور مقیمین اسم فاعل ہے جس کے معنے ہیں قائم کرنے والے۔یعنی نمازوں کو قائم کرنا اُن کا فعل اور وصف ہے جو اُن میں پایا جاتا ہے۔پس انسان کو چاہیے کہ نماز پڑھتے وقت جو کچھ پڑھ رہا ہو اُس کے معنوں کا خیال رکھے۔اور توجہ سے نماز پڑھے۔

۶۲۔ مفسد معاندین احمدیت کو غیور خدا کی دست بدست گرفت سے صداقتِ احمدیت کا نشان

۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے کہ خاکسار اپنے حلقہ ضلع گجرات، جہلم اور سرگودھا میں تبلیغی خدمات انجام دے رہا تھا۔ کہ ایک دن ضلع گجرات کے ایک گاؤں رولیا بنیاں میں پہنچا۔ جہاں صرف ایک احمدی میاں محمد دین صاحب دکان دار تھے۔ میری آمد کی اطلاع پا کر چوہدری محمد دین صاحب کے والد ماجد چوہدری فضل احمد صاحب بی۔اے۔ حال نائب ناظر تعلیم وتربیت ربوہ اور سید محمد شاہ صاحب کورٹ دفعدار پنشنر اپنے اپنے گاؤں سے تشریف لائے۔ آخر تجویز یہ ہوئی کہ رات اس گاؤں میں میری ایک تبلیغی تقریر ہو جائے۔ چنانچہ جس مکان میں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ رات کو کوٹھے پر تقریر کرنے کیلئے جب میں کھڑا ہوا تو قریب کی مسجد سے چالیس پچاس غیر احمدی بھی عشاء کے بعد آ گئے۔ جو اکثر زمیندار تھے۔ جن میں ان کی مسجد کا امام بھی تھا۔ جب میں نے صداقت مسیح موعود علیہ السلام کے موضوع پر تقریر شروع کی تو لوگ نہایت شوق اور خاموشی سے میری تقریر سُن رہے تھے اور ان پر اچھا اثر ہو رہا تھا۔ جس کو وہ مولوی برداشت نہیں کر سکا اور غصہ میں آ کر لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا کہ ارے بے غیرتو! یہ مرزائی تمہارے گاؤں میں کوٹھوں پر کھڑے ہو کر مرزا کی صداقت بیان کر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے سن رہے ہو۔ پکڑ لو اس مردود کو۔ اس کا اتنا کہنا تھا کہ لوگ مجھ پر پل پڑے۔ ان میں سے ایک شخص مجھے مکے مار رہا تھا۔ چوہدری فضل احمد صاحب کے والد صاحب جب مجھے چھڑانے کے لئے آگے بڑھے تو میں نے کہا۔ کہ آپ مجھے چھڑانے کے لئے نہ آئیں ورنہ زیادہ ہنگامہ ہوگا۔ اسے اپنا جوش نکال لینے دیں۔ چنانچہ اس نے مجھے تین چار مکے مارے۔ میں خاموشی سے کھڑا مار کھا رہا تھا۔ اس پر اس نے مجھے ایک غلیظ گالی دے کر کہا۔ یہ تو مٹی کا ڈھیر ہے اسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔ ہنگامہ برپا کرنے کے بعد اس مولوی نے لوگوں کو کہا۔ کہ یہاں سے چلو ورنہ سب کافر ہو جاؤ گے۔ اور مجھے کہا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم مرزائی نہیں ہوں گے۔ اور جاتے ہوئے کہہ گیا کہ صبح اس مرزائی کی خوب خبر لی جائے گی۔ یہاں تک کہ چارپائی پر ڈال کر اسے یہاں سے لے جایا جائیگا۔ اور میاں محمد دین صاحب احمدی دکان دار کو جن کے کوٹھے پر یہ وقوعہ ہوا کہا کہ تجھ کو بھی گاؤں سے نکال دیا جائے گا۔ غرض اور تو سب لوگ چلے گئے لیکن تین چار نوجوان بیٹھے رہے اور افسوس کرنے لگے کہ ان لوگوں نے آپ کو ناحق مارا۔ میں نے کہا کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اپنے خیال میں صحابہ کرامؓ کو تکلیف دینا کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی مجھے تکلیف دینے کو ثواب کا کام سمجھ رہے ہیں۔

اس حادثہ کے بعد مجھے سب سے زیادہ افسوس اس امر کا بھی ہوا کہ میری وجہ سے اس غریب احمدی کو بھی گاؤں سے نکلنا پڑے گا۔ اور میاں محمد دین صاحب کو یہ افسوس تھا کہ میرے مکان پر مولوی صاحب کی بے عزتی ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں پر عجیب کرشمہ قدرت دکھایا۔ اور دست بدست ان ظالموں کو ایسا پکڑا کہ وہ دست درازی کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک مسیح موعود کیلئے ایسی غیرت دکھائی کہ راتوں رات

صاحب جب مجھے چھڑانے کے لئے آگے بڑھے تو میں نے کہا۔ کہ آپ مجھے چھڑانے کے لئے نہ آئیں ورنہ زیادہ ہنگامہ ہوگا۔ اسے اپنا جوش نکال لینے دیں۔ چنانچہ اس نے مجھے تین چار مکے مارے۔ میں خاموشی سے کھڑا مار کھا رہا تھا۔ اس پر اس نے مجھے ایک غلیظ گالی دے کر کہا۔ یہ تو مٹی کا ڈھیر ہے اسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔ ہنگامہ برپا کرنے کے بعد اس مولوی نے لوگوں کو کہا۔ کہ یہاں سے چلو ورنہ سب کافر ہو جاؤ گے۔ اور مجھے کہا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم مرزائی نہیں ہوں گے۔ اور جاتے ہوئے کہہ گیا کہ صبح اس مرزائی کی خوب خبر لی جائے گی۔ یہاں تک کہ چارپائی پر ڈال کر اسے یہاں سے لے جایا جائیگا۔ اور میاں محمد دین صاحب احمدی دکان دار کو جن کے کوٹھے پر یہ وقوعہ ہوا کہا کہ تجھ کو بھی گاؤں سے نکال دیا جائے گا۔ غرض اور تو سب لوگ چلے گئے لیکن تین چار نوجوان بیٹھے رہے اور افسوس کرنے لگے کہ ان لوگوں نے آپ کو ناحق مارا۔ میں نے کہا کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اپنے خیال میں صحابہ کرامؓ کو تکلیف دینا کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی مجھے تکلیف دینے کو ثواب کا کام سمجھ رہے ہیں۔

اس حادثہ کے بعد مجھے سب سے زیادہ افسوس اس امر کا بھی ہوا کہ میری وجہ سے اس غریب احمدی کو بھی گاؤں سے نکلنا پڑے گا۔ اور میاں محمد دین صاحب کو یہ افسوس تھا کہ میرے مکان پر مولوی صاحب کی بے عزتی ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں پر عجیب کرشمہ قدرت دکھایا۔ اور دست بدست ان ظالموں کو ایسا پکڑا کہ وہ دست درازی کرنے کی جرأت ہی نہ کرسکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک مسیح موعود کیلئے ایسی غیرت دکھائی کہ راتوں رات مارنے والے اور ان کے پیش امام مولوی دونوں پر خدا کی لعنت برسی۔

چنانچہ جب صبح سید محمد شاہ صاحب حوائج ضروریہ کے لئے گاؤں سے باہر گئے۔ اور اس خوف میں تھے کہ کہیں وہ شریر مفسد رات والے اعلان کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کوئی کاروائی نہ کر بیٹھیں۔ شاہ صاحب نے دیکھا کہ گاؤں کے اکثر زمیندار مختلف ٹولیوں کی شکل میں گروہ در گروہ بیٹھے ہوئے آپس میں کچھ مشورے کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آئے تو ان میں سے ایک شخص نے شاہ صاحب کو بلا کر کہا۔ کہ ہم مرزا صاحب کو نبی تو نہیں مانتے اور نہ ہی اس کے کسی معجزے کے قائل ہیں۔ لیکن رات والے مرزائی کی ولایت اور کرامت کے ہم قائل ہو گئے ہیں جسے مکے پڑے تھے۔ کیونکہ مارنے والے شخص کی نوجوان لڑکی کو وہی مولوی جو گاؤں کا پیش امام تھا رات کو اغوا کر کے بھاگ گیا ہے۔ اور ہم اس کے پکڑنے کے لئے مختلف اطراف میں آدمی بھیجنے والے ہیں۔ جب شاہ صاحب نے میرے پاس آ کر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے یہ واقعہ سنایا تو میں اسی وقت سجدہ میں گر گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے مجھے اونٹ پر سوار کر کے لالہ موسیٰ اسٹیشن تک پہنچا دیا۔

جب اس واقعہ کی اطلاع چوہدری محمد دین صاحب (رضی اللہ عنہ) نے حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی

ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچائی تو آپ نے فرمایا:

''اب انشاء اللہ تعالیٰ سلسلہ کو کافی ترقی ہوگی کیونکہ صحابہؓ کی طرح ہمارے مبلغوں کو بھی مار پیٹ شروع ہوگئی ہے۔''

جب میں تین ماہ کے بعد حلقہ کے دورہ سے واپس قادیان پہنچا تو تذکرہ کے سلسلہ میں مَیں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی۔ کہ حضور! اگر ایسے موقعہ پر مقابلہ نہ کیا جائے۔ تو مار کم پڑتی ہے۔ حضور نے یہ خیال فرما کر کہ شاید مولوی صاحب کو اپنی مار کا خیال ہے۔ فرمایا:

''اگر آپ کو مار پڑی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ پہلوان تو اپنے آپ کو مکے مارا کرتے ہیں۔ آپ نے تو خدا کی راہ میں مکے کھائے ہیں۔''

الحمدللہ! کہ اس واقعہ کے بعد بہت جلد حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق ان حلقوں میں بڑی کامیابی ہوئی۔ اور کئی لوگوں نے بیعت کی۔ جس کا ذکر حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی جلسہ سالانہ ۱۹۲۲ء کی تقریر میں فرمایا۔ (دیکھئے نجات حصہ اول صہ ۳۔۴)

۶۳۔ امام مہدی کا قوم مغل سے ہونا

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ حدیثوں سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی بنو فاطمہ میں سے ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیس یعنی ملک عرب میں پیدا ہوگا۔ آپ لوگوں نے قوم مغل میں سے ہندوستان میں مرزا صاحب کو مسیح موعود اور امام مہدی بغیر دلیل کے مان لیا ہے۔ میں نے کہا مسیح موعود اور امام مہدی کے متعلق احادیث سے ثبوت کہ وہ قوم مغل سے ہوگا اور ہندوستان میں ہوگا میں دیتا ہوں۔ اور آپ اپنے مولوی صاحب سے کہیں کہ وہ ایسی حدیث پیش کریں جس میں لکھا ہوا ہو کہ امام مہدی قوم سادات سے ہونگے۔ اُس نے اپنے مولوی صاحب کو جو اسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے مخاطب کیا تو انہوں نے فوراً حدیث پڑھ دی۔ المھدی من ولد فاطمہ۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب سوال یہ ہے کہ آپ وہ حدیث بیان کریں جس میں لکھا ہے کہ امام مہدی فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوگا۔ جس کا ماننا سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور اس حدیث میں تو صرف مہدی کا ذکر ہے نہ کہ امام مہدی کا۔ اور نہ اس کا ماننا فرض لکھا ہے۔ کہنے لگے اس طرح کی حدیث کوئی نہیں ہے۔ اگر ہے تو آپ بیان

کریں۔ میں نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کئی مہدی ہونے والے تھے۔ ان میں سے حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے بھی مہدی ہوئے۔ چنانچہ حضرت امام حسن حسین رضی اللہ عنہما بھی اپنے وقت کے مہدی ہوئے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کو مہدی فرمایا۔ لیکن امام مہدی جس کا ماننا تمام مومنوں پر فرض ہے وہ ایک ہی ہے۔ جو مغلوں میں سے ہوگا اور وہ دعویٰ بھی کرے گا۔ مولوی صاحب نے یہ خیال کر کے کہ جس طرح اُن کے پاس امام کا اور اس کے دعویٰ کرنے کا ثبوت نہیں ہے اِس طرح ہمارے پاس بھی کوئی ثبوت نہیں ہوگا۔ انہوں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ کوئی حدیث دکھاؤ۔ جس میں قوم مغل میں سے امام مہدی کا آنا لکھا ہو اور اس کا ماننا ضروری قرار دیا گیا ہو۔ میں نے سب کو پیار محبت سے خاموش کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور کہا میرے بھائیو اور برخوردارو سُنو! اور مولوی صاحب میرے کہنے پر مشکوٰۃ شریف اندر سے لے آئے۔ میں نے اُس میں سے مندرجہ ذیل حدیث پڑھ کر اس کا ترجمہ اور تشریح کر کے اُن کو سمجھایا۔ الحمدللہ کہ بہت ہی اچھا اثر ہوا۔

حدیث: عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یخرج رجل من وراء النّھر یقال لہ حارث حرّاث. علی مقدّمتہ رجل یقال لہ منصور. یوطّی او یُمکّن لاٰل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. وجب علیٰ کلّ مومن نصرہٗ قال او اجابتہ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور وہ ماوراء النہر ملک فارس سے ہوگا۔ لوگ اُسے جٹ زمیندار کہیں گے۔ اُس کے لشکر یعنی تابعداروں میں سے ایک ایسا عظیم الشان شخص ہوگا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ مدعی اُس کی مدد لے رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جو مدعی امامت ہے وہ محمدیوں کے پاؤں زمین میں مضبوط کر دے گا۔ یعنی وہ اسلام کی مدد کریگا جس طرح قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ پھر فرمایا سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کے دعویٰ کو مانیں اور اسکی اشاعتِ اسلام میں مدد کریں۔

۶۴۔ اپنے ایمان کا مدار علماء پر نہیں رکھنا چاہیے

اِسی طرح ایک واقعہ ۱۹۰۵ء کا ہے۔ جن دنوں میں نے بیعت کی تھی۔ میرے ماموں صاحب جو میرے

خسر بھی تھے۔ ایک دن کہنے لگے کہ تم مجھے احمدیت کی تبلیغ نہ کیا کرو۔ جب تک ہمارے حنفی علماء مرزا صاحب کو نہ مان لیں میں نہیں مانوں گا۔ ہر چند سمجھایا کہ کسی نبی اور امام مجدد کو عموماً زمانہ کے بڑے بڑے علماء نے نہیں مانا۔ بلکہ مخالفت کی اور اہل اللہ کو تکالیف پہنچائیں۔ بلکہ متکلمین علماء نے اسلام کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ دین اسلام کی اشاعت اور مدد صوفیاء نے کی ہے۔ اور یہ آپ کے علماء، بڑے بڑے بزرگوں کی مخالفت کرتے رہے۔ پہلے تو ماموں صاحب غصہ میں آکر کہنے لگے۔ چُپ کر بے ادب! علماء کی تو شان میں یہ آیا ہے، کہ میری اُمت کے علماء نبیوں کی مانند ہوں گے۔ میں نے کہا ماموں جی غصہ نہ ہوں بلکہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کا خیر خواہ بچہ ہوں۔ آپ ہی کل مولوی غلام قادر کے متعلق جو احناف کا بڑا مولوی ہے کہہ رہے تھے کہ حنفیوں میں بڑے پایہ کا مولوی ہے مگر اس کا چال چلن ٹھیک نہیں۔ ہر طرح کی شرارت اور فتنہ و فساد اور مقدمے کی باتیں لوگ اس سے سیکھنے جاتے ہیں۔ ماموں جی اس سے معلوم ہوا کہ ایسے بُرے مولوی کی شان میں یہ حدیث نہیں۔ پس آپ یہ دیکھیں کہ مولوی غلام قادر بھی تو اپنے آپ کو متقی سمجھتا ہے اور اس کے ماننے والے بھی اس کو متقی سمجھتے ہیں۔ ماموں صاحب نے کہا، آج کل کے مولویوں کی حالت اِسی طرح کی بُری ہے۔ لیکن پہلے علماء ایسے نہیں تھے۔ اور نہ انہوں نے شریعت کے برخلاف کسی کو بُرا بھلا کہا۔ اور مجھے کہا، کہ کسی ایسے مولوی کا نام تو لو جس نے کسی نبی یا ولی کی تکذیب کی ہو یا اُسے تکلیف دی ہو۔ میں انکے پاس ادب اور اُن کے غصہ کی وجہ سے بات کھل کر بیان نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن حُسنِ اتفاق کہئے کہ میری والدہ صاحبہ مرحومہ جو احمدی ہوچکی تھیں اور اُن کی بڑی بہن تھیں آگئیں اور اُن سے کہنے لگیں۔ غلام حسین، دین کے مسئلہ میں چھوٹے بڑے کا خیال نہیں کیا کرتے۔ اور نہ ہی غصے ہونا چاہیے۔ تم کو میرا بیٹا اُن بعض مولویوں کے نام سُناتا ہے جنہوں نے اپنے وقت کے نبی اور ولی کو نہ مانا اور مخالفت کرتے ہوئے انکو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور دلوائیں۔ والدہ مرحومہ کی بات سے ماموں جی بھی کچھ ٹھنڈے ہوئے اور مجھے بھی زیادہ جرأت پیدا ہوگئی۔ میں نے کہا،

(ا) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو پہلے پہل انکار کرنے والے علماء ہی تھے۔ قریش میں سے عمرو بن ہشام جو اپنی قوم کی طرف سے ابوالحکم کا خطاب رکھتا تھا۔ اور جو بعد میں اسلامی اصطلاح کورو سے ابوجہل کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قوم کا بڑا عالم اور سردار تھا۔ ایسا ہی دیگر قریش۔ اسی طرح یہود اور نصاریٰ میں سے بڑے بڑے علماء مخالف تھے جن کی وجہ سے یہودی اور عیسائی مسلمان نہ ہوسکے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ **ان کثیراً من الاحبار و الرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدّون عن سبیل اللہ (۹:۳۴)**۔ یعنی بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے گدی نشین لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، اور اُن کو سیدھے راستہ سے روکتے ہیں تا کہ اُن کی نذریں آنی بند نہ ہوجائیں۔

(۲) امام حسین رضی اللہ عنہ کو علماء وقت یزیدیوں نے شہید کر دیا۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لگا کر جیل میں ڈلوایا اور جیل میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۴) حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی پر وقت کے عالم ابوالفرح ابن جوزی نے کفر کا فتویٰ لگایا۔

(۵) بزرگ ولی منصور رحمۃ اللہ علیہ کو علماء وقت نے سُولی پر چڑھایا۔

(۶) حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی کھال اُتروائی۔

ماموں جی کس کس کا ذکر کروں۔ کوئی خدا رسیدہ بزرگ اِن عالموں سے نہیں بچا۔ اِن مولویوں کی مخالفت دلیل ہے مرزا صاحب کی صداقت کی۔ کیونکہ لوگ سچے کی مخالفت کرتے ہیں نہ کہ جھوٹے کی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب اور اسوَد عنسی نے دعوٰہائے نبوت کئے۔ انکی کسی نے مخالفت نہ کی۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تکالیف پہنچائیں کہ الامان۔ آپ سب کچھ جان کر پھر ان مولویوں پر اپنے ایمان کا دارومد ار رکھتے ہیں۔ ماموں صاحب نے سب باتیں سُنکر یہی کہا کہ مجھے تبلیغ نہ کیا کرو۔

۶۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معجزہ

میں ایک دفعہ چک نمبر ۸۸ علاقہ سرگودھا کی مسجد میں بیٹھا تبلیغ کر رہا تھا کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے مجھے کہا کہ مرزا صاحب کی تبلیغ تو آپ کرتے رہتے ہیں، لیکن کوئی معجزہ نہیں بتلاتے۔ میں نے کہا ہمارے نزدیک تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہزارہا معجزے دکھائے۔ لیکن جس طرح پہلوں نے اپنے نبیوں اور اماموں کے معجزات کا انکار کیا۔ اُسی طرح آپ لوگ بھی انکار کر رہے ہیں۔ کہنے لگا دیکھو معجزہ کھلا کھلا ہوتا ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا مگر خدا تعالیٰ نے اُن کو صحیح سلامت بچالیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں سے مع اُن کے اصحاب کے صحیح سلامت پار کر دیا۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن شریف اب تک زندہ موجود ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا۔ اس طرح کا کوئی کھلا معجزہ مرزا صاحب کا بتلاؤ۔ میں نے کہا لو بھائیو خاموشی سے سنو! تین معجزے بیان کرتا ہوں۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن دنوں سیالکوٹ میں تھے۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی اور بجلی چمک رہی تھی، کہ اس کمرے میں بجلی داخل ہوگئی۔ اور سارا کمرہ دھوئیں سے بھر گیا۔ اور قریب تھا کہ بجلی پھٹ جائے۔ مگر بجلی

نہ پھٹی بلکہ باہر نکل گئی اور ایک شوالے میں جا گھسی۔ اور اُس کے پجاری سردار تیجا سنگھ کو جلا کر راکھ کر دیا*۔ دیکھو یہ کھلا کھلا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

(*نوٹ: تاریخ احمدیت جلد ۱ صفحہ ۸۲ میں بیان ہے کہ بجلی تیجا سنگھ کے مندر پر گری۔ تیجا سنگھ پر گرنے کا ذکر نہیں۔ مرتب ثانی)

(۲) سیالکوٹ کا ہی واقعہ ہے کہ جس مکان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہتے تھے اُس میں دس پندرہ آدمی حضور علیہ السلام کے ساتھ اور بھی رہتے تھے۔ ایک دن رات کو ٹک ٹک کی آواز آئی جس طرح شہتیر ٹوٹنے لگتا ہے۔ آپؑ نے ساتھیوں کو جگایا کہ شہتیر ٹوٹنے والا ہے۔ اُٹھو یہاں سے نکلو۔ لیکن ساتھیوں نے اُٹھنے سے انکار کیا اور سو رہے۔ اور کہا کہ کوئی چوہا حرکت کرتا ہوگا۔ لیکن جب پانچ سات منٹ گذرے تو پھر ٹک ٹک کی آواز آئی۔ پھر دوبارہ حضور نے سختی سے اُن کو اُٹھایا لیکن پھر بھی وہ نہ اُٹھے۔ جب تیسری دفعہ زور سے ٹک ٹک ہوئی تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو بھی سختی سے اُٹھایا۔ انہوں نے کہا مرزا جی آپ آگے چلیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں، تم پہلے نکلو۔ کیونکہ میں جونہی اس کمرہ سے باہر نکلا تو چھت نیچے آگرے گی۔ چنانچہ وہ باہر نکل کر سیڑھی سے نیچے اُتر رہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جونہی کمرے سے باہر نکلے تو چھت دھڑم سے گر گئی جس سے چارپائیاں بھی ٹوٹ گئیں اور اس سے نیچے کی چھت بھی گر گئی۔

(۳) یہ تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ معجزہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عملی اور دوسرا علمی۔ عملی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے صحیح سلامت رہنا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا سے پار ہونا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ دونوں معجزے عملی ہوئے۔ علمی معجزہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود السلام نے اعجازِ احمدی کتاب لکھی اور مولویوں کو بلایا کہ میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں۔ تم سب اکٹھے ہو کر اس طرح کا قصیدہ لکھو۔ یہ بھی تحدی فرمائی کہ تم کبھی نہ لکھ سکو گے اور یہ بھی اعلان فرمایا کہ اگر تم اس طرح کا قصیدہ لکھ لو تو میں تم کو دس ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ مگر آج تک کوئی نہ لکھ سکا۔

۷۶۔ آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی کے معنے

ایک دفعہ موضع خان پور ریاست پٹیالہ میں ایک غیر احمدی مولوی صاحب اپنی مسجد میں میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اِن لوگوں نے تمام اُمت محمدیہ کے برخلاف یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جاری ہے اور مرزا صاحب نبی ہیں۔ میں نے کہا، مولوی صاحب تمام اُمت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو مسیح آنے والا ہے وہ نبی اللہ ہوگا۔ اور ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ سوائے مسیح موعود نبی اللہ کے کوئی دوسرا نبی نہیں ہے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان صرف یہ اختلاف ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہیں یا نہیں۔ باقی اس میں اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی آنے والا ہے۔ مجلس میں سے ایک چوہدری صاحب مولا بخش نام مولوی صاحب سے پوچھنے لگے کہ جس مسیح نے آنا ہے جب وہ نبی اللہ ہوگا، تو پھر ہم احمدیوں سے نبوت کے مسئلہ میں کیوں جھگڑتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا جس مسیح کے ہم منتظر ہیں اُسکو نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی ملی ہوئی ہے اور مرزا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ میں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ اُمت محمدیہ کے تمام علماء جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی مانتے آئے ہیں اور ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتے آئے ہیں کہ آخری زمانہ میں جو مسیح آنے والا ہے وہ نبی اللہ ہوگا۔ تو جو توجیہ ان علماء سلف نے کی ہے وہ آپ ان مولوی صاحب سے پوچھیں۔ میری بات چوہدری مولا بخش صاحب کی سمجھ میں آ گئی کہ جب ایک نبی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا ہے تو پھر نبوت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے یا بعد میں ملنے کا کیا فرق ہے۔ چوہدری صاحب نے بھی اپنے مولوی صاحب سے کہا کہ وہ کتاب لائیں جس میں پہلے علماء نے اس پر روشنی ڈالی ہو۔ اور ادھر سے میں نے کہا کہ مولوی صاحب شرح عقائد نسفی لے آئیں جو عقائد کی کتاب ہے۔ چنانچہ وہ لے آئے۔ اور اُس میں سے مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر سنائی:

فان قیل قد ورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہ‘ قلنا نعم لکنّہ یتابع محمدًا علیه السلام لان شریعته قد نسخت فلا یکون الیه وحی ونصب الاحکام بل یکون خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (شرح عقائد نسفی صہ۱۰۱)

ترجمہ:۔ اگر کہا جائے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئیں گے تو اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں واقعی مسیح نبی اللہ آئیں گے۔ لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہونگے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ پس حکموں والی وحی کسی کی طرف نہیں ہوگی۔ پس آنے والا مسیح نبی اللہ ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہے۔

جب چوہدری صاحب نے یہ ترجمہ سُنا تو اپنے مولوی صاحب سے کہا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے علماء کرام کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع یعنی اُمتی

نبی آسکتا ہے۔ مولوی صاحب تو ذرا خاموش ہو گئے۔ لیکن میں نے جلدی سے کہہ دیا کہ چوہدری صاحب! مولوی صاحب سے کتاب موضوعات مُلا علی قاری منگالیں۔ جو حنفیوں میں بڑے پائے کے عالم اور آٹھویں صدی کے مجدد تھے۔ انہوں نے بھی اپنی کتاب میں اس مسئلہ پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ کتاب لائی گئی اور چوہدری صاحب کے کہنے پر انہوں نے مندرجہ ذیل عبارت جو صہ ۵۹ پر ہے پڑھ کر سُنائی:

لو عاش ابراهيم وصار نبياً لكان من اتباعه صلى الله عليه و سلم فلا يناقض قوله تعالىٰ و خاتم النبيين و حديث لا نبي بعدى اذا المعنى لا يا تى بعدهٗ نبيّ ينسخ ملّته ولم يكن من اُمته صلى الله تعالىٰ عليه۔

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ وسلم کا تابع اور اُمتی ہوتا۔ کیونکہ اس طرح کا نبی آنا آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی کے برخلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کردے۔ اور آپ کی اُمت میں سے نہ ہو۔ بلکہ جو ہوگا، آپ کی اُمت میں سے ہوگا اور آپ کی شریعت کے تابع ہوگا۔

یہ سنتے ہی چوہدری صاحب نے کہا کہ احمدیوں کو لوگ خواہ مخواہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد علیحدہ نبی بنالیا ہے۔ حالانکہ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نبی اللہ ہیں مگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع اور اُمتی نبی ہیں۔ اور ایسے نبی آنے کے تمام مسلمان قائل ہیں۔ لہٰذا میری بیعت کا خط لکھا جائے۔ چنانچہ چوہدری مولا بخش صاحب نمبردار مع اپنے آٹھ دس گھر متعلقین کے احمدی ہو گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۶۷۔ حضرت مسیح موعود کا نبی اللہ ہونا

جن دنوں میں راولپنڈی میں تھا۔ ایک دن قمر الدین صاحب جہلمی غیر مبائع میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے پیر عبدالکریم صاحب سے ملنا ہے آپ میرے ساتھ پیر صاحب کے مکان پر چلیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دوران گفتگو میں پیر جی نے اپنے ایک افغان مرید کو کہا کہ یہ مولوی بقاپوری صاحب ہیں جو احمدی جماعت میں درس دیتے ہیں۔ خاں صاحب نے کہا پہلے تو ڈاکٹر بشارت احمد صاحب درس دیتے تھے۔ پیر جی نے کہا کہ وہ اب بھی

درس دیتے ہیں۔ لیکن اُن احمدیوں کو جن کا تعلق جماعت لاہور سے ہے۔ اور یہ مولوی صاحب اُن احمدیوں کو درس دیتے ہیں جن کا تعلق قادیان سے ہے۔ خاں صاحب نے پوچھا کہ اِن دونوں میں کیا فرق ہے؟

پیر جی نے کہا لاہوری کہتے ہیں کہ مرزا صاحب صرف مجدد تھے نبی نہیں تھے۔ اور یہ قادیان والے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب مجدد بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ خاں صاحب نے غصہ سے توبہ توبہ کہنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا آپ اس بات کا ثبوت مجھ سے لیں اور غصہ نہ ہوں۔ وہ کہنے لگے میں اس بارہ میں گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔ پیر عبدالکریم صاحب کا صاجزادہ جو تازہ تازہ دیوبند سے تعلیم مکمل کر کے آیا تھا کہنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا نبی بعدی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں نے کہا یہ لا نبی اسی طرح کا لا ہے جس طرح لا صلٰوۃ الّا بفاتحۃ الکتاب میں ہے۔ حالانکہ آپ حنفی لوگ امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتے۔ انہوں نے کہا دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہی ہوتی ہے۔ میں نے کہا اسی طرح حدیث میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔ پس جس قاعدہ سے آپ نے حدیث لا صلٰوۃ میں سے مقتدی کے الحمد پڑھنے کو باہر کر لیا ہے، اسی قاعدہ سے آپ حدیث لا نبی بعدی میں سے حدیث عیسیٰ نبی اللہ سے مسیح موعود کی نبوت باہر رکھ لیں۔ ہمارا عقیدہ بھی وہی ہے جو آپ لوگوں کا ہے کہ مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔ آپ ہمارے ساتھ یہ گفتگو کریں کہ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کا کیا ثبوت ہے، نہ یہ کہ مرزا صاحب نبی اللہ ہیں یا نہیں۔ کیونکہ مسیح موعود کی نبوت کو ہم دونوں ہی مانتے ہیں۔ پھر پیر جی نے کہا کہ اس طرح یہ صحیح ہے کہ جو لوگ مرزا صاحب کو مسیح موعود مانتے ہیں وہ نبی اللہ بھی مانیں۔ کیونکہ تمام اُمت مرحومہ کا یہی عقیدہ ہے۔

۶۸۔ مبلغ کا بااخلاق انسان ہونا ضروری ہے

تبلیغ کے لئے ضروری ہے کہ انسان متکبر نہ ہو۔ اور نہ دوسروں کو حقارت سے دیکھے بلکہ مخلوق خدا سے ہمدردانہ جذبہ رکھنے والا ہو۔ اور اپنے آپ کو بے نفس انسان بنائے۔ اور بااخلاق انسان ہو۔ اور دعاؤں سے بہت کام لے۔ کیونکہ ہادی خدا تعالیٰ کا نام ہے۔ لوگ مبلغ کے قول کا اتنا خیال نہیں کرتے جتنا اس کے افعال اور اخلاق کا۔ اس پر میں ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں۔

ایک سفر میں میرے ساتھ ایک نوجوان مولوی صاحب تھے جو خود بین تھے۔ جالندھر سٹیشن پر ایک غیر

احمدی نوجوان اپنی بیوی کے ہمراہ اس کمرہ میں سوار ہوئے جس میں ہم دونوں تھے۔اس نوجوان نے مجھے کہا کہ آپ ذراسا سرک جائیں۔ میں جلدی سے مولوی صاحب کے ساتھ مل گیا۔لیکن ان دونوں میاں بیوی کے لئے ابھی جگہ تنگ تھی۔اور میرے ہمراہی مولوی صاحب کے دوسری طرف جگہ خالی تھی۔اس نوجوان نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ بھی ذرا آگے ہو جائیں۔مگر مولوی صاحب نے کہا کہ تم ادھر آجاؤ میں اپنی جگہ نہیں چھوڑوں گا۔اس پر ان دونوں میں خوب تُو تُو مَیں مَیں ہوئی اور اس نوجوان نے مولوی صاحب کو بڑی گندی گالیاں دیں۔مولوی صاحب خاموش تو ہو گئے لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلے۔اور وہ نوجوان لوگوں سے بار بار کہنے لگا۔دیکھو کہ یہ بوڑھا کس قدر نیک ہے کہ میرے اشارے پر ہی اُس نے مجھے جگہ دے دی اور یہ نوجوان اتنا متکبر ہے کہ میری بیوی کیلئے جگہ کی ضرورت ہے پھر بھی کہتا ہے کہ تم ادھر آجاؤ میں یہاں سے نہیں ہٹونگا۔اب اس سے اندازہ لگائیے کیا اس مجلس میں مولوی صاحب کوئی تبلیغ کر سکیں گے؟

۷۹۔ اپنی کمزوری کا اقرار کرنا

اپنا جس قدر نیک نمونہ ہوگا خدا تعالیٰ بھی خوش ہوگا۔اور لوگوں کی ہدایت کا بھی موجب ہوگا۔جس طرح میں نے ایک مبلغ کی کمزوری یعنی کبر کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میں اپنی دو کمزوریوں کا بھی رفاہِ عام کیلئے ذکر کروں۔

ایک دفعہ میں ضلع سیالکوٹ کے دیہات کا دورہ کرتے ہوئے ماہ رمضان جبکہ جون کا مہینہ تھا ایک زمیندار کے گھر آیا۔جو اپنے گاؤں میں ایک ہی احمدی تھا۔چونکہ وہ خود روزہ نہ رکھتے تھے۔اس لئے سحری کے وقت باوجود آسودہ حال ہونے کے خشک روٹی اور گھڑے کا پانی میرے سامنے رکھ دیا۔لیکن میں نے کوئی خیال نہ کیا اور پانی کے ساتھ ایک دو نوالے کھا لئے اور روزہ رکھ لیا۔چونکہ جون کا مہینہ تھا اور سخت گرمی کے دن تھے مجھے تکلیف سخت ہوئی۔دوسری رات جس گاؤں میں گیا۔اس بات کا علم اُن کو کسی طرح ہو گیا۔اُن کی لڑکی کے رشتہ کی تجویز اس زمیندار کے لڑکے کیساتھ تھی جس کا مجھے علم نہ تھا۔اُن کو بہانہ ہاتھ آ گیا۔انہوں نے کہا کہ ہم ایسے بخیل کو رشتہ نہیں دیتے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میرے وعظ و نصیحت میں کم بیٹھتا تھا۔ایک دن خدا تعالیٰ کے فضل نے میری دستگیری کی۔اور مجھے خیال آیا کہ اگر میں لڑکی والوں کو اُن کے دریافت کرنے پر یہ نہ بتا تا کہ میں نے سحری کے وقت کیا کھایا ہے تو وہ یہ بہانہ نہ بناتے۔پس میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کیا اور معافی طلب کی۔اور پھر صبح اُس زمیندار کے گاؤں دو تین میل

کے فاصلہ پر اُس سے معافی مانگنے گیا۔ اُس پر اس بات کا اس قدر اچھا اثر ہوا کہ میرے اُس کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔ گو میرے اس معافی مانگنے کو میرے بعض دوستوں نے بہت بُرا منایا کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو ذلیل کیا۔ لیکن ایک متکبر آدمی تو شاید یہی سمجھے گا کہ معافی مانگنے سے میری بے عزتی ہوئی ہے مگر ہمیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی ارشاد ہے کہ سچے ہو کر بھی جھوٹوں کی طرح تذلل اور عاجزی اختیار کرو۔ غرض تواضع اور انکساری خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

۷۰۔ بُخل کا علاج

۱۸۹۵ء کا ذکر ہے کہ میں کراچی میں ایک ڈپٹی کلکٹر کے بچوں کو عربی پڑھایا کرتا تھا۔ وہ مجھے معقول تنخواہ کے علاوہ کھانا بھی دیتے تھے۔ ایک دن میں باورچی خانہ میں کھانا کھانے جا رہا تھا کہ ایک فقیر میرے پیچھے ہولیا۔ میں نے اس کو بُرا منایا اور دل میں وسوسہ آیا کہ اسے میں کھانا نہیں دوں گا۔ باورچی خانہ میں پہنچ کر جب کھانا کھانے ہی لگا تھا اور ابھی میں نے پہلا ہی لقمہ مُنہ میں ڈالا تھا۔ کہ اُس فقیر نے صدا دی۔ پہلے تو میں نے کہا چلے جاؤ۔ لیکن اُس نے جونہی دوبارہ تضرع کی تو میرے مولیٰ کریم کے فضل نے میری دستگیری فرمائی اور میں نے اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے نفس امّارہ! اگر تُو ایک پراٹھا اور نصف تھالی سالن کی دیدیتا تو پھر بھی تیرا کچھ نہ بگڑتا۔ کیونکہ رات کو پھر تجھے اعلیٰ غذا وافر مل جانے والی تھی۔

اب تیرے اِس بُخل کی سزا یہ ہے کہ سالن کی پوری پلیٹ اور دونوں پراٹھے اس کو دیئے جائیں اور تجھے رات کو بھی محروم اور بھوکا رکھا جائے۔ چنانچہ میں نے وہ دونوں پراٹھے اور سارا سالن اُسے دیدیا اور وہ خوشی خوشی دعائیں دیتا چلا گیا۔ اور رات بھی میں نے کچھ نہ کھایا۔ اس کا اثر میرے قلب پر یہ ہوا کہ اب مجھے فقیروں اور غریبوں کو دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور میں اس کو نیکی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

۷۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبعین کا غیروں پر اثر

جب میں نے بیعت کی تو میرے ایک غیر احمدی دوست نے جو میرا ہم مکتب تھا۔ اپنے استاد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا، کہ مولوی بقاپوری جو آپ کا شاگرد ہے، اس نے مرزا صاحب کی بیعت کی ہے۔ اس پر اس استاد نے اسے کہا کہ جب تم اپنے دوست کے پاس جاؤ تو اسے میرے پاس آنے کے لئے کہنا۔ جب یہ دوست

اپنے استاد سے مصافحہ کر کے جانے لگا تو استاد نے اسے روک کر پوچھا۔ کہ یہ بتاؤ کہ مولوی ابراہیم بقاپوری کی حالت مرزا صاحب کی بیعت کرنے کے بعد کیسی ہے؟ کیا وہ بیعت کے بعد صوم وصلوٰۃ کے پہلے سے زیادہ پابند ہیں یا کم؟ اس نے جواب دیا۔ کہ اب تو وہ زیادہ پابند ہیں۔ وہ تو اب اللہ تعالیٰ کے حضور میں بڑے خشوع وخضوع سے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ اس پر استاد نے کہا کہ پھر ان کو میرے پاس نہ بھیجنا۔

۷۲۔ نیک نمونہ کا اثر

۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے کہ میں سیالکوٹ کے دیہات میں تبلیغی دورہ کر رہا تھا۔ چوہدری محمد حسین صاحب جو نواب محمد دین صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ بہت ہی مخلص احمدی تھے۔ وہ مجھے اپنے ہمراہ کسی گاؤں میں لے گئے۔ وہاں میری تقریر ہوئی جس میں میں نے سورۃ یٰسٓ کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ ہر مدعی اپنے دعویٰ کا ثبوت اپنے کام سے دیتا ہے۔ بڑھئی اپنے دعوے کے ثبوت میں بڑھئی کا کام ہی پیش کرے گا۔ اور طبیب یا ڈاکٹری کا دعویٰ کرنے والا اپنے علاج کو ہی بطور ثبوت پیش کرے گا۔ اسی طرح رسالت یا نبوت کا دعویٰ کرنے والے سے ہم ایسے ہی کاموں کی امید کریں گے جن کا تعلق رسالت ونبوت سے ہو۔ اور میں نے چوہدری محمد حسین صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے لئے بطور مثال پیش کیا۔ اور کہا کہ دیکھئے چوہدری صاحب جو آپ کے پاس ہی رہتے ہیں اور آپ کی برادری سے ہیں ان میں شفقت علیٰ خلق اللہ اور تعظیم لامر اللہ کس طرح کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ عشق ہے۔ اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق، نماز روزہ کس پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ اور یہی حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان کے اتباع سے اس قسم کے سچے مسلمان پیدا ہوتے ہیں۔

جب ہم اس تبلیغی دورہ سے واپس آئے تو اسی گاؤں سے چوہدری محمد حسین صاحب کی برادری سے تین گھرانوں نے بیعت کے خطوط لکھے۔ **فالحمد لله علىٰ ذالک۔**

۷۳۔ اس دنیا میں مردے زندہ نہیں ہو سکتے

اس کے بعد ہم ایک اور گاؤں میں گئے۔ وہاں بھی میں نے سورۃ یٰسٓ کی آیات کی روشنی میں ہی وعظ کیا۔ اور بتایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **اقرؤا علىٰ موتاکم یٰسٓ** یعنی اپنے مرنے والوں پر یٰسٓ

پڑھا کرو۔

موتیٰ کا لفظ جس طرح مُردوں پر بولا جاتا ہے۔اسی طرح ان لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے جو مرنے کے قریب ہوں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے لے کر آج تک قریب المرگ لوگوں پر سورۂ یٰس پڑھتے آئے ہیں۔پس اگر قرآن شریف میں کہیں موتیٰ کے زندہ ہونے کا ذکر ہے اور کسی انسان کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس نے مردوں کو زندہ کیا۔تو اس سے مراد صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے قریب المرگ لوگوں کے لئے دعا کی اور وہ صحت یاب ہو گئے۔کیونکہ قرآن کریم کی نصوص سے ثابت ہے کہ مردے کبھی زندہ نہیں ہوتے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک نوجوان انصاری سانپ کے ڈسنے سے فوت ہو گیا۔اس کے وارثوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اس کے زندہ ہونے کے لئے دعا فرمائیں۔آپ نے فرمایا:

''جاؤ اپنے بھائی کا جنازہ پڑھو اور اسے دفن کر دو''

اس سے بھی صاف طور پر ثابت ہے کہ مردے اس دنیا میں کبھی زندہ نہیں ہوتے۔ ورنہ عیسائیوں اور آریوں کا یہ اعتراض درست ہوگا کہ قرآن شریف میں تضاد ہے۔کیونکہ ایک طرف تو کہتا ہے کہ مردے زندہ نہیں ہوتے اور دوسری طرف بتاتا ہے کہ فلاں نبی نے مردے زندہ کئے۔

میں نے سورہ یٰس کا پہلا رکوع سنا کر یہ مضمون واضح کیا۔اور بتایا کہ سورۂ یٰس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ اے مخالفو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔تمہیں اس کی صداقت کا ثبوت اس کی تعلیم اور عمل سے ملے گا۔اس کی تعلیم پہلے رسولوں والی ہے۔اور یہ شخص خدا کی طرف بلاتا ہے۔حالانکہ جھوٹا نبی کبھی خدا کی طرف نہیں بُلاتا۔

اسی طرح اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کی صداقت اور آپ کے امام مہدی ہونے کی دلیل بھی ہے۔اس کے لئے آپ کو علماء اور پیروں کے پیچھے پھرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اس کی تعلیم کیسی ہے۔کیا وہ دین اسلام کی اشاعت کرتا ہے یا کسی اور دین کی۔اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کی طرف بلاتا ہے یا کسی اور طرف۔ چنانچہ اس مختصر سی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ چند دوستوں نے حق کو قبول کر لیا۔

۷۴۔ رسمی عبادت

ایک مرتبہ میں چوہدری محمد حسین صاحب مرحوم کے ساتھ ہی ایک اور گاؤں میں گیا۔ میں نے وہاں کے لوگوں کو کہا کہ تم ہمیں جھوٹا تو کہتے ہو۔لیکن ہمارے کاموں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیا وہ بھی جھوٹوں والے ہیں۔تم کو

یہ تو حق حاصل ہے کہ ہماری تعلیم کے متعلق کوئی اعتراض یا ہمارے اعمال پر تنقید کرو۔ لیکن بلا وجہ جھوٹا کہنا مناسب نہیں۔ اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا، کہ اگر تم نمازیں پڑھتے، روزہ رکھتے یا چندہ دیتے ہو تو بے شک یہ نیک کام ہیں۔ یہ تو ہم بھی پہلے ہی سے کرتے ہیں۔ ہم بھی نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے اور چندے دیتے ہیں۔ تو پھر مرزا صاحب کو ماننے کی ہمیں کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا، آپ کے علماء خود مانتے ہیں کہ ہماری نمازیں[1] اور ہمارے روزے رسمی ہیں۔ ان میں نہ کوئی اخلاص ہے اور نہ روحانیت۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اخلاص کا اثر اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن تمہارے کاموں میں استقامت نہیں۔ عزم اور استقلال نہیں۔ قربانی اور ایثار کا سچا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبعین کی تو یہ علامت ہے کہ وہ جان تک دے دیتے ہیں لیکن شریعتِ اسلامیہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ مگر تمہاری حالت تو اس کے برعکس ہے۔ دیکھو! ہماری حالت یہ ہے کہ آپ ہمیں گالیاں بھی دیتے ہیں۔ کفر کے فتوے لگا لگا کر ہمیں ہر طرح کی تکالیف بھی پہنچاتے ہیں۔ مگر ہم ان مصائب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسلام کا جھنڈا بلند کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے لئے بھی یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی سیدھا راستہ دکھائے۔

اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا۔ کہ نماز، روزہ اور شریعت کے امور تو تم ہم سے بھی اچھی طرح ادا کرتے ہو۔ دیکھو! یہ ہمارا بھائی چوہدری محمد حسین بہت نیک آدمی ہے۔ شریعت کے تمام امور کا پابند ہے۔ ہم جب کبھی شہر سیالکوٹ میں اپنے کسی کام کے لئے جاتے ہیں تو یہ ہمیں اپنے گھر لے جاتے اور روٹی کھلاتے ہیں۔ اور پھر ہمارے دفتری کاموں میں ہماری مدد بھی کرتے ہیں۔ اور ہر ایک سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ تب میں نے کہا، تو پھر تمہیں بیعت کرنے میں کیا روک ہے۔ تو کہنے لگا، کہ امام مہدی نے تو سیّدوں میں سے آنا تھا اور عرب میں پیدا ہونا تھا۔ اس پر میں نے کہا۔ اے میرے زمیندار مسلمان بھائیو! یہی اعتراض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا گیا تھا۔ کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ آنے والا نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ اور شام کے ملک میں پیدا ہوگا۔ لہٰذا ان باتوں سے آپ دھوکہ میں نہ پڑیں۔ بلکہ یہ دیکھیں کہ جس طرف آپ جانا چاہتے ہیں، اس طرف یہ شخص لے جاتا ہے یا نہیں۔ ان باتوں کے بعد جب میں اٹھا تو دو سعید روحوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیعت کر لی۔

[1] اقبال مرحوم کہتے ہیں:

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

اور مولانا ابوالکلام آزاد اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعمال کی صورتیں مسخ نہیں ہوئی ہیں، مگر حقیقت غارت ہوگئی ہے۔ قومی تنزل کے معنی یہی

ہیں کہ تمام قومی و دینی اشغال بظاہر قائم رہتے ہیں لیکن انکی روح مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ ہماری مسجدیں اجڑ گئی ہیں۔ کتنے جھاڑ اور فانوس ہیں جن سے مسجدیں بقعۂ نور بنائی جاتی ہیں۔ مگر رونا یہ ہے کہ دل اجڑ گئے ہیں۔ اور یہ وہ بستی ہے کہ جب ویران ہو جائے تو پھر آبادی کہاں؟'' (الہلال جلد نمبر۲ صہ ۷۰)

ہاں ان مفاسد کی اصلاح کے لئے جس مقدس وجود کی بعثت مقدر تھی اور اس کام کیلئے جو وقت موعود تھا اس کا اعتراف بھی مولانا مرحوم کن کھلے الفاظ میں فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہاں ایک وقت آنے والا تھا۔ اور وہ آ گیا۔ ایک یوم الفصل تھا جس کا آفتاب طلوع ہو گیا۔ پرانی پیشگوئیوں میں کہا گیا تھا کہ آفتاب مغرب سے نکلے گا۔ اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائیگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب مغرب سے نکل چکا ہے اور توبہ کا دروازہ (کہ فقط مایۂ امیدواریٔ بابد بختان عالم بود) روز بروز ہم پر بند ہو رہا ہے۔ پس وقت آ گیا ہے۔ جس کو اٹھنا ہے اٹھے۔ جس کو چلنا ہے چلے۔ جس کو اپنے روٹھے ہوئے خدا سے صلح کر لینی ہے کر لے۔ کیونکہ ساعت آخری، نتائج سامنے، مہلت قلیل اور فرصت قلیل ہے۔''

(الہلال جلد۲ صہ ۲۵۶) (مرتب اول)

۷۵۔ حضرت مسیح موعود کا عقیدہ دربارہ حضرت مسیح ناصری

پیر عبدالکریم صاحب کے اسی بیٹے کا واقعہ ہے۔ (یہ مولوی صاحب آج کل اپنے باپ کی جگہ پیر بھی بنے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے محمد صادق صاحب کے چھوٹے بھائی اُن کے مرید ہیں) کہ میں راولپنڈی میں ایک انسپکٹر صاحب پولیس کو قرآن شریف پڑھانے جایا کرتا تھا۔ ایک دن یہ مولوی صاحب اُن انسپکٹر صاحب کے پاس آئے اور بہت سی باتیں خلاف واقعہ ہمارے متعلق اُن کے پاس بیان کیں۔ جس سے اُنہیں ہم سے بدظنی پیدا ہونے لگی۔ اُن سے گفتگو کر ہی رہے تھے کہ میں بھی وہاں پڑھانے کے لئے آ گیا۔ انسپکٹر صاحب نے مجھے کہا یہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت ہتک کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی دادیاں نانیاں زانیہ تھیں۔ اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے قلم سے میرے کرتے پر چھینٹے پڑے ہیں۔ اِس کا کیا جواب ہے؟ میں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک کے متعلق تو یہ عرض ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں مثیلِ عیسیٰ ہوں۔ پس آپ انسپکٹر ہیں، سوچیں کہ جو شخص یہ کہے کہ میں مولوی صاحب کی طرح ہوں۔ تو وہ اُن کی خوبیاں بیان کرے گا، نہ کہ بدیاں۔ اور یہ جو مولوی صاحب نے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی نانیاں دادیاں زانیہ تھیں۔ یہ اپنا

عقیدہ نہیں لکھا۔ آپ (مرزا صاحب) کا عقیدہ تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اولوالعزم نبیوں میں سے تھے۔ یہ تو عیسائیوں کو کہا ہے کہ تم تو مسیح کو ایسا اور ایسا لکھتے ہو۔ جب یہ حوالہ انسپکٹر صاحب نے دیکھا تو مولوی صاحب کو کہنے لگے کہ افسوس! یہ تو عیسائیوں کا عقیدہ بیان کر رہے ہیں اور آپ خواہ مخواہ مرزا صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ سُرخی کی چھینٹوں کے متعلق آپ کو کیا اعتراض ہے؟ انسپکٹر صاحب نے کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ میں نے کہا جس طرح ایک جنگ کے دوران میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی نکلنا شروع ہوا۔ جس سے سارا اسلامی لشکر سیراب ہوگیا۔ انسپکٹر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ کیا یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں صحیح بخاری میں آیا ہے، اور میں اس کو صحیح مانتا ہوں۔ انسپکٹر صاحب نے کہا اگر تم انگلیوں میں سے پانی نکلنے کو صحیح سمجھتے ہو تو سرخی کے چھینٹے بھی صحیح ہیں۔ کیونکہ دونوں باتیں ایک ہی جیسی ہیں۔

۷۶۔ نبوت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جن دنوں میں راولپنڈی میں تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پر اور آپ کے بعد خلافت پر حکیم شاہ نواز صاحب سے میرا تحریری مباحثہ ہوا۔ فریقین کے چار چار پرچے نکلے۔ اور جب میرا پانچواں پرچہ حکیم صاحب کی خدمت میں گیا، تو اس کا جواب انہوں نے نہ بھیجا۔ آخر پانچ چھ ماہ کے بعد اس پرچے کو رفاہ عام کے لئے رسالہ تشحیذ الاذہان ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں شائع کیا گیا جو مندرجہ ذیل ہے:۔

نبوت مسیح موعود پر بحث

ازروئے قرآن مجید واحادیث

(منقول از تشحیذ الاذہان بابت ماہ مئی ۱۹۱۶ء)

مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے اثنائے بحث میں جو آخری تحریر حکیم محمد شاہ نواز صاحب راولپنڈی کو بھیجی وہ یہ ہے

امید ہے کہ بہت سے شبہات واوہام کے ازالہ کا موجب ہوگی (ایڈیٹر)

الحمد لله الذی جعل عیسٰی خاتمًا و عَلمًاعلٰی انبیاء بنی اسرائیل غضبًا علی الیهود. والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد ن الذی صار خاتمًا و رحمةً لِلْعالمین فضلاً من الله الودود. و علیٰ اٰلهٖ و مسیحهٖ الذی ثبت بنبوّته فضل خاتمه وکان صمصامًاالاشیاع الجحود. فمرحباً للممیزین فی الخاتَمین حافظین للحدود۔

امابعد حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے آپ کے جواب کی طرف اس واسطے جلد توجہ نہ کی کہ آپ کا یہ پرچہ ان دلائل بے معنی سے مملو تھا، جن دلائل کو غیر احمدی لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں پیش کر کے بارہا جواب لے چکے ہیں۔ مگر آج ۱۲۔ جنوری غلام ربانی کے کہنے سے جواب دینا از سرنو ضروری سمجھا گیا۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ آپ نے بڑا زور اس بات پر دیا ہے کہ اگر مسیح موعود کو نبی مانا جائے، تو آیت خاتم النّبیین اور حدیث لا نبی بعدی اور لم یبق من النبوّۃ اِلا المبشرات کی نفی کرنی پڑتی ہے۔ اِس کے واسطے بجائے اس کے کہ آپ اِن حدیثوں میں جن میں مسیح موعود کو نبی اللہ کہا گیا ہے تطبیق کرتے، اُلٹا سرے سے مسیح موعود کی نبوت کی ہی نفی کر کے ان احادیث کے مکذب ٹھہرے جن میں مسیح موعود کو نبی کہا گیا ہے۔ اس واسطے اب میں پہلے آپ کی پیش کردہ حدیثوں اور آیت قرآنی پر مفصل بحث کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا وہ منشاء ان سے ہرگز ہرگز نہیں جو آپ سمجھے ہیں۔ اور پھر آپ کی دوسری عبارت کا مجمل وکافی جواب عرض کروں گا۔ وباللہ التوفیق۔

نبی کی تعریف از رُوئے قرآن شریف وحدیث:۔

پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ نبوت کیا چیز ہے۔ یعنی کس شخص کو قرآن کریم اور اُمت مرحومہ کی اصطلاح میں نبی کہتے ہیں۔ سُنئے قولہ تعالیٰ: رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہٖ علیٰ من یشاء من عبادہٖ لینذر یوم التلاق (۴۰:۱۶)۔ اِس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ کسی بندے پر خدا تعالیٰ کا کلام اس غرض سے اُترتا ہے کہ تا لوگوں کی طرف مامور اور نذیر کی حیثیت سے آوے۔ دوسری آیت میں اس کلام کو غیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ: فلا یظهر علیٰ غیبهٖ احداً. اِلاّ من ارتضیٰ من رسول (۷۲:۲۷۔۲۸)۔ یعنی خدا تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو پوری قوت اور غلبہ نہیں بخشتا بجز اُس شخص کے جو اُس کا برگزیدہ رسول ہے۔ پس قرآن کریم کی اصطلاح میں نبی اور رسول اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر بکثرت

امور غیبیہ اس غرض سے ظاہر ہوں کہ اُس کو نذیر بنا کر بھیجا جاوے۔

نبوت کی تعریف فتوحات مکیہ میں:۔

اور فتوحات مکیہ میں نبوت کی تعریف یوں لکھی ہے: انّ النبوّۃ خطاب الله تعالیٰ او کلام اللّٰہِ تعالیٰ لمن شاء من عبادہٖ فی ھاتین الحالتین فی یقظۃ اومنام و ھٰذا لخطاب الالٰھی المسمّٰی بنبوّۃ علیٰ ثلاثۃ انواع. نوع یسمّیٰ وحیًا و نوع یسمع کلامہ من وراء حجاب و نوع بوساطۃ رسول فیوحی ذالک الرسول من ملک و لیست النبوۃ بامر زائدعلی الاخبار الالٰھی بھٰذہ الاقسام.

یعنی نبوت صرف اس درجہ کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اپنے بندہ سے مکالمہ مخاطبہ کرتے ہوئے اُسے نبی کے لفظ سے پکارے۔ خواہ یہ خطاب اس کو بیداری میں ہو یا حالت نوم میں۔ اور یہ الٰہی خطاب جو نبوت کے نام سے موسوم ہے تین طرح ہوتا ہے۔ اول بذریعہ وحی۔ دوم پس پردہ کلام۔ سوم فرشتہ کی وساطت سے۔ پس جو خبریں ان تینوں ذرائع سے حاصل ہوں، وہی نبوت ہے۔ نبوت کوئی الگ چیز نہیں۔ انتہیٰ۔

نبوت کی تعریف مجدّ دالف ثانی کے نزدیک:۔

امام ربانی اپنے مکتوب میں یوں فرماتے ہیں۔ اگر چہ اس اُمت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں۔ اور قیامت تک رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جاوے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاویں وہ نبی کہلاتا ہے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰)

تینوں تعریفوں کا ماحصل:۔

اب ماحصل ان تینوں حوالوں کا یہ ہوا۔ کہ نبی اُس شخص کو کہتے ہیں۔ اوّل جس کو خدا تعالیٰ نبی کے نام سے موسوم کرے۔ دوم وہ لوگوں کے لئے نذیر بھی ہو۔ سوم کثرت سے اُس پر امور غیبیہ کا اظہار بھی ہو۔

یہ تعریف مسیح موعود پر صادق آتی ہے:۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا یہ تینوں باتیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں پائی جاتی ہیں؟ آپکے الہامات کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپکو الہام میں نبی کا خطاب دے کر فرمایا: یا ایّھا النبیّ اطعموا الجائع والمعتر.

(تذکرہ صفحہ ۶۹۰)

(۲) آپ کو نذیر فرماتے ہوئے فرمایا۔ دنیا میں ایک نذیر (نبی) آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خُدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ (تذکرہ صفحہ ۱۰۵)

(۳) بکثرت امور غیبیہ کے اظہار کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی و امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں گذر چکے ہیں۔ اُن کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام (نبی) کے مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔ اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس (ہجری) میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ اگر کوئی منکر ہو تو بارِ ثبوت اُس کی گردن پر ہے۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام از روئے تعریف قرآن و حدیث و اقوال فضلائے اُمت نبی اللہ ہیں۔

کیا لانبی بعدی میں لا نفی جنس کا ہے؟

حدیث لانبی بعدی میں حرف لا کس نبوت کی نفی کرتا ہے؟ واضح ہو کہ یہ لا اس طرح کا نہیں کہ جس کو اصطلاح نحو میں لا نفی جنس کہہ کر ہر ایک طرح کی نفی کرنے والا سمجھا جاتا ہے کہ جس سے ایک فرد بھی باہر رہنا منع سمجھا جائے۔ کیونکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ مبشرات جو ایک قسم کی نبوت ہے وہ باقی ہے۔ نیز تمام علماء اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام نبی اللہ ہوں گے۔ جب مزعومہ جنس نبوت کی نفی ہو گئی تو ایسی نفی میں تمام قسم کے نبی خواہ مجازی ہوں یا حقیقی، ظلی ہوں یا بروزی، اصلی ہوں یا نقلی، ناقص ہوں یا کامل سب کی نفی اس حرف لا نے کر دی۔ اور یہ اُمت مرحومہ بجائے افضل الامم ہونے کے انقص الامم ٹھہری۔ پھر صرف یہی خرابی نہیں بلکہ بہت سا حصہ احکام قرآنیہ و حدیثیہ کا اس طرح کا لا ماننے سے چھوڑنا پڑیگا۔ مثلاً حدیث جس میں آیا ہے کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب یعنی کسی کی نماز بغیر الحمد کے نہیں ہوتی۔ اور لاصلوٰۃ لجار المسجد الّا فی المسجد یعنی ہمسایہ مسجد کی نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی۔ یہاں بھی آپ کا وہی لا، لا نبی بعدی والا

ہے۔ جس کے معنے آپ کے خیال اور آپ کے علم و عقل کے مطابق یہ ہوئے کہ کسی طرح کا نمازی ہو خواہ نفل پڑھے یا فرض بیمار ہو یا تندرست۔ مدرک فی الرکوع ہو یا نہ۔ اُس کی نماز بغیر الحمد پڑھنے اور بغیر مسجد کے نہیں ہوتی۔ حالانکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ نوافل گھر میں پڑھنے چاہئیں۔ اور مدرک فی الرکوع کی نماز بغیر الحمد کے ہو جاتی ہے۔

اصل بات کیا ہے؟:۔

اب میں آپ کو اصل حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اور بتلاتا ہوں کہ آپ کو غلطی لگی ہے کہ قواعد نحویہ کو آپ کلیہ اور یقینیہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اکثریہ اور ظنیہ ہوتے ہیں۔ للاکثر حکم الکل. القلیل کا لمعدوم۔ اُن کا مشہور مقولہ اس پر شاہد ہے۔ اور دوسری غلط فہمی آپ کو اس حدیث لا نبی بعدی کے سمجھنے میں یہ ہوئی ہے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ بعض اوقات مثبت منفی بھی امور اضافیہ میں سے ہو جاتے ہیں۔ جب وہ اضافت الگ کر لی جائے وہ حکم منفی، منفی نہیں رہتا۔ مثلاً قالو الاضیر۔ جو ساحران موسیٰ نے فرعون سے کہا تھا تو باضافت انا الی ربنا لمنقلبون تھا۔ ورنہ تکلیف اظھر من الشمس ہے۔ پس یہی حال لا نبی بعدی کا سمجھ لو۔ (یعنی نبوت کی نفی خاتم النبیّین کے مقابل پر ہر صاحب شریعت یا براہ راست نبوت کی ہے نہ مطلق نبوت کی)۔

نیز یہ بات قرآن شریف اور حدیثوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ کہ ایک حکم عام دیا گیا ہے، اور اس میں سے کسی فرد کو خاص طور پر علیحدہ رکھ لیا جاتا ہے۔ اور وہ فرد اس کی عمومیت میں کوئی نقص نہیں لاتا۔ خاص کر علم صرف و نحو میں تو لفظ شاذ و نادر رکھ کر ایماء بھی کر دیتے ہیں۔ اور ایسے حکم کو اصول فقہ میں خصّ عنہ البعض سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث لا صلوٰة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نفی عام نماز کی کر دی۔ پھر دوسری جگہ من ادرک رکعتہ من الصلوٰة فقد ادرک فرما کر مدرک فی الرکوع کو رخصت دے دی اور اُسے حکم عام سے بخصوصیت باہر رکھ لیا۔ اب جو شخص حدیث لا صلوٰة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب اور لا صلوٰة لجار المسجد الافی المسجد کو ہی مدنظر رکھے اور حدیث من ادرک الرکعة من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة (ابوداؤد) اور خیر صلوٰة المرء فی بیتہٖ الاالمکتوبة کی طرف نظر تک نہ کرے اور یہ یقین کر لے کہ چونکہ نبی کریم صلعم نے ہر ایک طرح کی نماز کی نفی کر دی ہے۔ اس واسطے نوافل کے لئے مسجد میں جانا اور مدرک فی الرکوع کے لئے الحمد پڑھنا ضروری ہے۔ تو یہ اس کی سراسر بے انصافی ہو گی۔ کیونکہ اس وقت وہ شخص نبی کریم کے قول من ادرک الرکعة اور خیر صلوٰة المرء کی تکذیب کر رہا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتا کہ لا صلوٰة کہتے وقت نبی کریم صلعم کا منشاء نوافل اور مدرک الرکوع کے بغیر تھا۔ پس یہی حال

لانبــــی بــــعــدی کا بھی سمجھ لو۔ کیونکہ دوسری جگہ نبی کریم صلعم نے مسیح موعود کو نبی اللہ فرمایا ہے۔ تو جس طرح لاصلوٰۃ کی نفی عام میں من ادرک رکعۃ اور خیر صلوٰۃ لمرء سے کوئی خلل واقعہ نہیں ہوتا، اسی طرح لا نبی بعدی کی نفی عام میں عیسٰی نبی اللہ کا آنا خلل انداز نہیں ہوتا۔ ایسا ہی صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ من کان له امام فقراء ة الامام لهٗ قراء ة یعنی امام کا قرآن پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔ دوسری روایت میں ہے واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لهٗ وانصتوا۔ یعنی جب امام قرآن پڑھے خاموش ہو جاؤ۔ اور ایک روایت میں یوں آیا ہے، کہ ایک شخص رسول اللہ صلعم کے پیچھے قرآن پڑھتا تھا۔ بعد نماز آپ نے اُس کو منع فرمایا۔ اب اگر کوئی شخص ان حدیثوں کو استدلالاً پیش کرے اور موجودہ حنفیوں کی طرح فاتحہ خلف الامام حرام ہونے کا فتویٰ دے دے۔ تو یہ حرکت اس کی سراسر جہالت اور غلطی پر مبنی ہوگی۔ کیونکہ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں امام کے پیچھے قرآن شریف پڑھنے سے منع فرمایا ہے، تو دوسری جگہ لا تفعلوا بشیٔ اِلاّ بفاتحة الکتاب فرما کر فاتحہ پڑھنے کی خصوصیت کر دی۔ یہی حال لا نبی بعدی اور عیسیٰ نبی اللہ کا ہے۔ نیز آپ غور فرماویں کہ ایک شخص اگر یہ اعتقاد رکھے کہ قرآن شریف میں جو آیا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه (۵:۱۴)۔ یعنی ہر ایک رسول اپنی قوم کی زبان میں ہی بھیجا گیا ہے۔ چونکہ مــن رســول نکرہ حیّز نفی میں واقع ہونے سے فائدہ عمومیت کا دیتا ہے۔ اس واسطے محمد رسول اللہ صلعم بھی عربوں کی طرف ہی معبوث فرمائے گئے ہیں۔ دوسرے ممالک کی قومیں انکی رسالت میں شامل نہیں۔ چنانچہ ایک فرقہ عیسائیوں کا ایسا بھی ہے جس کا یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت صرف عرب کے لئے ہی مخصوص تھی۔ تو اُس شخص کا یہ استدلال بالکل غلط ہوگا۔ کیونکہ جس احکم الحاکمین نے یہ اصول بیان فرمایا کہ تمام رسول صرف اپنی اپنی قوموں کی زبان میں ہی آئے ہیں اُسی نے دوسری جگہ محمد رسول اللہ صلعم کے حق میں وما ارسلنک الا کافّة للناس (۲۹:۳۴) فرما کر اس اصول عامہ سے باہر رکھ لیا۔ جس سے یہ سمجھا گیا کہ سوائے محمد رسول اللہ صلعم کے تمام انبیاء علیہم السلام مختص القوم و الزمان تھے۔ ایسا ہی جب نبی کریم صلعم نے لا نبی بعدی فرما کر عام نفی کی ہے تو دوسری جگہ عیسٰی نبی اللہ کا ارشاد فرما کر بتلا دیا کہ یہ قاعدہ باستثناء مسیح موعود کے دوسرے مجدّ دین و اولیاء اُمت کے لئے ہے۔ نیز اگر ایک شخص لتنذر قوماً ما انذر اباء هم (۷:۳۶) سے یہ استدلال کرلے کہ محمد رسول اللہ صلعم کا انذار حقیقی صرف خطہ عرب کے لئے ہی تھا، دوسرے ممالک مجازاً آپ کی تبلیغ میں شامل ہیں۔ اور لانذر کم به و من بلغ (۲۰:۶) سے آنکھیں بند کرلے تو یہ اس کی جہالت ہوگی۔ اس طرح کی مثالیں قرآن و حدیث میں بہت سی ہیں۔ کہ ایک حکم عام دیا گیا ہے۔ اور ایک آدھ فرد کو کسی خصوصیت سے باہر رکھ لیا ہے۔ بعض وقت اس کا دوسری جگہ تذکرہ کر دیا ہے۔ جس سے اُس کی خصوصیت سمجھی جاوے۔ مگر اس سے اصل حکم

میں کوئی تناقض واقع نہیں ہوا۔پس یہی حال لا نبی بعدی اور عیسیٰ نبی اللہ کا ہے۔پھر غور فرمایئے! صحیح حدیثوں میں آیا ہے لو عاش ابراھیم لکان صدّیقاً نبیًّا یعنی اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ اور یہ ارشاد آپ کا نزول آیت خاتم النّبیین کے بعد ہے۔پس باوجود خاتم النّبیین کی آیت کے اپنے بیٹے کی نسبت یہ فرمانا کہ وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔کیا صاف اور بیّن دلیل اس بات کی نہیں ہے۔کہ نفس نبوت کی نفی نہیں کی گئی۔ورنہ ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ نبی کریم صلعم نے ایک خلاف واقعہ بات بیان فرمائی، جو حضور اکرمؐ کی شان کے منافی ہے۔

حدیث: لم یبق من النبوۃ الاالمبشرات:۔

لم یبق من النبوۃ الاالمبشرات سے کیا مراد ہے؟اور مبشرات کو نبوت از روئے احادیث کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟اس حدیث کے یہ معنے کرنا کہ ہر ایک طرح کی نبوت باقی نہیں رہی، غلط ہے۔کیونکہ مبشرات خود ایک قسم کی نبوت ہے۔دوم لم یبق نفی جحد ہے۔جو انکار ماضی کے لئے آتا ہے۔تو کیا جب نبی کریم صلعم نے یہ ارشاد فرمایا تھا تو اس کے بعد آپ بھی سوائے مبشرات کے اور کسی نبوت کے حامل نہ رہے تھے؟ ضرور آپ اس حدیث میں کوئی مقدر مانیں گے۔یعنی لم یبق کی تاویل لا یبق اور من النبوۃ سے من بعدی وغیرہ نکالیں گے۔کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہمارے معتقدات میں سے ہے کہ نبی کریم صلعم تمام عمر ہی نبوت کاملہ اور شریعت تامہ کے حامل رہے ہیں۔اس واسطے یہ تاویل کی گئی اور مقدر ماننا پڑا۔اسی طرح ہمارے معتقدات میں سے ہے کہ مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔پس اس حدیث میں یہ پہلی غلطی ہے جو آپ لوگوں کو لگی ہے۔یعنی ایک اعتقاد کے لئے حذف مانا جاتا ہے اور دوسرے کیلئے نہیں۔اور دوسری غلطی یہ ہے کہ المبشرات کو نبوت کا جزو اس لئے سمجھتے ہیں کہ وہ النبوۃ کا مستثنیٰ واقع ہوا ہے۔حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہی مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کا جزو ہی ہوا کرے۔جس سے اس پر مستثنیٰ منہ کا اطلاق ہی نہ ہوسکے۔خاص کر یہاں تو اس طرح کا جزو ہو ہی نہیں سکتا۔کیونکہ ابن ماجہ میں یہ حدیث یوں آئی ہے: لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ ۔یعنی نبوت مبشرات سے رویا صالحہ باقی ہیں۔اور صحیح بخاری میں ہے: قالوا ما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ صحابہؓ نے عرض کیا، مبشرات کیا چیز ہیں تو نبی کریم صلعم نے فرمایا مبشرات رؤیا صالحہ ہیں۔جب نبی کریم صلعم کے ارشاد کے بموجب مبشرات اور رؤیا صالحہ ایک چیز ہوئی۔اور پھر حدیث ابن ماجہ میں مستثنیٰ (الرؤیا الصالحۃ) کے مستثنیٰ منہ (مبشرات) واقع ہونے سے عبارت غلط نہیں ہوتی، بلکہ صحیح رہتی ہے۔تو اسی طرح اگر النبوۃ اور المبشرات صورت استثناء میں آجائیں تو اُن کے بھی معانی نہیں بگڑیں گے۔اب دیکھئے آپ کے معنے سے (کہ مبشرات اور النبوۃ کو جزو کل کی نسبت ہے) یہ خرابی لازم آتی ہے کہ

حدیث لم یبق من مبشرات النبوة کے معنے بھی یہی ہونگے کہ مبشرات کی ایسی جزورؤیا صالحہ ہیں جس میں مبشرات کی حقیقت مفقود ہے۔ دیگر بموجب تفسیر نبوی بعض مبشرات اور رؤیا صالحہ حقیقتاً ایک ہی ہیں۔ ایسا ہی دیگر بعض مبشرات اور نبوت کا حال ہے۔

پھر تیسری غلطی آپ کو یہ لگ رہی ہے کہ مستثنیٰ منہ کا جو جزو مستثنیٰ کے رنگ میں لفظاً مذکور ہو اُس کے سوا تمام اجزاء مستثنیٰ منہ کا ہی حکم رکھتے ہیں (یعنی رہے اور لم یبق میں آگئے)۔ جس کے باعث آپ اس حدیث کے یوں معنے کرتے ہیں کہ نبوت کے اجزاء میں سے صرف مبشرات کی جزو ہی باقی ہے۔ باقی اجزاء نہیں۔ حالانکہ یہ بات مخالف احادیث صحیحہ ہے۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ لم یکمل من النساء اِلا مریم بنت عمران و ا سیة امرء ة فرعون اور وما من بنی ادم مولود الا یمسّہ الشیطان غیر مریم و ابنھا۔ ان حدیثوں کے معنے آپ کی سمجھ اور علم کے مطابق یہ ہوئے کہ عورتوں میں سے صرف آسیہ امرء ة فرعون اور مریم بنت عمران ہی باکمال ہوئی ہیں۔ دیگر سب مستورات ناقصات ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہ، خدیجہ، فاطمہ علیہن السلام اور انبیاء علیہم السلام مسِ شیطان سے نہیں بچے۔ بلکہ ہمارے نبی کریم صلعم بھی۔ کیونکہ آپ کے مستثنیٰ نے حصر کر دیا کہ سوائے آسیہ اور مریم اور ابن مریم کے نہ کوئی مسِ شیطان سے بچا ہے اور نہ کوئی کاملات گذری ہیں۔ یا شاید آپ یوں فرمائیں گے کہ مریم و ابن مریم تو حقیقی طور پر مسِ شیطان سے محفوظ رہے اور نبی کریم صلعم یا دیگر انبیاء مجازی اور طفیلی طور پر۔ مگر ایسا دعوی بلا دلیل ہی ہوگا۔ اور اگر یہاں انحصار نہیں، کیونکہ قرآن شریف اور حدیث نے ان کے ماسوا بھی دوسروں کو مسِ شیطانی سے وعدہ حفاظت کا فرمایا ہے۔ اور کاملات بھی گذری ہیں۔ (اسی طرح دوسرے مقام پر آنیوالے کو عیسیٰ نبی اللہ کہا گیا ہے) اس واسطے جب یہاں بھی (لم یکمل میں) انحصار نہیں، تو لم یبق من النبوة الا المبشرات میں بھی اجزاء مبشرات پر انحصار نہ رہا۔ پس لم یبق من النبوة کے یہ معنے کرنے کہ نبوت عامہ حقیقیہ میں سے صرف جزو مبشرات ہی باقی ہے، صحیح نہ رہے۔ بلکہ جس طرح اِن امثال مذکورہ میں انحصار نہیں سمجھا جاتا، اور ان افرادِ مذکورہ کے ماسوا اور کئی افراد ہزاروں کی تعداد میں ان مذکورین سے بڑھ کر ہیں۔ جن پر کاملات اور عدم مسِ شیطانی کا اطلاق حقیقتاً صادق آتا ہے اور عبارت استثنائیہ میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ اور وہ وجود مستثنیٰ سے ذکراً باہر رہ کر بھی اس میں داخل سمجھے گئے ہیں۔ تو یہی صورت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں سمجھ لیں۔

اِس حدیث کے صحیح معنے:۔

اب ہم حدیث لم یبق من النبوة اِلاّ المبشرات کے اصلی اور حقیقی معنے جو مطابق عقیدہ مسیح موعود

علیہ السلام و جماعت احمدیہ و قواعد نحویہ ہیں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ من النبوۃ سے مراد یا تو خاص نبوت محمدؐیہ (جو حاملہ کمالات نبوت عامہ یا شریعت جامعہ ہے) ہوگی۔ کیونکہ لفظ النبوۃ معرف باللام ہے۔ اور مبشرات سے نبوت غیر تشریعی مراد ہے، جو اس خاص نبوت تشریعی کی قسیم اور نبوت مطلقہ کی قسم ہے۔ جس طرح کہ تصور جب مقابل تصدیق کے واقع ہو تو بشرط لاشیء ہی مراد ہوتا ہے۔ اور جسطرح تصور کی تین قسمیں ہیں ایک مطلق، دوم بشرط لاشیء، سوم بشرط شیء، اسی طرح نبوت کی تین قسمیں سمجھو ایک مطلق نبوت بلا قید جس کی یہ دونوں قسمیں تشریعی و غیر تشریعی ہیں۔ پس جس طرح تصور بشرط شیء کے اجزاء، بشرط لاشیء سے زیادہ ہیں، مگر تصور بشرط لاشیء پر مجازی معنوں میں تصور کا اطلاق نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اس کو بھی حقیقتاً تصور کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح وہ نبوت جو غیر تشریعیہ ہے گو وہ نبوت تشریعی کے ایک جزو شریعت سے قاصر ہے مگر حقیقتِ نبوت کو مفقود نہیں کر دیتی۔ اور نہ یہ صحیح ہے کہ کسی چیز کے ایک جزو نہ ہونے سے حقیقت شیء میں فرق آ جاتا ہے۔ کیونکہ **الشریعۃ امر زائد علی النبوۃ** اُمت مرحومہ کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ (دیکھو فتوحات مکیہ)۔

پھر ہم آپ کو یہ بتلاتے ہیں کہ ہمارے اِن معانی کے مؤید حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو عموماً ہر ایک اُن کی کتاب پڑھنے سے نظر آتے ہیں، جہاں فرماتے ہیں کہ ''میں نبی ہوں''۔ مگر چونکہ آپ نے حضور فیض گنجور **اعنی خلیفۃ اللہ المہدی** حکم عدل کے معنوں پر دوسرے علماء فیج اعوج کو ترجیح دی ہے۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کو اجتہادی غلطی سے متہم کیا ہے۔ حالانکہ احمدی کہلانیکی حیثیت آپ کو ایسی ترجیح دینے سے مانع ہونی چاہیے تھی (اور اگر اس لفظ پر یوں اعتراض کرو کہ ہم مرزا صاحب کو احمد نہیں مانتے لہذا ہم احمدی نہیں ہیں تو یہ میری اجتہادی غلطی سمجھی جاوے)، اس واسطے خاکسار شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا حوالہ دیتا ہے:

ان الرسالۃ یزید علی النبوۃ بتبلیغ الاحکام للمکلفین بخلاف النبوۃ المجردۃ. فانھا اطلاع علی بعض المغیبات. فالتشریع جزء من اجزاء النبوۃ.

(فتوحات مکیہ)

مزید تشریح:۔

اب ہم پھر دوبارہ حدیث **لم یبق من النبوۃ الا المبشرات** پر مفصل روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہی ایک حدیث ہے جو پیغامیوں غیر مبائعین میں معرکۃ الآراء ہو رہی ہے۔ یعنی **من النبوۃ** سے مطلق نبوت مراد ہے، خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی، یا خاص تشریعی مراد ہے؟ پہلی صورت میں الف لام **النبوۃ** کا جنسی یا استغراقی

ہوگا۔اور دوسری صورت میں عہد ذہنی یا خارجی عوض عن المضاف الیه ای من نبوۃ التشریع ہوگا۔اور المبشرات سے مراد نبوت غیر تشریعی ہوگا۔اور الف لام المبشرات کا عہد خارجی ہے۔جیسا کہ دوسری روایت لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ سے ثابت ہے۔پس پہلی صورت میں حدیث لم یبق من النبوۃ الخ کے یہ معنے ہوں گے کہ ہر ایک طرح کی نبوت باقی نہیں رہی لیکن غیر تشریعی باقی ہے۔اور دوسری صورت میں یوں معنے ہوں گے کہ وہ نبوت جو مقید بہ شریعت ہے باقی نہیں رہی لیکن غیر تشریعی باقی ہے۔پہلی صورت میں استثناء متصل ہوگا،اور دوسری صورت میں منقطع۔اور یہی صورت اور معنی حدیث ذهبت النبوۃ و بقی المبشرات کے ہیں۔یعنی ہر طرح کی نبوت نہیں رہی،مگر غیر تشریعی باقی ہے۔یا یوں معنے ہوں گے کہ نبوت جو مقید بشریعت تھی وہ چلی گئی،لیکن غیر تشریعی باقی ہے۔حاصل مطلب ہم مبشرات کو قسم نبوت بموجب حدیث نبوی ابن ماجہ ٹھہراتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔اور آپ مخالفت حدیث کی کر رہے ہیں۔

ایک اور حدیث پر نظر:۔

باقی رہی آپ کی بیان کردہ حدیث کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی و انه لانبی بعدی و سیکون الخلفاء ۔اِس سے آپ نے استدلال عدم نبوت مسیح موعود پر کیا ہے۔ اس کا ایک جواب تو حدیث لا نبی بعدی میں مفصل دے چکا ہوں۔دوم یہاں لفظ سیکون قابلِ غور ہے۔جو مستقبل قریب کے لئے مخصوص ہے۔اگر آخری زمانہ میں بھی نبی نہیں آنا تھا تو بجائے سیکون کے عبارت یکون الخلفاء چاہیئے تھی۔چونکہ عہد نبوی کے قریب نبی کی ضرورت نہ تھی،لہٰذا سیکون الخلفاء فرمایا۔فا فهم و تدبّر۔

ختم نبوت کے کیا معنی ہیں؟

خاتم النبیین سے کیا مراد ہے؟اور کس قسم کے نبی ختم ہوئے ہیں؟ختم کے معنی میں آپ کو ویسی ہی غلطی لگی ہے جیسی آج کل کے غیر احمدی مسلمانوں کو لگ رہی ہے۔چونکہ میں نے ختم نبوت کے معنے جو حضرت مسیح موعودؑ نے بیان فرمائے ہیں تحریر کئے تھے۔مگر آپ نے انکو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا اور لکھا ”یہ معنی تو عقلاً ونقلاً ولغتاً غلط ہیں“۔حالانکہ آپ کو احمدی کہلا کر اس طرح لکھنا ٹھیک نہ تھا۔مگر خیر اب میں آپ کو بحوالہ کتاب لُغت معتبر بتلاتا ہوں کہ مسیح موعودؑ کے معنے صحیح ہیں۔ فلان ختم لک بابه اذا اٰثرک علیٰ غیرک (لسان العرب)۔یعنی تیری خاطر فلاں شخص نے دروازہ بند کیا۔یعنی تجھے دوسروں پر ترجیح دی گئی۔اب یہاں بھی معنے خاتم النبیین کے یہی ہیں کہ

نبی کریم صلعم کو دوسرے نبیوں پر ترجیح دی گئی، کہ جب تک کوئی شخص آپ کی نبوت کا قائل نہ ہو جائے، اُس پر دروازۂ نبوت نہیں کُھلتا۔ اس صورت میں النبیین کا الف لام استغراقی ہوگا۔ اور جس قدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں سب محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت کا اقرار کرتے گئے ہیں۔ اور اُن کے حصولِ نبوت میں اتباع شرط نہ تھی۔ کیونکہ مطاع مبعوث نہیں ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت **واذ اخذ اللہ میثاق النبیّن لما اٰتیتکم من کتٰب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ** (۸۲:۳) اور حدیث **کنت خاتم النبیّن و اٰدم لمنجدل بین الماء و الطین** اِس پر شاہد ہے۔

اگر الف لام **النبیّن** کا عضیہ ہو جیسا کہ **یقتلون النبیّن** (۶۲:۲) میں ہے، تو اُس وقت مراد انبیاء متشرعین ہوں گے۔ اور اس وقت خاتم النبیین بمعنی اخیر ہوگا۔ کیونکہ یہ لفظ دونوں معنوں میں آتا ہے۔ تو جس طرح یقتلون النبیین کے معنے کرو گے (یعنی بعض نبیوں کو قتل کرتے تھے)، اسی طرح خاتم النبیین کے معنے ہوں گے (یعنی صاحب شریعت نبیوں کے خاتم)۔

اگر ہم بطور تنزّل کے غیر احمدیوں کی طرح یہ بھی مان لیں کہ خاتم بمعنی ایسے اخیر کے ہے جس کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا، تو بھی مسیح موعود کی نبوت میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسیح موعود کی نبوت نبی کریم صلعم سے علیحدہ ہو کر نہیں۔ بلکہ آپؑ میں محو ہونے کی وجہ سے گویا آپؐ ہی نبی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے سورۃ جمعہ میں آیت **واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم** کا عطف **علی الامیین** یعنی اُمیوں پر ڈال کر سمجھا دیا کہ نبی کریم صلعم کی ہی دو بعثتیں ہیں۔ اور دونوں نبوت کے رنگ میں ہیں۔ کیونکہ یہ عبارت معطوف، معطوف الیہ واقع ہوئی ہے۔ چونکہ اسلام تناسخ کا قائل نہیں، لہذا محمد رسول اللہ صلعم کی دوسری بعثت بروزی رنگ میں ہوگی اور بروز مثیل سے اخص ہوتا ہے۔ بروز محمدی کے لئے نبوت شرط ہے۔ مثیل کے لئے نہیں۔ اور تمام اُمت میں گو مثیل بہت سے ہوں مگر بروز ایک ہی ہونا تھا۔ جس کو مسیح موعود فرمایا۔ تو جس طرح مسیح موعود کا وجود باوجود عدم ذکر آیت بالا میں حقیقی طور پر موجود فی نفس الامر ہے۔ ایسا ہی آپ کی نبوت بھی نفسیہ ہے گو نبی کریم صلعم کی وساطت سے ہی حاصل ہوئی ہو۔ دوم جب بار بار حدیثوں میں مسیح موعود کو نبی اللہ فرمایا ہے۔ (چنانچہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بار بار چار دفعہ نبی اللہ پکارا گیا ہے) تو باعث شہرت اور ایک ہی فرد ہونے کے اور وہ بھی نبی کریم صلعم کی متعلمی میں ہو کر نبوت پانا، ختم نبوت کا ناقض نہیں ہے۔ بلکہ مثبت ہے۔ اس لئے خادم کی چیز مخدوم ہی کی ہوتی ہے۔ **انت و مالک لابیک** فرمودہ نبی کریم صلعم ہے۔ مگر آپ کے معنے تو قرآن کریم کے سیاق وسباق کے بھی مخالف ہیں۔ مثلاً شروع آیت یوں ہے **ما کان**

محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین (۴۱:۳۳)۔دیکھئے جملہ خاتم النبیین حرف لکن کے بعدواقع ہوا ہے۔اوراس سے پہلے جملہ منفیہ ہے جوابوت محمد رسول اللہ صلعم کی ہرطرح سے نفی کرتا ہے۔اب اگرخاتم النبیین کے معنے غیراحمدیوں کی طرح یہ کئے جائیں کہ آپ کے بعدکوئی بھی نبی نہیں آنا۔تو یہ دونوں جملے متغائر نہیں رہیں گے۔کیونکہ حرف لکن سے پہلے جوجملہ ہے وہ بھی ابوت روحانی وجسمانی کی نفی کرتا ہے۔ اور مابعد کا جملہ بھی اس صورت میں اس کی ہی تائید کریگا۔حالانکہ حرف لکن دومتغائر جملوں میں آیا کرتا ہے۔ سنئے! لکن للاستدراک ای لرفع التوھم الناشی من الکلام السابق و لھذا لا تقع الابین الجملتین تکونان متغائرین با لمفھوم.(شرح مائۃ عامل). یعنی لکن استدراک کے لئے ہوتا ہے۔یعنی اس وہم کورفع کرتا ہے جو پہلے کلام سے پیدا ہو۔سو یہ دوایسے جملوں میں آتا ہے جومفہوم متغائر ہوں۔

اب میں علماء کرام کی تحقیق جوخاتم النبیین کے متعلق ہے وہ بھی نقل کرتا ہوں:۔

ان الدنیا لما کان لھا بدء ونھایۃ و ھو ختمھا. قضی اللہ سبحانہ ان یکون جمیع ما فیھا بحسب نعمتھا بدء و ختام و کان من جملۃ ما فیھا تنزیل الشرائع فختم اللہ ھذا لتنزیل بشرع محمّد فکان خاتم النبیّن و کان اللہ بکل شیءٍ علیمًا. فان الرسالۃ و النبّوۃ بالتشریع قد انقطعت فلارسول بعدہ و لا نبی اے لا مشرع ولا شریعۃ. و ان عیسیٰ اذا نزل ما یحکم الا بشریعۃ محمد و ھو خاتم الاولیاء فانہٗ من شرف محمد ان ختم اللہ ولایۃ امۃ والولایۃ مطلقۃ بنبی الرسول مکرم. فلا ولی بعدہ اِلا وھو راجع الیہ کما انہٗ لا نبی بعد محمد صلعم الا وھو راجع الیہ کعیسی قسبۃ کل ولی بعد ھذا الختم اِلیٰ یوم القیامۃ نسبۃ کل نبی یکون بعد محمد صلعم فی النبوۃ کعیسیٰ علیہ السلام فی ھذہ الامۃ. (فتوحات مکیہ)

یہ وہ بزرگ ہیں جن کاعقیدہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام وفات پاگئے اوراُن کا آنا بروزی رنگ میں ہوگا۔

اب آپ جیسے عالم کو باوجود احمدی کہلانے کے دوفاش غلطیاں لگی ہیں،جن میں غیراحمدی مبتلا ہیں (مگر چونکہ وہ مسیح ناصری کوفوت شدہ نہیں مانتے۔اس واسطے آپ کاعقیدہ کسی فرقہ اہل اسلام کے ساتھ مسیح موعود کی نبوت میں متفق نہیں)۔اور یہ کہ آپ بدایت واختتام کوامور اضافیہ نہیں سمجھتے حالانکہ یہ اکثر دفعہ کثرت کی طرف منسوب اور مضاف ہوتے ہیں۔مثلاً ایک حدیث میں ای القرآن انزل او لا فقال یا ایھا المدثر اوردوسری میں اقرأباسم ربک الذی خلق آیا ہے۔اور یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری کی ہیں۔لیکن چونکہ وحی، اقرأ کے بعدتین

سال تک بند رہی۔ اور اس کے بعد جو وحی ہوئی وہ یا ایھا المدثر تھی اور اس کے بعد پے در پے وحی آنی شروع ہوئی۔ لہذا پہلی وحی اقـــراء کو منفی کے حکم میں رکھا۔ اسی طرح اختتام کی مثال بھی سمجھ لو۔ کہ نبی کریم صلعم کو ہی خاتم النبیین قرار دیا گیا۔ مگر ایک نبی کا آنا باعث ایک، اور وہ بھی بعد زمانہ نبوی اور متبع ہونے کے، اختتام کا ناقض اور منافی نہیں سمجھا گیا۔ اور دوسری غلطی آپ لوگوں کو یہ لگی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو آپ لوگ ایک ہی طرح کا خاتم مانتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل اور بعثت نبی کریم صلعم تک ہیں۔ اور جناب سرور کائنات صلعم جمیع مخلوقات اور جمیع ازمنہ کے لئے خاتم بنائے گئے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اگر خاتم ہو کر صرف یہود پر غضب اللہ بعثت محمد یہ تک لائے تو محمد رسول اللہ صلعم نے نعوذ باللہ جمیع مخلوقات الہیٰ پر قیامت تک غضب الہی کا نشان دیا۔ نعوذ بالله من ذالک۔

مگر یہ بات نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور وجہ سے خاتم بنائے گئے ہیں اور جناب محمد رسول اللہ صلعم اور وجہ سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے معلون ہونے کی وجہ سے خاتم بنایا گیا۔ اور نبی کریم صلعم اپنی فضیلت اور کمال کی وجہ سے خاتم ٹھہرے۔ کیونکہ قرآن کریم میں لفظ خاتم النبیین مقام مدح میں واقع ہے۔ اور حدیث میں بھی جملہ ختم بی النبیّون (مشکوۃ) اور فضلتُ بست یعنی چھ باتوں میں مجھے فضیلت دی ہے آیا ہے۔ بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ غضباً علی الیھود بنائے گئے۔

جب دونوں خاتموں کا باعثِ ختم الگ ہے تو ضروری ہوا کہ نتیجہ بھی ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ہو۔ پس غضب الہی یہودیوں پر نبوت کو روکتا ہے۔ اور فضل الہی محمد رسول اللہ صلعم کی اُمت پر نبوت کا جاذب اور جاری رکھنے والا ہے۔ اِسی واسطے آیت وا خرین منھم لما یلحقوا بھم کے بعد ذالک فضل الله فرمایا ہے۔ (سورۃ جمعہ)

چونکہ آپ نے خاتم کے معنے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کمال کے کئے ہیں، لغت اور عقل کے بر خلاف لکھے ہیں، جس سے ممکن ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے یہ بیان کردہ معانی بھی آپ عقل و لغت کے خلاف سمجھیں گے۔ لہذا آپ کی عقل کا تو بندہ ذمہ دار نہیں ہے کیونکہ آپ خود حکیم ہیں۔ مگر لغت کا حوالہ دے کر پھر متوجہ کرتا ہوں کہ مسیح موعود علیہ السلام کے معانی ہی صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ غضب کی مثال فلان ختم علیک بابه ای اعرض عنک اور فضل کی مثال ختم لک بابه اذا اثرک علیٰ غیرک (لسان العرب)

-

آپ ختم کے معنی آخر کے کرتے ہیں۔ پھر آخر کے معنے بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتے۔ کیونکہ اس کا ثبوت

صحیح مسلم کی حدیث دیتی ہے۔ انی اخر الا نبیاء و مسجد ی اخر المساجد (مسلم) یعنی میں آخرالانبیاء ہوں جسطرح میری مسجد آخر المساجد ہے۔ یعنی میری مسجد کے ماتحت اور اتباع میں اور مساجد بن سکتی ہیں نہ کہ بالمقابل۔ یہ تو نہیں کہ اب محمد رسول اللہ صلعم کی مسجد کے بعد کوئی مسجد ہی نہیں بن سکتی۔ یا کسی مسجد پر حقیقی طور سے مسجد کا اطلاق کرنا حرام ہے۔ پس آخر کے معنے بھی عربی زبان میں کمال کے ہی ثابت ہوئے۔ اور آپ لوگ لفظ مکر کی طرح لفظ آخر کا مفہوم بھی پنجابی زبان کا سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ لفظ مکر اور آخر یہ دونوں عربی الفاظ ہیں نہ پنجابی اردو۔

بس کنیم وزیرکاں راایں بس است

بانگ زدکردیم گردردکس است

محمد ابراہیم بقاپوری راولپنڈی ۱۶ ماہ جنوری ۱۹۱۶ء

(نوٹ: مسئلہ نبوت کے متعلق یہ بحث ذرا دقیق ہوگئی ہے جسکو علماء صرف ونحو تو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن عام لوگ شاید اس کے سمجھنے میں دقت محسوس کریں۔ لیکن جس مخالف کے مقابلے میں یہ مضمون لکھا گیا ہے، وہ اپنے آپکو عالم یکتا خیال کرتا تھا۔ اس لئے مولانا نے یہ رنگ اختیار کیا۔)

۷۷۔ خلافت اور اس کی اہمیت

اِسی طرح دوسرے سوال ''خلافتِ احمدیہ'' کا جواب بعنوان ''خلافت اور اُس کی اہمیت'' الحکم ۱۴۔ مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع کر دیا گیا تھا۔ جو مندرجہ ذیل ہے:

خلافت اور اُس کی اہمیت

از حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری خطیب انجمن احمدیہ

ماڈل ٹاؤن لاہور و سابق امیر التبلیغ سندھ و واعظ مقامی قادیان

کسی نبی یا مامور کی جانشینی کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ جس پر قوم کی ترقی کا مدار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی مامور آتا ہے تو اگر اُس کے بعد اُس کی جماعت کو خالی چھوڑ دیا جائے تو اس طرح اس نبی اور مامور کی تمام کوششیں رائگاں جاتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بعد اس کی کوششوں کو بار آور کرنے کے لئے

کوئی ایسا انتظام ہو جس سے اُسکے جاری کردہ کام اور اُس کے لگائے ہوئے درخت کو کوئی شخص ضائع نہ کردے۔اس مسئلہ کی اہمیت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ خلافت کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

خلیفہ کون بناتا ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چار قسم کی خلافتیں بیان فرمائی ہیں۔اور چاروں قسم کے خلفاء خدا ہی بناتا ہے۔

ا۔ یا داوٗد انا جعلنک خلیفة فی الارض (۳۸:۲۷)

اے داوٗد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔پس نبی بھی زمین پر خدا کا خلیفہ ہوتا ہے۔

۲۔ عسیٰ ربّکم ان یھلک عدوّ کم و یستخلفکم فی الا رض (۷:۱۳۰)

قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر کے تم کو ان کی جگہ خلیفہ بنائے۔عام مومن بھی خلیفے بنائے جاتے ہیں۔

۳۔ اولاد کو آباء واجداد کا خلیفہ کہا ہے۔ **وھو الذی جعلکم خلائف الارض (۶:۱۶۶)**

وہی خدا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

یہ دونوں خلافتیں بھی خدا ہی بناتا ہے۔یعنی مومنوں کو کافروں پر غلبہ بھی خدا ہی دیتا ہے۔اور بیٹے بھی خدا ہی دیتا ہے۔اور اُن کو اپنے آباؤ اجداد کا خلیفہ بناتا ہے۔

۴۔ چوتھی خلافت وہ ہے جہاں نبیوں کے بعد اُن کی اُمت کے پاکباز لوگوں میں سے بعض کو خلیفہ بنانے کا وعدہ دیا گیا ہے:

وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصّا لحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (۲۴:۵۶)

مسلمانو! تم میں سے ایسے مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں ان کو پہلے نبیوں کے خلیفوں کی طرح خلیفہ بنانے کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے۔

پس چار قسم کے خلفاء ہوتے ہیں اور چاروں قسم کے خلفاء کو خدا ہی بناتا ہے۔

خلیفہ ایک ہی ہوتا ہے:۔

یہ سوال کہ خلیفہ ایک انجمن ہو یا ایک شخص ہو۔ یعنی شخصیت ہو یا جمہوریت؟ اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے جو دلوں کے حال جانتا ہے، خود ہی قرآن شریف میں فرما دیا ہے۔

لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں بھی اسی طرح خلیفے بنائے گا جس طرح اُس نے پہلے لوگوں میں بنائے تھے۔

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں میں خلافت ضرور ہوگی۔ جس پر **لیستخلفنّھم** میں حرف لام اور نون ثقیلہ دلالت کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ ویسے ہی خلیفے بنائیگا جیسے اُس نے پہلوں میں بنائے تھے۔ اب اگر پہلی اُمتوں میں نبیوں کے بعد انجمنیں خلیفہ بنتی تھیں تو اب بھی انجمن کو ہی خلیفہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر پہلی اُمتوں میں شخص واحد ہی نبی کا قائم مقام ہوتا رہا ہے۔ تو اب بھی شخص واحد ہی قائم مقام ہوگا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خلیفہ ایک ہی شخص یوشع ہوا ہے۔ ایسے ہی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ایک ہی شخص حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوئے اور ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خلیفہ ایک ہی شخص حضرت مولانا نورالدین صاحب پہلے خلیفہ ہوئے۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ شخص واحد ہی خلیفہ ہوتا رہے گا۔ کیونکہ لفظ **کما** اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔

خلافت کا ثبوت حدیث سے:۔

احادیث سے ثابت ہے کہ خلیفہ کا وجود ضروری ہے۔ اور خلیفہ شخص واحد ہی ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے بھی جمہوریت کو قائم نہیں کیا۔ بلکہ خلافت کو قائم کیا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ آپ نے صحابہ کرام کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد اختلافات پھیلیں گے تم میرے خلفاء کی سُنت پر عمل کرنا، اُنہیں کے طریق پر چلنا۔

او صیکم بتقوی اللہ و السمع و الطاعۃ وان کان عبداً حبشیًّا فانہٗ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسُنّتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدّیین من بعدی تمسکو بھا و عضّو علیھا بالنواجذ ایّا کم و محدثات الامور۔

میں تمہیں تقویٰ، اطاعت اور فرمانبرداری کی ہدایت کرتا ہوں خواہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی سردار کیوں نہ ہو۔ کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہیں گے وہ جلد ہی دیکھ لیں گے کہ اُمت میں اختلاف بہت بڑھ جائے گا۔ پس تم کو لازم ہے کہ میری اور میرے راشد اور مہدی خلفاء کی سُنت کو مضبوط پکڑنا اور اس کو چھوڑنا نہیں۔ اور نئی نئی باتیں جو نکلیں اُن سے بچتے رہنا۔

خلافت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فیصلہ:۔

حضرت اقدس نے حمامتہ البشریٰ میں تحریر فرمایا ہے۔ ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفة من خلفائه الیٰ ارض دمشق یعنی کہ مسیح موعود یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ سرزمین دمشق کی طرف سفر کریگا۔اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلفاء کا سلسلہ قائم ہوگا۔

۷۸۔ کیا مولوی محمد علی صاحب رجل منصور ہیں؟

(یہ مضمون حضرت مولانا بقاپوری صاحب کا ہے جو''الفضل'' میں شائع شدہ ہے۔مرتب)

مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اپنے خطبہ ۲۱۔ستمبر ۱۹۴۹ء میں یہ الفاظ کہے ہیں:

''مسیح موعود فرماتے ہیں کہ:

'مجھے یہ غم اور پریشانی کھائے جارہی ہے۔کہ میں جس مقصد کو لے کر آیا ہوں۔ابھی تک اس ملک کے تعلیم یافتہ لوگ اور یورپ کے رہنے والے اس سے محروم ہیں۔میں کس طرح ان چیزوں کو ان تک پہنچاؤں۔سو میں نے دوستوں کے مشورہ سے اس تجویز کو پسند کیا۔کہ ہم انگریزی میں ایک رسالہ جاری کریں اور اس کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب ہوں گے۔اور ہر دو نے اس کا ایڈیٹر ہونا منظور کرلیا ہے۔'

تو آپ نے اس کام کو اپنی وفات کے بعد تک ملتوی نہیں کیا کہ آپ کی فوج کا سرکردہ کون ہے؟ وہ کام آپ نے اپنے ہاتھوں سے میرے اور خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے سپرد کیا۔اور جب آپ کی وفات کے بعد قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے کام کو ضروری سمجھا گیا تو وہ بھی ساری جماعت نے،آپ کی جانشین انجمن نے میرے سپرد کیا۔۔۔۔میاں صاحب کی موجودگی میں اوران کے منہ پر حضرت مولانا نورالدین صاحب نے یہ لفظ کہے کہ 'مسئلہ کفر و اسلام بہت مشکل ہے۔بہت لوگوں نے اسے نہیں سمجھا۔میاں صاحب نے بھی نہیں سمجھا۔' آج اگر کسی چیز کا دنیا میں اعتراف ہے،تو اس چیز کا نہیں جو میاں صاحب کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نبی تھے۔بلکہ اس کا اعتراف ہے کہ آپ مجدد تھے۔حضرت مسیح موعود نبی تھے یا مجدد؟ اسلامی دنیا کے سرکردہ آدمیوں سے اس کا جواب پوچھو۔''

(پیغام صلح ۲۱۔ستمبر ۱۹۴۹ء صہ ۵)

مولوی صاحب نے اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے:

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا کام عیسائیت کے خلاف اتمام حجت میرے سپرد کیا لھذا میں ان کی جماعت کا صحیح راہ نما ہوں۔

(۲) حضرت مولوی نورالدین صاحب نے میاں صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی۔مرتب) کے منہ پر فرمایا، کہ کفر واسلام کا مسئلہ انہوں نے نہیں سمجھا۔اور مجھے فرمایا، کہ مسئلہ کفر واسلام پر مضمون لکھو۔یعنی کفر واسلام کے متعلق جو میرا عقیدہ ہے درست ہے نہ کہ وہ جو میاں صاحب کہتے ہیں۔

(۳) دنیا میرے عقیدے کا، کہ مرزا صاحب مجدد ہیں، اعتراف کرتی ہے۔نہ کہ میاں صاحب کے عقیدے کا، کہ مرزا صاحب نبی تھے۔اور آپ کہتے ہیں، کہ اسلامی دنیا کے سرکردہ آدمیوں سے پوچھو کہ مسیح موعود نبی تھے یا مجدد۔

میں لمبی بحث سے بچنا چاہتا ہوں۔صرف میں مولوی صاحب کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ جو نتیجہ آپ ان تین باتوں سے نکالنا چاہتے ہیں، وہ اس لئے نہیں نکلتا، کہ جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اور آپ کے بعد انجمن نے یہ خدمت آپ کے سپرد کی۔اس وقت آپ کے اور خواجہ کمال الدین صاحب کے عقیدے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی طرح تھے۔یعنی یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی اللہ ہیں۔اور ان کا منکر، منکر نبی اللہ ہے۔ پس زیادہ سے زیادہ آپ کی بات مان کر جو نتیجہ نکلتا ہے۔وہ یہ ہے کہ جب تک آپ کے عقاید صحیح رہے، جیسا کہ ریویو آف ریلیجنز کے مضامین سے پتہ چلتا ہے جو آپ کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا رہا ہے، اس میں آپ نے ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی اللہ لکھ کر پیش کیا ہے (دیکھو مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز جلد ۶ وغیرہ)، تب تک آپ حضرت اقدس کی جماعت کے صحیح کارکن رہے۔مگر جب آپ نے اپنے عقائد بدل لئے۔تو آپ مخالف ہو گئے۔

میں یہ مانتا ہوں کہ آپ کی تبدیلی عقائد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے متعلق حضور کی زندگی میں ہی شروع ہو گئی تھی۔جب کہ آپ اور خواجہ کمال الدین صاحب نے مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر اخبار ''وطن'' کے ساتھ یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم رسالہ ریویو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے الہامات کا ذکر نہیں کریں گے۔صرف صداقتِ اسلام پر ہی دلائل دیئے جائیں گے۔اور وہ غیر احمدیوں میں اس رسالہ کی اشاعت کثرت سے کرا دے گا۔

لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کا پتہ چلا تو حضور نے خواجہ صاحب اور آپ کو فرمایا کہ:

''مجھے چھپا کر وہ کونسا اسلام تم لوگوں کے سامنے پیش کرو گے؟ اسلام کی صداقت کا زندہ ثبوت تو میں ہوں۔''

اس پر آپ لوگ اس ارادہ سے باز آئے۔ اور مولوی انشاء اللہ کو اس کے مرسلہ روپے واپس کئے۔ لیکن آپ اور خواجہ صاحب جماعت میں بظاہر نبوت کے قائل ہی رہے۔ اور احمدی احباب کو خطوط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی اللہ اور رسول اللہ لکھتے رہے۔ اور صریح طور پر حضرت مسیح موعود کی نبوت کا انکار حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کیا ہے۔ اس کے ثبوت میں خاکسار آپ کی ایک چٹھی بجنسہٖ نقل کرتا ہے۔ جو آپ نے چوہدری رستم علی خاں صاحب مرحوم و مغفور کو لکھی تھی:

مکرمی چوہدری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگرچہ بہت کم فرصتی ہے۔ مگر تاہم وہ بات آپ کو سناتا ہوں۔ جو پرسوں ہمارے امام نے سنائی۔ کہ جماعت اب اس وقت کے لئے تیار رہے جو آخر ہر نبی پر آتا ہے۔ یعنی رحلت کا وقت۔ اللہ تعالیٰ کے الہامات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت اب قریب ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ قریب سے اس کی کیا مراد ہے۔ اس کے نزدیک بعض وقت تھوڑا وقت بھی ایک بڑا عرصہ ہوتا ہے۔ اور ہماری تو یہی دعا ہے کہ اگر وہ ایک دن بھی ہے تو **ان یوما عند ربک کالف سنۃ** ہو۔ مگر آخر اس وقت سے تو چارہ نہیں۔ یہ الہامات گویا عید کے دن کے ہیں۔ **قرب اجلک المقدر قل میعاد ربک** ۔ دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اس روز سب پر اداسی چھا جائے گی۔

لا نبقی لک من المخزیات ذکرًا ۔ یہ آخری الہام تسلی بھی دیتا ہے۔ کہ مقاصد پورے کئے جائیں گے۔ مگر فرمایا کہ مقاصد کی تکمیل نبی کے اٹھائے جانے کے بعد بھی ہوتی رہتی ہے۔ یہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔ کہ اب کتنا وقت اور ہمارے ہاں یہ خدا کا پیارا ہے۔ اور ابھی ہم میں سے کس کس پر اس نے آخری دعا کرنی ہے۔ مگر جماعت کیلئے وہ وقت ضرور آ گیا ہے۔ کہ اپنے اندر ایک نئی تبدیلی پیدا کرے۔ کیونکہ خدا اس حالت میں تو اس کو نہیں چھوڑے گا۔ مگر ہم میں سے بڑا بدقسمت کون ہوگا۔ اگر ہم ان لوگوں میں نہ ہوئے۔ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص ارادہ اور منشاء سے ایک بڑے کام کے لئے تیار کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب بھائیوں کو توفیق دے کہ اب اس دنیا سے دل توڑ کر آخرت پر ہی لگا دیں۔

والسلام! (خاکسار محمد علی)

مولوی صاحب سے مودبانہ گذارش ہے۔ کہ اپنے الفاظ ''مگر ہم سے بڑھ کر بدقسمت کون ہوگا'' پر خشیۃ اللہ سے غور کریں اور بحث کی طرف نہ جائیں۔

دوسری تحریر خواجہ صاحب کی مندرجہ ذیل ہے۔ جس میں انہوں نے صاف لفظوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو رسول لکھا ہے۔

''بنگال کی دل جوئی'' صہ ۲۹ میں خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''وہ زبردست حملے جس کی پیش گوئی دنیا کو ڈرانے کے لئے ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ طاعون، زلازل، قحط اور دیگر آفات سماوی کے رنگ میں ظاہر ہوئے۔ لیکن زمانہ نے ابھی تک غفلت نہ چھوڑی۔ زمانہ نے تاریخ کو دھرایا۔ ایک رسول آیا۔ لیکن ھیھات ما یاتیھم من رسولٍ الا کانوا بہ یستھزء ون۔ دنیا میں جب کبھی رسول آیا لوگوں نے اسے مذاق میں اڑایا۔ کیا کوئی سعید روح ہے۔ جو ان باتوں پر غور کرے۔'' (الحکم ۷۔ اگست ۱۹۱۵ء)

اس طرح کے بہت سے خطوط ہیں۔ جن میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی، رسول سے مخاطب کیا ہے۔ حضرت صاحب نے کبھی بُرا نہیں منایا بلکہ خوش ہوتے تھے۔ اس سالانہ جلسہ پر جب کہ آپ یعنی حضرت اقدس معہ ہم خادمان کے بڑے بازار قادیان سے ہوکر ریتی چھلہ میں کثرتِ خدام سے غبار اٹھنے پر قیام پذیر ہوئے۔ تو سیٹھی غلام نبی صاحب مرحوم نے خدام کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس پر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے سیٹھی صاحب مرحوم کو کہا کہ لوگ کیا کریں۔ تیرہ سو سال بعد آج نبی کا منہ دیکھا ہے۔ اسی طرح میں نے دیکھا۔ کہ ایک شخص بلند آواز سے بار بار کہہ رہا ہے:

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الصلوٰۃ و السلام علیک یا نبی اللہ

اور حضرت اقدس علیہ السلام تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس شخص کی طرف دیکھتے تھے۔

اب میں تھوڑا سا اقتباس اپیل مجی حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم رئیس حاجی پورہ میں سے لکھ کر دوسری تحریرات کو بشرط ضرورت دوسرے وقت پر چھوڑتا ہوں۔

"اپیل بحضور حضرت مسیح موعود مهدی مسعود امام الزمان سلمه الرحمٰن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ لوگ اس زمانہ کے رسول کے خیالات اور تعلیم اور وہ کلامِ ربانی جو اس رسول پر نازل ہوتا ہے۔ چھوڑ دیں گے۔ تو وہ اور کون سی باتیں ہیں جن کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اسلام کوئی دوسری چیز ہے۔ جو اس رسول سے علیحدہ ہوکر بھی مل سکتا ہے۔ کیا احمد سے علیحدہ ہوکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ مل سکتا ہے۔" (الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۶ء)

المختصر چونکہ آپ اس وقت حضرت مسیح موعود کی نبوت کے منکر ہیں، جو اصل دعویٰ تھا۔ اور پھر جو خدمت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایڈیٹری کا کام سپرد کر کے سونپی تھی۔ وہ بھی آپ نے چھوڑ دی ہوئی ہے۔ اور انگریزی ترجمہ میں بھی ترمیم کر لی ہوئی ہے۔ اس لئے آپ رجل منصور نہیں ہو سکتے۔ رجل منصور وہ ہو سکتا ہے جو مسیح موعود کو نبی اللہ پیش کرے۔ اور آپ کے بعد سلسلہ خلافت بھی مانے وغیرہ۔ اور وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہیں۔

مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے متعلق صرف اتنا لکھنا طالب حق کے لئے کافی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اس کو آپ بھی مانتے ہو کہ حضرت صاحب نے واقعی بحکم خدا مسیح موعود ہونے کا دعوے کیا ہے۔ ہم دونوں فریق ان دلائل کو دیکھیں جو آپ نے اپنے دعووں کے ثبوت میں دئے ہیں۔ اگر وہ نبیوں والے ہیں۔ اور ان سے نبوت ثابت ہوتی ہے۔ تو آپ نبی ہیں ورنہ صرف مجدد۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک غیر نبی اپنی صداقت میں نبیوں کے دلائل دے کر نبی بنے۔ چونکہ حضرت صاحب اپنی صداقت میں ہمیشہ انہی دلائل کو پیش فرماتے رہے ہیں جن سے نبوت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً:

لو تقول علینا فقد لبثت عمراً وغیرہ۔ لہٰذا آپ نبی ہیں۔

فتذکر ولا تکن من الغافلین۔

(الفضل ۶۔ نومبر ۱۹۴۹ء)

مسائل دینیہ تبلیغی واقعات کے رنگ میں

۱۔ نماز تراویح سُنّت نبوی ہے

۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے کہ میں رمضان شریف میں وزیرآباد ریلوے اسٹیشن سے ریل پر سوار ہوا۔ جس ڈبہ میں میں بیٹھا تھا اس میں ایک حنفی مولوی اور ایک شیعہ ذاکر صاحب بھی تھے۔ ذاکر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ مسافر کے لئے نماز کی تو قصر کی گئی ہے مگر رمضان شریف کے روزہ کی قصر نہیں کی گئی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرضدار کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے قرض خواہ دو طرح کی رعایت کرتا ہے۔ یا تو کہتا ہے کہ دس روپے کی بجائے مجھے پانچ روپے ہی دے دو۔ لیکن دے دو ابھی۔ یا کہتا ہے۔ کہ پورے دس کے دس ہی دو مگر بجائے یکمشت دینے کے سال بھر میں باقساط آسانی سے دے دو۔ یہی دو قسم کی رعائتیں خدا تعالیٰ نے نماز اور روزہ میں مسلمانوں کو دی ہیں۔ پہلی قسم کی رعایت نمازوں میں عطا فرمائی اور دوسری قسم کی رعایت روزوں میں دی۔ ذاکر صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ احمدی جماعت میں سے معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں یہ سب فیوض و برکات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں ہی حاصل ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا میں مرزا صاحب کی زندگی میں قادیان گیا تھا۔ اور اب بھی کبھی کبھی جاتا ہوں۔ جب میں پہلی دفعہ ۱۹۰۵ء میں گیا تو رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ میں نے دیکھا صبح سب کا روزہ تھا۔ کوئی کھاتا پیتا مجھے نظر نہ آیا۔ رات کو بڑی مسجد میں جس میں مرزا صاحب کے والد صاحب کی قبر ہے نماز تراویح کے لئے گیا تو ایک حافظ صاحب نے جن کا نام روشن علی تھا نماز تراویح پڑھائی۔ چار رکعتیں پڑھانےکے بعد وہ اتنی دیر بیٹھے جتنا وقت چار رکعت پڑھانے میں لگا۔ میں نے کہا کہ آپ نے پھر بیعت کیوں نہ کی؟ کہنے لگے اُس وقت مجھے یہ بُرا لگا کہ انہوں نے اہل حدیث کی طرح آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہے۔ حالانکہ بیس رکعت تراویح ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ نماز تراویح کوئی علیحدہ نماز نہیں۔ بلکہ تہجد کی نماز ہی ہے جو رمضان شریف میں اول رات پڑھی جاتی

ہے۔اس کو نماز تراویح کہتے ہیں۔ کیونکہ تراویح کے معنے آرام کے ہیں۔ یہ نماز بہت لمبی پڑھی جاتی ہے اور خصوصاً رمضان شریف میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات گیارہ رکعت پڑھنے میں ہی گذار دیتے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ نماز تراویح تو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں پڑھی گئی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے تو پھر یہ رسولیٔ سُنت ہوئی نہ کہ حضرت عمرؓ کی؟ میں نے اس پر مفصل روشنی ڈالی اور کہا کہ صحاح ستہ میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیسویں رات رمضان شریف کو نماز عشاء کے بعد نماز تراویح پڑھائی جس میں رات کا تیسرا حصہ قیام فرمایا۔ پھر پچیسویں رمضان کو عشاء کے بعد نماز تراویح پڑھائی اور اس میں دو تہائی حصہ رات کا قیام فرمایا۔ اور پھر تیسری دفعہ ستائیسویں رات کو تراویح پڑھائی اور ساری رات قیام فرمایا۔ پھر جب انتیسویں رات کو نماز پڑھنے کے لئے لوگ آئے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اعتکاف کی جگہ سے باہر تشریف نہ لائے۔ صبح کو آپ نے فرمایا کہ میں رات کو اس لئے باہر نہیں آیا تھا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے ہی تراویح پڑھی جاتی ہے۔ یہ ناواقف لوگوں کا قول ہے کہ نماز تراویح رواج ہے یا محض حضرت عمرؓ کی سنت ہے۔

۲۔ شادی غمی میں برادری سے تعاون اور مولویوں کی زبوں حالت

ایک مجلس میں ایک مولوی صاحب آج کل کے صوفیوں کی مذمت کر رہے تھے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی نئی قسم کے ورد و وظائف مقرر کر لئے ہیں اور اسی طرح قوم کے امراء نے بھی دینی کاموں میں حصہ لینا چھوڑ دیا ہے۔ حتیٰ کہ بجائے غرباء کی امداد کرنے کے اُن پر ظلم و تشدد کرتے ہیں۔ میں نے کہا، آپ اپنے گروہ علماء کا بھی ذکر کریں۔ بعض سامعین مسکرائے اور مولوی صاحب نے بھی دبی زبان سے کہہ دیا کہ مولویوں کی تو ایسی بُری حالت ہوگئی ہے۔ کہ اُن کے متعلق مشہور فقرہ ہے کہ مولوی جو کہیں وہ کرو اور جو کریں وہ نہ کرو۔ میں نے کہا مولوی صاحب اور اے سامعین دوستو! خدا کے لئے سوچو کہ جب علماء جو دین کے لئے بمنزلہ دماغ کے تھے اور صوفی جو بمنزلہ دل کے تھے اور امراء جو بمنزلہ جگر کے تھے۔ یہ تینوں ہی بگڑ گئے اور بیمار ہو گئے۔ اور دین اسلام کی پیروی کرنی کرانی چھوڑ دی تو کیا اب بھی امام مہدی اور مسیح موعود کے آنے کا وقت نہیں آیا؟ اس کی مثال تو یوں سمجھو کہ ایک شخص ہے جس کا دل، جگر اور دماغ تینوں اعضاء رئیسہ خراب ہو چکے ہیں اور اُس کا بیٹا باپ کے

سرہانے بیٹھا رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہائے میرا باپ مرنے کے قریب ہے میں کیا کروں۔ایک شخص اُسے کہتا ہے کہ جس بڑے ڈاکٹر نے ایسی بیماریوں کے علاج کے لئے آنا تھا وہ آ گیا ہے۔اُس کے پاس جا کر اپنے باپ کا علاج کرا۔اس پر بیٹا کہتا ہے کہ ابھی اس کے آنے کا وقت نہیں آیا ہے۔اور وہ اس ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتا۔اس کے بعد میں نے کہا کہ آپ لوگ کم از کم ہماری تعلیم اور عمل کی طرف تو دیکھیں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آئمہ دین کے مسلک کے مطابق ہے یا نہیں۔اس پر اُن مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کی جماعت میں داخل ہو کر آدمی برادری کی شادی غمی میں ایک دوسرے سے تعاون نہیں کر سکتا۔نہ کسی شادی میں تنبول وغیرہ سے مالی مدد کر سکتا ہے اور نہ کسی کی غمی میں مُردے کے لئے صدقہ خیرات کر سکتا ہے۔میں نے کہا شادی اور غمی کی تمام رسوم کو ہم ناجائز نہیں کہتے بلکہ افراط و تفریط سے بچاتے اور ان رسومات سے جن میں کفر و شرک پایا جاتا ہے روکتے ہیں۔چنانچہ اس بارہ میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ ذیل تقریر سُنا دی جو ایک سائل کے جواب میں حضور نے فرمائی تھی اور جو بدر ۱۷۔جنوری ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

”قاضی اکمل صاحب نے عرض کیا کہ دیہات میں دستور ہے کہ شادی غمی کے موقع پر ایک قسم کا خرچ کرتے ہیں۔مثلاً جب کوئی چودھری مر جائے تو تمام مسجدوں۔دائروں و دیگر کمیوں کو بحصہ رسدی کچھ دیتے ہیں۔اس کی نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے؟

فرمایا: طعام جو کھلایا جائے اُس کا مردہ کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔گو ایسا مفید نہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں خود کر جاتا۔

عرض کیا گیا: حضور وہ خرچ وغیرہ کمیوں میں بطور حق الخدمت تقسیم ہوتا ہے۔

فرمایا: تو پھر کچھ حرج نہیں۔یہ ایک علیحدہ بات ہے کسی کی خدمت کا حق تو دے دینا چاہیئے۔

عرض کیا گیا: اس میں فخر و ریا تو ضرور ہوتا ہے۔یعنی دینے والے کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ مجھے کوئی بڑا آدمی کہے۔

فرمایا: بہ نیت ایصال ثواب تو پہلے ہی وہ خرچ نہیں حق الخدمت ہے۔بعض ریا شرعاً بھی جائز ہیں۔مثلاً چندہ وغیرہ۔نماز جماعت ادا کرنے کا جو حکم ہے۔تو اسی لئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو۔غرض اظہار و اخفاء کے لئے موقع ہے۔اصل بات یہ ہے کہ شریعت سب رسوم کو منع نہیں کرتی۔اگر ایسا ہوتا تو پھر ریل پر چڑھنا۔تار ڈاک کے ذریعہ خبر منگوانا سب بدعت ہو جاتے۔

قاضی اکمل صاحب نے عرض کیا کہ تنبول کی نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے۔

فرمایا: اس کا جواب بھی وہی ہے۔ اپنے بھائی کی ایک طرح کی امداد ہے۔

عرض کیا گیا: جو لوگ تنبول دیتے ہیں وہ تو اس نیت سے دیتے ہیں کہ ہمیں پانچ کے چھ ملیں۔ اور پھر اسی روپیہ کو کنجروں پر خرچ کرتے ہیں۔

فرمایا: ہمارا جواب تو اصل رسم کی نسبت ہے کہ نفس رسم پر کوئی اعتراض نہیں۔ باقی رہی نیت سو آپ ہر ایک کی نیت سے کیونکر آگاہ ہو سکتے ہیں۔ یہ تو کمینہ لوگوں کی باتیں ہیں کہ زیادہ لینے کے ارادے سے دیں یا چھوٹی چھوٹی باتوں کا حساب کریں۔ ایسے شریف آدمی بھی ہیں جو محض بہ تعمیل حکم تعاون و تعلقات محبت تنبول دیتے ہیں۔ اور بعض تو واپس لینا بھی نہیں چاہتے۔ بلکہ کسی غریب کی امداد کرتے ہیں۔ غرض سب کا جواب ہے: **انما الاعمال بالنیات۔**

۳۔ تہ بند کا ٹخنہ سے نیچے ہونا

ایک دفعہ ضلع گورداسپور کا تبلیغی دورہ کرتے ہوئے میں وڈالہ بانگر پہنچا۔ صبح کی نماز پڑھا کر بیٹھا ہوا تھا کہ مولوی عبدالحق صاحب جو مخلص احمدی تھے آ کر نماز پڑھنے لگے۔ ایک اہلِ حدیث مولوی صاحب نے کہا، کہ مولوی صاحب میں نے کئی دفعہ آپ کو بتلایا ہے کہ نماز میں ٹخنے ننگے رکھا کرو۔ مولوی صاحب نے جلدی سے پاجامہ اُوپر کر لیا اور نماز میں مشغول رہے۔ جب نماز پڑھ چکے تو میں نے مولوی عبدالحق صاحب سے کہا کہ ان مولوی صاحب نے آپکو کیا کہا ہے۔ اس پر وہی اہلِ حدیث مولوی صاحب کہنے لگے کہ اِن کا پاجامہ ہمیشہ ٹخنوں سے نیچے ہی ہوتا ہے۔ میں نے کہا، پھر کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ آپ کو مولوی ہو کر یہ بھی معلوم نہیں کہ صحیح بخاری میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ میں نے کہا اگر بخاری میں ہے تو لا کر مجھے دکھاؤ۔ مولوی عبدالحق صاحب نے مجھ سے کہا کہ بخاری شریف میں یہ حدیث ہے، بخاری لانے کی ضرورت نہیں۔ آخر جب میں نے کتاب لانے پر زور دیا تو جا کر لے آئے۔ اور اس میں سے یہ حدیث نکلی کہ جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا تہ بند نیچے لٹکائے تو وہ دوزخ میں جائیگا۔ اہلِ حدیث مولوی صاحب سے میں نے کہا یہاں تو تکبر کی شرط ہے۔ جس طرح قرآن شریف میں ریا کار نمازیوں کے لئے ویل ہے۔ تو جس طرح وہاں ریا کی نماز نہیں پڑھنی چاہئیے اسی طرح تکبر کی نیت سے تہ بند نہیں لٹکانا چاہئیے۔ اس پر مولوی عبدالحق صاحب سمجھ گئے اور کہا کہ میری نیت تکبر کی تو نہیں۔ میں نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ ساری حدیث سنا دیں۔ چنانچہ انہوں

نے پوری حدیث پڑھکر سُنائی جو یہ ہے:

حدیث:عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قل من جرّتوبہ ُ خیلاءَ لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامہ فقال ابو بکر صدیق یا رسول اللہ ان احد شقی ازادی یسترخی اَلّاان اَتَعاھد ذالک منہ فقال النبی صلی اللہ علیہ و سلم لست من یصنعہ خیلاءَ۔

ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ میرا تہ بند تو ہمیشہ ہی لٹکتا ڈھلکتا رہتا ہے۔آپ نے فرمایا تُو اُن لوگوں میں سے نہیں ہے۔

۴۔ فرضوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا

۱۹۱۷ءیا ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ میں امرتسر میں تھا۔ایک اہلِ حدیث مولوی صاحب سے میں نے کہا کہ جب مولوی ثناءاللہ صاحب نے اپنے اخبار اہلِ حدیث میں لکھا ہے کہ فرضوں کے بعد آج کل جو ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا رواج ہے وہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی نہ خلفاء راشدین نے اور نہ چاروں اماموں نے۔ بلکہ یہ بعد میں رائج ہوئی ہے۔تو آپ لوگ حنفیوں کو تو بدعتی کہتے ہیں مگر آپ اہلِ حدیث ہو کر اس بدعت پر کیوں عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا وہ مضمون میں نے پڑھا ہے۔واقعی فرضوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے۔مگر اس چھوٹی سی بات پر خواہ مخواہ ہم لوگوں سے اختلاف کر کے دشمنی کیوں مول لیں۔

۵۔ بٹہ کا نکاح نکاح شغار نہیں

۱۹۴۹ءیا ۱۹۵۰ء کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ میں نے ایک مضمون میں پڑھا ہے، جس میں جماعت احمدیہ کی تربیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کو روکا گیا ہے کہ وہ نکاح شغار نہ کیا کریں۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے مجھے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت نکاح شغار کا رواج جاہلیت کے زمانہ میں تھا۔اس کے بعد کسی فرقہ اسلامیہ نے بھی سوائے جماعت احمدیہ کے اس کو جائز نہیں رکھا۔

میں نے کہا وہ مضمون میں نے پڑھا ہے۔لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے۔وہ یہ ہے کہ بٹے کا نکاح جو

آج کل مسلمانوں میں رائج ہے، وہ بعض احمدیوں میں بھی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے، کہ ایک کے لڑکے اور لڑکی کا نکاح دوسرے کی لڑکی اور لڑکے کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ جو نکاح شغار کی طرح نظر آتا ہے، لیکن وہ شغار نہیں۔ کیونکہ شغار میں حق مہر بالکل نہیں ہوتا۔ لڑکی کے بدلے لڑکی دے دی جاتی تھی۔ اور ہمارے ملک میں حق مہر اس کے علاوہ باندھتے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جس نکاح میں حق مہر باندھا جائے وہ نکاح شغار نہیں رہتا۔ اور نہ وہ حرام ہے۔ ہاں معیوب ہے۔ چنانچہ ہمارے حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود نے اپنی خلافت کے ایک سالانہ جلسہ پر منشی عبد اللہ صاحب سنوری مرحوم و مغفور کے کہنے پر صوفی عبد القدیر صاحب کے نکاح کا اعلان درد صاحب کی ہمشیرہ کے ساتھ اور درد صاحب کے نکاح کا اعلان صوفی عبد القدیر صاحب کی ہمشیرہ کے ساتھ بمعہ مہر مقررہ کے فرمایا۔ اور بعد میں یہ بھی فرمایا تھا کہ میں بٹہ کے نکاح کو معیوب سمجھتا ہوں لیکن یہ نکاح بٹے کا نہیں۔

۶۔ اخلاقِ محمدی کا اظہار

جس سال مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی سندھ کی زمینوں پر تشریف لے جاتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم ہم سے پہلے جا کر ایک شہر میں سندھی احباب کو جمع کرنے کا انتظام کرو تا کہ میں اُن کو دیکھوں اور اُن میں تقریر کروں۔ چنانچہ میں قادیان ہی میں حضرت میاں بشیر احمد صاحب قمر الانبیاء سے تاریخ اجتماع مقرر کر کے سندھ چلا گیا اور سندھیوں میں دورہ کر کے اُن کو بتادیا کہ فلاں تاریخ کی شام کو نواب شاہ پہنچ جاؤ۔ چنانچہ احباب تاریخ مقررہ کی رات کو ایک سو مرد اور پچیس عورتیں خاص سندھی آ گئے۔ صبح حضور نے فرمایا کہ ہم پنج مورہ کی زمین کا دورہ کر کے دس بجے تک واپس آتے ہیں اور آج دوپہر کے کھانے کا انتظام مولوی بقاپوری صاحب کے سپرد ہے۔ جب کھانا کھانے کا وقت قریب ہوا تو بعض احباب نے کہا کہ حضرت صاحب اور رفقائے قادیان کو کھانے کے لئے الگ بٹھائیں۔ اور دوسرے سندھی اور پنجابیوں کو الگ۔ میں نے کہا کہ کھانے کا انتظام حضور نے میرے سُپرد کیا ہے۔ اور یہاں سندھ میں یہ رواج ہے کہ پیر مریدوں کو بہت ہی حقیر جانتے ہیں۔ اس لئے میری رائے تو یہ ہے کہ حضور انور اپنے تمام خدام سندھی اور پنجابیوں کے ساتھ بیٹھکر کھانا تناول فرمائیں۔ تو اس خلقِ عظیم کا اثر انشاء اللہ بہت ہی اچھا ہوگا۔ اس پر بعض دوستوں نے کہا کہ اس بارہ میں حضور کی رائے مبارک لے لو۔ یہ باتیں حضور انور اپنے

کمرے میں سُن رہے تھے۔ حضور انور نے بلند آواز سے فرمایا میں مولوی بقاپوری کی رائے سے متفق ہوں۔ چنانچہ اُسی طرح کیا گیا۔ حضور انور نے اپنے سب خدام کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ جس کا اثر خصوصاً غیر احمدیوں پر بہت ہی اچھا ہوا۔ اور کہتے تھے کہ واقع میں محمدیؐ اخلاق اِن میں ہی پائے جاتے ہیں۔

۷۔ حَافِظُوْا علی الصلوات کی حکمت

ایک دفعہ قادیان کے حلقہ ریتی چھلہ میں ایک مولوی صاحب چند نوجوان انگریزی دانوں سے آیت حافظوا علی الصلوات و الصلوٰۃ الوسطیٰ کی ترتیب کے متعلق یہ حکمت بیان فرمار ہے تھے کہ اس آیت شریف کے آگے پیچھے میاں بیوی کے تعلقات کا ذکر ہے۔ درمیان میں نمازوں کا ذکر کرنے سے یہ بتلایا ہے جس طرح میں نے نمازوں کو دنیاوی امور کے درمیان ذکر کیا ہے اسی طرح تم بھی نمازوں کو دنیاوی افعال کے درمیان ضرور ادا کرلیا کرو۔

میں نے سُن کر مولوی صاحب سے عرض کیا کہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ چونکہ میاں بیوی کا جوڑا مجازی جوڑا ہے لہذا خاوند کو یہ سمجھانے کے لئے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کس طرح مالی، جانی، لسانی نرمی کا برتاؤ کرے۔ خدا اور بندے کا جو حقیقی جوڑا ہے اس کا ذکر کر کے سمجھا دیا کہ جس طرح انسان چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے پر رحم فرماتا رہے اور میری کمزوریوں پر چشم پوشی فرماتا رہے۔ اسی طرح کا برتاؤ خاوند اپنی بیوی سے کرے۔ دوسرے ادھر توجہ دلائی ہے کہ جس طرح میاں بیوی کے تعلق کے واسطے حق مہر ضروری ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے ساتھ بندے کا تعلق ہونے کے لئے نمازوں کا پڑھنا اور اُن پر حفاظت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ نماز بندے اور خدا تعالیٰ کے درمیان تعلق ہونے کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔

۸۔ شرک ناموں سے نہیں

۱۹۰۵ء میں جب کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گیا، تو میرے ایک ہم مکتب دوست مولوی نور احمد صاحب لکھو کے والا جو اہل حدیث تھا، میرے احمدی ہونے پر سخت برافروختہ ہوا۔ اور مجھے طعنے دیتے ہوئے اعتراض کیا کہ تو نے کیوں بیعت کی۔ توحید تو فرقہ اہل حدیث میں ہے۔

احمدیوں میں بعض مشرکانہ نام ان کے شرک پر دال ہیں۔ مثلاً پیراں دتہ۔ محمد بخش۔ غلام احمد۔ غلام رسول وغیرہ۔ میں نے جواب دیا کہ شرک ان ناموں سے نہیں بلکہ مشرک تو مشرکانہ اعتقاد اور شرکیہ اعمال سے ہوتا ہے۔ ناموں میں تو صرف تمیز اور توضیح مقصود ہوتی ہے۔ ہمارا اعتقاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانے کا نہیں ہے۔ نہ صفات میں نہ افعال میں۔ مگر آپ لوگ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خالقِ طیور اور زندہ مان کر اسے خدا تعالیٰ کی خالقیت اور حی و قیوم کی صفت میں شریک ٹھیراتے ہیں۔ ایسے مشرکانہ اعتقاد سے آپ صریح شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور غلام احمد اور غلام رسول ایسے ناموں پر اعتراض تو آپ کی خشک توحید کا نشان اور شقاوت قلبی کی علامت ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے آپ کے دل خالی ہیں۔ اس قسم کے ناموں میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ روحانیت اور آپ کے روحانی فیوض و برکات کا امت میں فیضان کا اظہار ہے۔ جو حضور کی غلامی کے طفیل یہ فیضان جاری ہے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ بھی ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

قل یعٰبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمته الله. ان الله یغفر الذنوب جمیعاً. (۳۹-۵۴)

اور پیراں دتہ نام کسی احمدی نے نہیں رکھا۔ بلکہ اس کے غیر احمدی والدین نے یہ نام رکھا ہوا تھا۔ مگر احمدیوں کے ہاں وہ عام طور پر پیرا مشہور تھا۔ ہاں کبھی صحیح تعارف کی خاطر اس کا اصلی نام بھی لے لیا جاتا۔ اس قسم کے اعتراض تو محض تعصب کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ معاویہ کے نام پر اپنے دل کا بغض نکالتے ہیں۔

۹۔ فلسفہ قربانی

ایک دفعہ ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ قربانی کی فلاسفی اور حکمت کیا ہے۔ میں نے کہا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ الہامیہ میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اصلی غرض جانور کی قربانی سے اپنے نفس کی قربانی کرنا ہے۔ اس طرح پر کہ انسان جب جانور کی قربانی کرنے لگے تو اپنے نفس کو یوں سمجھائے۔ کہ "اے نفس! جب تو نے چند روپے خرچ کر کے اس جانور کو خرید لیا ہے۔ تو تیرا یہ حق ہو گیا ہے کہ تو اس کے گلے پر چھری رکھ دے۔ اس طرح تجھے بھی چاہیئے کہ وہ ذات پاک جس نے تجھے جان، رزق اور دوسری نعمتیں دیں۔ اس کی راہ میں تجھے بھی اپنی جان، مال اور ہر طرح کی قربانی پیش کر دینی چاہیئے۔"

اس پر اسی دوست نے کہا کہ یہ سبق نفس کو تب ہی حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے ہاتھ سے جانور ذبح

کرے۔یا کم از کم اپنے سامنے ذبح کروائے۔میں نے اسی کی تائید کرتے ہوئے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی قربانی خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی میں نے ایک مرتبہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرتے دیکھا تھا۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی گزشتہ سال فرمایا تھا کہ گو قربانی کی قیمت کسی اور کو دے کر اپنی آنکھوں سے اوجھل بھی قربانی کروائی جاسکتی ہے۔لیکن بہتر یہی ہے کہ جس جگہ کسی کی رہائش ہو وہیں وہ قربانی کرے۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے تبلیغ کے متعلق بعض ضروری ہدایات

خاکسار کا ایک عریضہ حضرت اقدس کے حضور اور اس پر حضرت اقدس کی ہدایات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

حضرت سیدنا و امامنا دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جن جن باتوں کی میں نے پابندی کرنا ہوگی۔اور جس طریق سے جو جو کام میں نے کرنا ہے۔اُنکی بابت حضور والا مجھے ہدایات تحریر فرمادیں تا کہ موجب برکات ہوں۔اور خاکسار کے لیے دعا بھی فرمائی جائے۔

عرضی خاکسار محمد ابراہیم بقاپوری انصار اللہ یکم فروری ۱۹۱۵ء

السلام علیکم! آپ راولپنڈی چلے جائیں۔وہاں سید محمد اشرف صاحب نہایت مخلص اور جوشیلے احمدی ہیں اُن سے ملیں اور میرا یہ خط دکھا دیں کہ آپ کو کچھ مدت کے لیے راولپنڈی بھیجا ہے۔

وہاں کے کام بڑے بڑے یہ ہیں۔ درس قرآن کریم۔ اگر کوئی دوست کچھ پڑھنا چاہیں تو ان کو پڑھانا۔ غیر مبایعین کو سمجھانا۔ غیر احمدیوں کو احمدیت کی طرف دعوت۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت۔ نہایت اخلاص اور دعاؤں سے کام لیں۔ اور سید محمد اشرف صاحب اور مولوی علی احمد صاحب حقانی سے مشورہ کر لیا کریں۔ وقتاً فوقتاً ضروری امور کی نسبت مجھ سے یا دفتر سے کام ہو تو مولوی شیر علی صاحب سے پوچھ لیا کریں۔

خاکسار مرزا محمود احمد

مباحثہ کے سلسلہ میں ہدایات:۔

ایک مباحثہ کے سلسلہ میں ہدایات جو حضور نے اپنی قلم سے لکھ کر خاکسار کو دیں۔

(۱) حق کے متعلق فیصلہ تو خود لوگ اپنے دلوں میں کریں گے۔ فیصلہ سے مراد انتظام مباحثہ کے متعلق فیصلہ ہے۔ یعنی اگر خلاف شرائط کوئی کام ہو یا کوئی مباحث گالیاں دے تو اس کو روک دینا۔ بحث سے نکل جائے تو اس کو روک دینا۔ کہ یہ دونوں مل کر فیصلہ کریں گے۔ اگر اتفاق نہ ہو تو جس طرح ہوتا ہے اُسی طرح ہوتا رہے گا۔

(۲) بحث کرانے والے صاحب لکھ دیں اور اس پر دستخط کروا دیں۔ کہ اول حیات و وفات مسیح پر گفتگو ہو گی۔ پھر صداقت دعوئے مسیحیت پر۔ اور اگر ان کے مولوی وفات مسیح پر بحث نہ کریں تو ان کا فرار سمجھا جائے گا۔ وہ شخص اس بات کا ذمہ لے کہ ضرور وہ اس مسئلہ پر پہلے بحث کریں گے۔ یا لکھ دیں گے کہ قرآن کریم سے واقع میں وفات ہے۔ تب صداقت پر گفتگو ہو گی۔

(۳) سب شرائط کا آپ کی طرف سے لکھ دینا کافی نہیں بلکہ ان کی طرف سے بھی تحریر لینی چاہیے۔

(۴) بحث مرغ بازی کی طرح نہ ہو۔ بلکہ مدعی ایک تقریر کریگا۔ اس کا جواب مدمقابل دے گا۔ پھر مدعی جواب الجواب دے گا اور بحث ختم ہو جائیگی۔ تُو تُو مَیں مَیں میں ہمیشہ فساد ہوتا ہے۔

خاکسار مرزا محمود احمد

تبلیغ کے لیے حلقے:۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مبلغین سلسلہ کی تبلیغی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا:

تبلیغ کو باقاعدہ کرنے کے لیے اس سال میں نے تبلیغ کے حلقے مقرر کئے تھے۔ بیشک ہر جگہ اور ہر ضلع میں ہم فی الحال آدمی مقرر نہیں کر سکتے تھے۔ مگر پھر بھی جتنے آدمی اس کام کے لیے فارغ ہو سکتے تھے اور جن کو مقامی طور پر کام نہ تھا ان کو مقرر کیا گیا۔ یعنی دو مبلغ اس کام کے لیے مقرر کئے گئے۔ ایک مولوی غلام رسول صاحب راجیکی اور دوسرے مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری ۔۔۔۔۔۔اس کے متعلق میں نے دیکھا ہے کہ جن علاقوں میں یہ مبلغ مقرر کئے گئے ہیں ان میں بیداری پیدا ہو گئی ہے اور وہاں کے لوگ تبلیغ میں حصہ لینے لگ گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کئی لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں اور ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہو گئی ہے جو آئندہ سلسلہ میں داخل ہونے کی تیاری کر رہی ہے۔

بے نفس مبلغین کے لیے دُعا:۔

میں خدا تعالیٰ کی حمد اور شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسے بے نفس کام کرنے والے آدمی دئے ہیں۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کے اخلاص میں اور ترقی دے اور ایسے ہی آدمی دے۔ اس کے ساتھ ہی میں آپ لوگوں سے بھی چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے لیے دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ ان کو زیادہ کام کرنے کی توفیق دے۔ دیکھو گجرات یا گوجرانوالہ کے علاقہ میں جو مبلغ گیا اُسی کا یہ فرض نہ تھا کہ تبلیغ کرتا بلکہ ہمارا بھی یہ فرض تھا کہ ہم بھی تبلیغ کے لیے جاتے۔ اس لیے احسان فراموشی ہوگی اگر ہم ان مبلغین کی قدر نہ کریں اور ان کے لیے دعائیں نہ کریں کہ خدا تعالیٰ ان کی تبلیغ کے اعلیٰ ثمرات پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگ ہمیں کثرت سے دے اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے مخلص اور بے نفس انسان اس مقصد کے لیے پیدا ہوں۔ آمین۔

(نجات حصہ اول صفحہ ۳۔۴)

محنت جانفشانی اور خدا تعالیٰ کی رضا:۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۲۳ء میں جب مجھے سندھ میں امیر تبلیغ مقرر کر کے بھجوایا، تو فرمایا کہ:

''جو مبلغ صرف فرضی رپورٹوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔اور جن کا کام محض خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوتا ہے۔اور وہ محنت اور جانفشانی سے ٹھوس کام کرتے ہیں۔تو اس کے فضل سے ہمیشہ کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔''

الحمد لله! کہ حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بر وقت رہنمائی اور خاص توجہ اور دعاؤں کی وجہ سے مجھے کامیابی ہوئی۔

باب سوم

اجابتِ دعاؤں کے ایمان افزا واقعات
یعنی آسمانی بشارات بذریعہ رؤیاء وکشوف والہامات

اور دراصل یہی وہ حیاتِ جاودانی ہے جس میں ان رویاء وکشوف اور بعض الہامات اور استجابتِ دعا کے واقعات کا ذکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس

خاکسار بندہ کو بہ برکت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے غلام اور موجودہ زمانہ میں آپ کے نائب اور خلیفہٗ برحق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لینے کے بعد نوازا۔

اس میں تمام خداترس طالبانِ حق ومنصف مزاج محققین کے لیے ہدایت کا سامان ہے اور سوچنے والوں کے لیے سلسلۂ حقہ کی صداقت اور حقانیت معلوم کرنے کے لیے ایک آسان طریق ہے۔ وہ غور کریں کہ جب عام احمدیوں پر اللہ تعالیٰ کے اس قدر افضال وانعامات ہیں تو اس پاک وجود کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کس قدر قرب حاصل ہوگا جس کے ہم ادنےٰ غلام ہیں اور جس پاک وجود کے لیے پونے چودہ سو برس سے قرآنِ پاک اور فرامینِ نبوی واحادیثِ مصطفوی میں پیشگوئیاں اور سلام اور مژدے اور بشارتیں موجود ہیں۔

اللھم صل علی سیدنا و مولٰینا محمد و علیٰ عبدک المیسح الموعود و بارک و سلم. انک حمید مجید.

ا۔ شروع جنوری ۱۹۱۰ء میں چوہدری غلام حسین صاحب ساکن چک نمبر ۵۸ شمالی سرگودھا نے مجھے کہا کہ میری دونوں مربعہ زمین اس قدر خراب ہے کہ اس کی آمد سے سرکاری لگان بھی بڑی مشکل سے ادا ہوتا ہے۔ میں تین

چار سال سے مہتمم آبادی کے پاس مربعوں کی تبدیلی کے لیے کئی درخواستیں دے چکا ہوں لیکن تا حال کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ آپ میرے لیے دعا کریں۔ چونکہ چوہدری صاحب بہت مخلص اور سلسلہ کی مالی خدمت کرنے میں بہت مستعد تھے میں نے ان کے حق میں دعا کی۔ چنانچہ ۱۵۔ جنوری ۱۹۱۰ء کو مجھے ایک قطعہ زمین چک نمبر ۹ جنوبی کا دکھایا گیا جو لمبا زیادہ اور چوڑا کم تھا اور چک نمبر ۹۸ کی زمین سے ملحق تھا اور تفہیم یہ ہوئی کہ یہ قطعہ چوہدری غلام حسین صاحب کو دیا جائے گا جو بہت ہی زرخیز اور عمدہ زمین پر مشتمل ہے۔ اسی وقت میں نے چوہدری صاحب موصوف کو اس سے آگاہ کیا اور کہا کہ آپ کوشش جاری رکھیں انشاء اللہ تعالیٰ عمدہ زمین آپ کو مل جائے تو بہت خوش قسمتی ہے۔ چنانچہ دو سال چھ ماہ بعد جون ۱۹۱۲ء میں اسی زمین کے ساتھ ان کے مربعہ جات کا تبادلہ ہو گیا جو خواب میں دکھائی گئی تھی اور اب تک ان کے پاس ہے۔ الحمدللہ۔

۲۔ جن دنوں حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ کی نواسی عزیزہ رقیہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ میٹرک پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں ٹائیفائڈ سے بیمار ہو گئی تو ایک روز حضرت مولوی صاحب موصوف میرے پاس آئے کہ میں نے اس کے لیے بہت دعائیں کی ہیں اور بعض دوسرے بزرگوں سے بھی کروائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ صحت و شفا بخشے۔ آج رات مجھے الہام ہوا ہے کہ مولوی بقاپوری صاحب سے اس کے لیے دعا کراؤ۔ لہٰذا آپ میرے ساتھ چلیں اور اس کی صحت کے لیے دعا کریں۔ چنانچہ میں اُنکے ساتھ گیا اور رقیہ بیگم کی شفایابی کیلئے ایک لمبی دعا کی۔ مجھے اُسی وقت الہام ہوا کہ مولوی شیر علی صاحب ایک سیاہ مرغی ذبح کریں۔ میں نے دُعا سے فارغ ہو کر یہ خوشخبری ان کو سُنا دی۔ وہ فرمانے لگے میں سیاہ مرغی لے آتا ہوں آپ ذبح کر دیں۔ میں نے کہا نہیں بلکہ آپ اپنے ہاتھ سے حسب الہام ذبح کریں۔ چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا اور مولوی صاحب کی نواسی صحت یاب ہو گئی اور بعد میں اس نے بی۔اے۔، بی۔ٹی۔ تک تعلیم حاصل کی اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی مشیت سے میری بہو بھی بن گئی۔ **الحمدللہ رب العالمین۔**

۳۔ ۱۹۳۰ء میں جبکہ میری اہلیہ تپ محرقہ سے تین ماہ بیمار رہی اور ٹائیفائڈ کا ایک دورہ ختم ہو کر ۲۷۔۲۸ دن بعد دوسرا دورہ شروع ہو جاتا تھا۔ تو لیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ نے مشورہ دیا کہ اگر مریضہ کی زندگی مطلوب ہے تو

حمل اسقاط کروا دیا جائے (کیونکہ وہ ان دنوں حمل سے تھی) اور صبح بٹالہ سے لیڈی ڈاکٹر منگوالی جائے۔ میں نے سن کر کہا کہ مجھے استخارہ کر لینے دو۔ چنانچہ رات دعا کرنے سے الہام ہوا:

فَجَعَلنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ

صبح اُٹھ کر میں نے اپریشن کرانے سے انکار کر دیا۔ کہ انشاء اللہ میری بیوی بھی بچ رہے گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچہ بھی ضائع نہ ہوگا۔ کیونکہ الہام الٰہی میں اس حمل کے متعلق فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ کا ارشاد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری بیوی بھی صحت یاب ہوگئی اور میرا لڑکا (مبارک احمد) بھی صحیح سالم پیدا ہوگیا۔

اسی مرض تپ محرقہ سے رہائی حاصل کرنے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خاص دعائیں اور مشفقانہ توجہ بھی ہمارے شاملِ حال تھیں۔ جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جن دنوں میری بیوی بیمار تھی۔ اُن دنوں قاضی ڈاکٹر محبوب عالم صاحب امرتسری مرحوم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی جگہ کام کرتے تھے۔ انہوں نے سندھ میں مجھے میری اہلیہ کی بیماری کے متعلق تار دیا جس پر چھٹے دن میں قادیان پہنچ گیا اور آتے ہی حضور کی خدمت میں دعا کے لیے تار دی کہ کیس خطرناک ہے اہلیہ حمل سے ہے اور بیماری ٹائیفائڈ کی ہے۔ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے جواب آیا کہ حضور نے فرمایا۔ میں نے آپ کو کہا بھی تھا کہ آپ کے مکان میں تپ محرقہ کے جراثیم ہیں، آپ نے توجہ نہ کی۔ میں نے گھبرا کر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو خط لکھا کہ حضرت اقدس اس وقت میری کوتاہیوں کے ازالہ کا خیال نہ کریں بلکہ اہلیہ کی صحت کے لیے دعا فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا خط حضور کی خدمت میں پیش کر دیا تو حضور نے فرمایا کہ مولوی صاحب بہت گھبرائے ہوئے ہیں، آپ سب دوست (جو آپ کے رفیقِ سفر تھے) وضو کریں اور ان کی بیوی کے لیے دعا کریں۔ چنانچہ آپ نے تمام دوستوں کے ساتھ دعا کی اور فرمایا کہ لکھ دیا جائے کہ میں نے ان کی بیوی کے لیے دعا کی ہے اور وہ بچ جائیں گی انشاء اللہ۔ دوسرا خط حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کو لکھوایا کہ وہ روزانہ مولوی صاحب کے گھر جا کر ان کی اہلیہ کے بخار کے درجہ حرارت وغیرہ کے حالات دیکھ کر لکھا کریں۔ چنانچہ شفایابی تک اس پر عمل ہوتا رہا۔

۴۔ میری اہلیہ پر بیماری کے ایام میں ایسا وقت بھی آیا کہ میں بظاہر اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رکھتا تھا۔ میں نے ڈاکٹر محبوب عالم صاحب کو کہا کہ میری بیوی کے بچنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔ اس لیے جب آپ دیکھیں کہ اب

انتہائی حالت پیدا ہوگئی ہے تو آپ مجھے کہہ دیں۔ انہوں نے کہا یہ ہمارے ڈاکٹری اصول کے خلاف ہے۔ میں نے کہا آپ صرف ڈاکٹر ہی نہیں بلکہ میرے بھائی بھی ہیں، دین دار بھی ہیں اور ہمدرد بھی۔ اگر یہ فوت ہوگئی تو آپ کا قیافہ درست ثابت ہوگا اور اگر بچ گئی تو میں سمجھوں گا کہ آپ کے اجتہاد میں غلطی ہوگئی کیونکہ علم طب بھی ایک ظنی علم ہے یقینی تو نہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے، کہ اب جب میں دعا کرتا ہوں تو آپ کا وجود امید ہو کر روک بن جاتا ہے اور اس وجہ سے اضطراب پیدا نہیں ہوتا جو افمن یجیب المضطر کے مطابق دُعا کے لیے ضروری چیز ہے۔ لیکن اگر آپ جواب دیدیں گے تو مجھے اضطراب ہوگا اور دعائے خاص کی توفیق مل جائیگی۔ چنانچہ ڈاکٹر محبوب عالم صاحب دو تین دن بعد مغرب کے وقت میرے پاس ایک اور ڈاکٹر کے ساتھ آئے۔ میری بیوی کو دیکھا اور مجھے کہا آپ کی اہلیہ آج کی رات مشکل ہے جو زندہ رہے۔ میں نے کہا جزاکم اللہ آپ نے اچھا کیا مجھے اطلاع دے دی۔ ان کو رخصت کرنے کے بعد میں نے وضو کیا اور بیوی کو دیکھا کہ اس کی نبضیں چھوٹ رہی ہیں اور آنکھوں میں کھچاوٹ بھی ہے پس میں نے سجدہ میں دعا کرنی شروع کر دی اور دعا میں مجھ پر رقت طاری ہوئی اور ساتھ ہی ربودگی کی حالت بھی مجھ پر وارد ہوگئی اور میں نے یوں سمجھا کہ گویا میں اب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں چلا گیا ہوں اور دعا کرتے ہوئے میری زبان پر یہ شعر تھا:

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

اور دعا کرتے کرتے مجھ پر سخت اضطرار کی حالت طاری تھی۔ میں نے عرض کیا حضور پہلے میری لڑکی فوت ہوگئی اب میرا یہ گھر تباہ ہو رہا ہے۔ اس پر دائیں جانب سے آواز آئی:

ہم تو اچھا کر رہے ہیں

جس پر میرے دل کو تسکین ہوگئی اور میں نے آنسو پونچھے اور بیوی کے پاس آیا اور نبض پر ہاتھ رکھا تو دیکھا کہ وہ واپس آکر دھیمی دھیمی چل رہی ہے۔ اور مجھے یقین ہوگیا کہ اب خداوند رحمٰن و کریم نے مجھ پر خاص فضل فرمایا ہے۔ میں دو منٹ کھڑا رہا کہ اس نے کروٹ بدلی اور میں نے کان اس کے منہ سے لگایا تو اُس نے پانی کے الفاظ کہے میں نے چمچہ سے اس کے منہ میں پانی ڈالا تو اس نے پی لیا اور پانچ منٹ کے اندر اندر میری بیوی اس قابل ہوگئی کہ میں نے

اُسے یہ خوشخبری بھی سنادی۔ جب صبح ڈاکٹر صاحب آئے تو میری بیوی اُٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ **الحمد لله الشافی والکافی والمعافی.**

۵۔ سندھ کا ذکر ہے کہ اسٹیشن لاکھ کے قریب پندرہ بیس کوس ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے ہیں اور لوگ بھیڑ بکری چرا کر گذارہ کرتے ہیں۔ مولوی محمد مبارک صاحب سندھی مبلغ نے ایک دفعہ مجھے کہا کہ وہاں پر میرا ایک شاگرد رہتا ہے اس نے مجھے کہا ہوا ہے کہ آپ یہاں پر حضرت خلیفہ قادیانی کے نمائندہ بقاپوری صاحب کو بھی لائیں تا کہ اُن سے ہم احمدیت کی صداقت کے دلائل سنیں۔ چنانچہ ہم لاکھ گوٹھ نامی گاؤں سے دس بارہ میل کا فاصلہ طے کر کے عصر کے وقت وہاں پہنچے۔ شام کو اس آدمی نے اپنی بکریاں اور بھیڑیں ایک جگہ جمع کیں اور خود اپنے نوکروں اور تینوں بیویوں اور تمام کنبہ کو اکٹھا کر کے کھانا کھانے کے بعد ہماری باتیں سننے کے لیے آ گیا۔ چاندنی رات تھی۔ میں نے عجیب جذبہ عشق ومحبت کے ماتحت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی روحانی برکات کا ذکر کرنا شروع کیا۔ ابھی آدھا گھنٹہ گذرا ہوگا کہ مکان کے اندر سے اس کا کتا نکلا اور وہ ایک دوسرے جانور (جسے وہ شخص اپنا ہی کتا سمجھتا تھا) کے پیچھے بھاگا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ تو بھیڑیا تھا۔ اس پر وہ خود بھی اُٹھ کر گیا کہ کہیں کوئی بھیڑ یا بکری اُٹھا کر لے گیا ہو۔ جب وہ تھوڑے عرصہ بعد واپس آیا تو میں نے دوبارہ سلسلہ تقریر شروع کیا تو وہ کہنے لگا۔ اب مجھے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، آپ سچے، آپ کا امام سچا اور حضرت مسیح موعود سچے۔ ہم نے ساری عمر میں ایسا واقعہ دیکھا ہی نہیں۔ کیونکہ جب آپ نے تقریر شروع کی تھی مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھیڑیا اُسی وقت بکریوں کی طرف حملہ کے لیے آیا تھا لیکن یہ رک گیا۔ میں سمجھا یہ ہمارا اپنا کتا ہے جو باہر کھڑا ہے لیکن جب اندر سے ہمارا کتا نکل کر اسے دیکھ کر بھونکا ہے اور یہ بھاگا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو بھیڑیا ہے۔ اس اثناء میں نہ تو اسے بھیڑ بکریوں پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی نہ بکریاں ہی خوفزدہ ہوئیں۔ یہ سب کرامت آپ کی برکت، آپ کے پیر کی برکت سے ظاہر ہوئی۔ اور اس نے اور اس کی بیوی بچوں نے بیعت کر لی۔

۶۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے ۱۹۱۱ء کے دوران میں ایک غیر احمدی کسی عورت کو اغوا کر کے چک نمبر ۹۹ میں لے آیا۔ جب پولیس کے سپاہی نے اُسے موقعہ پر آ پکڑا تو سپاہی اس مغویہ

عورت کونمبردار کی بیٹھک میں لے آیا۔ غیر احمدیوں نے اتفاق کر کے عورت سپاہی سے چھڑوا کر اغوا کرنے والے کو دے دی اور اُسے دوسری جگہ بھیج دیا۔ جب مقدمہ چلا تو اس میں غیر احمدیوں کے ساتھ ہمارے چار احمدی آبادکار بھی ناحق ملزم بنالیے گئے۔ جن میں چوہدری غلام محمد صاحب صحابی اور میاں خان صاحب اور محمد خان صاحب صحابی بھی تھے۔ اس میں پانچ غیر احمدیوں کی سازش تھی اور مجسٹریٹ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ان لوگوں نے عورت کو زبردستی سپاہی سے چھڑا لیا ہے اس لیے مجسٹریٹ سب کو سات سات سال سزا دینے پر تُل گیا اور اس طرح گیہوں کے ساتھ گھن پس جانے کا خطرہ تھا۔ تھانیدار حاکم خان بھی احمدیوں کا سخت متعصب دشمن تھا۔ اس نے پرچہ میں احمدیوں کے خلاف جھوٹ موٹ بہت مواد جمع کیا اور مجسٹریٹ بھی اس کے جمع کردہ بیانات کے مطابق سب کو سزا دینے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔ غیر احمدیوں کے وکیل نے ان پانچ آدمیوں کو یہ کہا کہ تم عدالت میں کہہ دینا کہ تھانیدار نے سب جھوٹا کیس بنایا ہے وہاں پر اغواء کا کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔ غیر احمدی کہنے لگے کہ ہم تو آپ کی بات مان کر ایسا (جھوٹا) بیان دے دیں گے مگر دوسرے چار احمدی یہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ہاں اگر ان کا مولوی ان کو کہے تو شائد مان جائیں۔ وکیل نے کہا کہ مولوی صاحب کو میرے پاس بھجوانا میں اُسے سمجھاؤں گا۔ چنانچہ میں اس کے بلانے پر وکیل کے پاس گیا۔ اس نے بڑی لمبی تقریر کی کہ جان بچانا فرض ہے۔ میں اس کی باتیں سنتا رہا۔ بالآخر میں نے کہا کہ میں اپنے لوگوں کو ہر روز قرآن کریم سناتا ہوں اور سچ کی تلقین کرتا ہوں اور یہ کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت پڑتی ہے۔ اب ان کو خود ہی جھوٹ بولنے کو کیسے کہوں؟ اگر میں ان کو جان بچانا فرض ہے، کہہ کر جھوٹا بیان دینے کے لیے کہوں بھی، تو آگے سے یہ جواب نہ دیں گے کہ جان بچانا فرض ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنے ایمان بچانے کا حکم دیا ہے؟ اور یہ کہ اس کو بچانے کے لیے عزت، جان، مال سب کچھ قربان کر دینا چاہیے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور یہی طرزِ عمل ہے۔ کہنے لگا سب لوگ یونہی کہتے ہیں وقت آنے پر اور مصیبت پڑنے پر سب جھوٹ بول لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہم تو ایسے نہیں ہیں۔ اس پر وکیل نے کہا کہ پھر یہ سب جیل میں ضرور جائیں گے۔ میں نے کہا کہ آپ تو جیل سے ڈرا رہے ہیں، میں کہتا ہوں کہ بے ایمانی کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ وہ اس سے بہت متاثر ہوا۔

ہم واپس چلے آئے اور خود بھی زور شور سے دعائیں کرتے رہے اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت مبارک میں بھی دعا کے لیے لکھتے رہے۔ اور جب دیکھا کہ حاکم سب کو جیل میں ڈالنے پر بالکل تل گیا ہے تو اور تضرع سے دعائیں کی گئیں۔ ایک رات ۳۔ مارچ ۱۹۱۲ء میں دعا کرتے ہوئے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم ان کے لیے دعا کرو۔ میری آنکھ کھلی تو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی رہائی کی کوئی سبیل نکالیگا۔ نیز ۴۔ مارچ ۱۹۱۲ء کو دیکھا کہ ابوجہل مارا گیا ہے اور سانپ اڑتا ہوا آیا ہے اور ہمارے آدمیوں میاں خان وغیرہ پر حملہ کرتا ہے۔ ایک شخص اس کی دُم پکڑ کر ہر بار ہٹاتا ہے اُن تک آنے نہیں دیتا۔ نیز دیکھا کہ میاں خان ایک سایہ دار شیشم کے درخت کو اس غرض سے اکھاڑ رہا ہے کہ اس کا سایہ خوب ہو اور اس کی جڑیں نمودار ہو گئیں اور وہ گرنے کو تیار ہے مگر گرا نہیں۔ میں نے ان خوابوں کے بعد سب کو تسلی دی۔ ان سب کو اعتبار تھا کہ ان کی خواب سچی ہوتی ہے۔ غرض آٹھ دس دن بعد آخری تاریخ تھی مجسٹریٹ نے سپاہیوں کو بلا بھیجا۔ کہ نو سپاہی ہتھکڑیاں لے کر آجائیں اور کہا اب ان کو نو چکیاں (جیل میں) دی جائیں گی اور کل فیصلہ سناؤں گا۔ ہمارے آدمیوں نے کہا کہ یہ اب ہم کو جیل میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کر چکا ہے۔ آپ بعد میں اپیل ضرور کریں اس طرح آپ کی خواب پوری ہو جانے کی امید ہے۔ آپ جانتے ہیں ہم بے گناہ ہیں۔

یہ سب وہیں رہے اور میں واپس آکر رو رو کر دعائیں کرتا رہا۔ صبح جب حکم سُننے کے لیے میں سرگودھا گیا تو دیکھا عدالت میں غیر احمدیوں کا ایک گواہ غیر احمدیوں کے خلاف اور احمدیوں کے حق میں شہادت دے رہا ہے اور حاکم بھی کچھ نرم (ڈھیلا) پڑا ہوا ہے اور اس کا بھی منشاء معلوم ہوتا ہے کہ احمدی چھوٹ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ شکر ادا کیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ مجسٹریٹ کا لڑکا جو خود بھی ایک مجسٹریٹ ہے گاڑی میں ادھر آ رہا تھا کہ ریل میں اس کا کوئی دوست اُسے ملا اور اُسے کہا کہ آج کل تیرے باپ کے پاس چند شریف آدمیوں کا مقدمہ ہے وہ بے گناہ ہیں ان کو ناحق سزا ہو گی۔ تم اپنے باپ کو اصل حقیقت بتلا دو۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ کو آکر اطلاع دی اور اس طرح احمدیوں کے بے گناہ ہونے کا علم ہونے پر اس نے ناظر کو کہا کہ مثل بدل دو۔ غرض مثل بدل دی گئی اور خواب پوری ہو گئی اور سب آدمی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بری ہو گئے۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذالِک.**

۷۔ جن دنوں مرزا مظفر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ڈپٹی کمشنر کا امتحان دینے کے لیے ولایت جانے والے تھے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خط لکھا کہ ان کی کامیابی کے لیے دعا کروں اور اگر کوئی انکشاف ہو تو اس سے بھی اطلاع دوں۔ میں نے ان دنوں (اپریل ۱۹۳۷ء) میں دو تین روز دعا کی تو دیکھا کہ مرزا ظفر احمد صاحب کے ہاتھ میں ایک بیٹ (Bat) ہے اور حاکمانہ وردی میں ملبوس ہیں اور بیٹ کو ایک چارپائی پر رکھ دیا اور

ساتھ ہی دکھایا گیا کہ ایک ڈپٹی کمشنر لائل پور کے اسٹیشن کے قریب کے راجباہ پر کھڑا ہے۔ میں نے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں صاف طور پر لکھ دیا کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور لائل پور کے ضلع میں مربعوں کا کام بھی ان کے سپرد ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ فالحمدللہ۔

۸۔ اسی طرح جب صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ امتحان کے لئے ولایت گئے تو انہوں نے جاتے وقت کہا کہ کامیابی کے لیے دعا کریں اور نتیجہ سے اطلاع بھی دیں۔ دعا کے بعد ۸۔ ستمبر ۱۹۳۷ء کو دیکھا کہ میرے سامنے دو آدمی آئے اور دونوں نے مجھے ایک تختی دکھائی جس پر لکھا ہوا تھا 'میاں ناصر احمد صاحب پاس' اور ان میں سے ایک کہتا ہے پاس کا سین ٹیڑھا ہے۔ دوسرا کہتا ہے سین ٹیڑھا ہوتا ہی ہے کچھ نہ کچھ۔ میں نے جواب اور اس کی تعبیر لکھ کر صاحبزادہ صاحب کو بھیجی کہ آپ کامیاب تو ضرور ہوں گے لیکن ٹیڑھا پن کا بعد میں پتہ لگے گا۔ جب پاس ہو گئے تو معلوم ہوا کہ اس میں ٹیڑھا پن یہ تھا کہ جتنے نمبر ملنے کی اُمید تھی اس سے کم ملے ہیں۔

۹۔ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء سے ایک دو روز قبل مجھے زیرِ ناف درد ہوا۔ تیسرے دن میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور صبح درد زیادہ ہو گیا۔ میں نے حضرت صاحب کے وجود سے نیک فال لیتے ہوئے علاج شروع کیا۔ پانچویں دن درد گردہ سمجھا گیا جو خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ رات کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی اور اس سے اگلی رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے یہ خواب اپنے دوستوں اور گھر کے آدمیوں کو سُنا کر کہا کہ گو حالت بہت خطرناک ہو جائے گی کیونکہ جہان کا سب سے بڑا ڈاکٹر آیا ہے مگر انجام بخیر ہوگا۔ چنانچہ دس دن نور ہسپتال میں صرف کھولتا ہوا پانی ملتا رہا اور دو تین بار انیما بھی کرایا گیا مگر درد بڑھتا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ حکم بھیجا کہ صبح فوراً میو ہسپتال میں جا کر ایکسرے کرا کر علاج کرایا جائے۔ چنانچہ میو ہسپتال میں مایوس العلاج سمجھ کر پہنچایا گیا۔ چھ دفعہ ایکسرے کرایا۔ بائیں گردہ میں چھوٹی چھوٹی پتھریاں تشخیص ہوئیں اور دوا سے تحلیل ہو کر نکلیں۔ اور ۲۸۔ ستمبر ۱۹۳۷ء کو سٹیشن سے پیدل چل کر میں گھر پہنچ گیا۔ فالحمدللہ

۱۰۔ ۱۶۔جنوری ۱۹۳۸ء بعد نماز تہجد دیکھا میرے دونوں لڑکے محمد اسمٰعیل و محمد اسحاق سلمہما اللہ تعالیٰ ٹائیفائڈ سے بیمار ہیں۔ میں محمد اسحاق کی نبض دیکھتا ہوں۔ رو کر کہتا ہوں یہ مرنے لگا ہے۔ دونوں دُبلے ہو گئے ہیں اور ہاتھ پیر دونوں کے سرد ہیں۔ یہ خواب اس طرح پوری ہوئی کہ محمد اسحاق ۱۹۳۹ء کے امتحان میں فیل ہو گیا اور محمد اسمٰعیل ۱۹۴۰ء کے امتحان میں فیل ہو گیا۔

۱۱۔ ۱۶۔مئی ۱۹۳۸ء کو دیکھا کہ محمد اسحاق کہتا ہے میں اول نمبر رہا ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تو میں نے ایک کاغذ پر بشکل 'بیسٹ' لکھا ہوا دیکھا۔ خاکسار چونکہ انگریزی نہیں جانتا صحیح دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لفظ انگریزی میں Best ہے جس کے معنے 'بہترین' کے ہیں۔ الحمدللہ کہ اس کے بعد میٹریکولیشن کے امتحان میں وہ فسٹ ڈویژن حاصل کر کے ۶۱۷ نمبروں پر کامیاب ہوا اور سکول میں تیسرے نمبر پر آیا۔

۱۲۔ شبِ عید الفطر (۲۴۔نومبر ۱۹۳۸ء) آواز آئی:

لَایُکَلِّفُ اللہَ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

اس وقت میں نے بچوں کے تعلیمی اخراجات اور گھر کی ضروریات کے متعلق دعا کی تھی۔ تفہیم ہوئی کہ تمہارے اخراجات کے مطابق آمد رہے گی۔ چنانچہ بے فکری سے تمام اخراجات پورے ہوتے رہے جو سات ہزار روپے کے قریب تھے اور ۱۹۴۳ء میں دونوں لڑکوں کو اچھی ملازمت مل گئی۔ الحمدللہ۔

۱۳۔ یکم فروری ۱۹۳۹ء عید الاضحٰے کی رات کو دیکھا کہ بہت سے سیب، انار اور امرود مجھے دیئے گئے۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ میرے تینوں لڑکوں سے اولادِ نرینہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہوگی۔ چنانچہ جن دو کی شادیاں ہو چکی ہیں ان میں سے ایک کے دو لڑکیاں تین لڑکے اور دوسرے کے تین لڑکے ہیں۔ الحمدللہ

۱۴۔ ۱۹۔۲۰۔فروری ۱۹۳۹ء میں مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بعض تکالیف کا اظہار فرما کر دعا کے لیے ارشاد فرمایا۔ میں نے دعا شروع کی تو ۲۴۔فروری ۱۹۳۹ء کو یہ آواز آئی:

کچھ نہیں۔ شجرة فیه تسیمون
چنانچہ حضرت میاں صاحب کو اطلاع دی گئی اور تھوڑے عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام تکالیف کو دور کر دیا۔ الحمد للہ

۱۵۔ نومبر ۱۹۳۷ء میں شیخ نیاز محمد صاحب سب انسپکٹر پولیس پر جبکہ وہ میرپور خاص سندھ میں ملازم تھے سرکار کی طرف سے ان پر مقدمہ چلایا گیا جسمیں وہ معطل ہوگئے اور مقدمہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ تو انہوں نے مجھے موقعہ پر ہی اپنے پاس دعا کے لیے بلا لیا۔ انہی دنوں میں مرزا سعید احمد صاحب مرحوم ابن صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کی خطرناک بیماری کے متعلق بھی لندن سے تاریں آنی شروع ہوئیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھی مجھے دعا کی تحریک فرمائی۔ ۳،۴۔ دسمبر ۱۹۳۷ء کی درمیانی رات مطابق ۲۹۔ رمضان شریف بوقت ۴:۳۰ بجے دیکھا کہ ایک مرغے اور دنبے کو بلا گلے سے کاٹ کر مار گیا ہے۔ میں ذبح کرنے کے لیے کہتا ہوں تو مرغے کی آواز دور سے سُنی اور معلوم ہوا کہ بالکل صحیح وسالم ہے مگر دُنبہ منہ کے بل مُردہ پڑا ہے۔ یوں معلوم ہوا کہ مُرغے سے مراد شیخ نیاز محمد صاحب اور دُنبہ سے مراد مرزا سعید احمد صاحب ہیں۔ چنانچہ ۱۲، ۱۳۔ جنوری ۱۹۳۸ء کی درمیانی رات مرزا سعید احمد صاحب لندن میں وفات پاگئے۔ انّا للہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن.

۱۶۔ ۱۵۔ جولائی ۱۹۳۹ء کو میں نے اپنے بیٹے محمد اسمٰعیل کی بابرکت ملازمت کے لیے اور شیخ نیاز محمد صاحب کی رہائی کے لیے اور حافظ مبارک احمد صاحب کے ہاں اولاد نرینہ کے لیے دعائیں کیں تو مجھے الہام ہوا

اِنّہٗ عَلِیٌّ ''. الحمد للہ رب العلمین. ذوفضلٍ

میں نے سمجھ لیا تینوں کے لیے دعا قبول ہوگئی۔ چنانچہ تینوں کو اطلاع دی گئی۔ بعد میں میرا بیٹا بھی اچھی ملازمت پر لگ گیا اور حافظ مبارک احمد صاحب کے گھر ۶۔ نومبر ۱۹۴۱ء کو لڑکا پیدا ہوا اور شیخ نیاز محمد صاحب مخلصی پا گئے۔ الحمد للہ

۱۷۔ ۲۱۔ جولائی ۱۹۳۹ء جمعرات بعد نماز تہجد دیکھا کہ مکرم شیخ نیاز محمد صاحب موٹر پر سوار ہو کر ایک حاکم کے گھر آئے ہیں اور خوش معلوم ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ آنا آخری ہے کیونکہ اب فیصلہ شیخ صاحب کے حق میں ہو جائے

گا اور پھر آنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ چنانچہ شیخ صاحب کو اطلاع دی گئی۔ الحمدللہ ۲۳۔ اگست ۱۹۳۹ء کو شیخ صاحب باعزت بری ہوگئے اور انکی ملازمت بھی بحال ہوگئی۔

۱۸۔ میں نے اپنے دونوں بیٹوں چوہدری محمد اسمٰعیل اور ڈاکٹر محمد اسحٰق کے لیے ۱۹۳۹ء کے امتحان میں کامیابی کی دعا کی۔ ۴۔ مئی ۱۹۳۹ء بوقت سحری دیکھا مجھے فضل احمد بلاتا ہے میں سمجھتا ہوں چونکہ مجھے فضل احمد بلاتا ہے اس لیے میری ضرورتیں عمدہ طریق سے پوری ہوجائیں گی۔ الحمدللہ تعالیٰ کہ دونوں کامیاب ہوگئے جن کی اطلاع ان کو قبل از وقت دی گئی تھی۔

۱۹۔ ۲۵۔ جنوری ۱۹۳۲ء مجھے خواہرم محترمہ والدہ ماجدہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب کی اولاد کے لیے دعا کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ میں نے تین چار روز متواتر دعا کی تو مجھے الہام ہوا:

میرا دروازہ اچھی طرح کھٹکھٹایا نہیں گیا

صبح مکرم چوہدری صاحب کی والدہ ماجدہ کو خوشخبری سنائی گئی اور تصریح بھی کردی۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ اولاد ہوگی اور ایسا ہی چوہدری صاحب کو بھی سُنایا گیا۔ اور جب ۱۹۳۶ء میں معلوم ہوا کہ آپ کی اہلیہ دوم کو حمل ہے تو ایک رات مجھے معلوم ہوا کہ اس حمل سے لڑکی ہوگی۔ چنانچہ اس کی اطلاع بھی چند ماہ قبل از ولادت آخر ماہ نومبر ۱۹۳۶ء میں چوہدری صاحب کو کردی اور جنوری ۱۹۳۷ء میں عزیزہ امتہ الحی سلمہا کی پیدائش ہوئی۔ الحمدللہ

۲۰۔ ۱۷۔ فروری ۱۹۳۹ء شیخ نیاز محمد صاحب کی رہائی کے لیے دعا کی تو زبان پر جاری ہوا:

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

چنانچہ ان کو اطلاع دی گئی۔ الحمدللہ کہ ۲۳۔ اگست ۱۹۳۹ء کو رہائی ہوگئی۔

۲۱۔ ۹۔ مئی ۱۹۳۹ء بوقت سحری عزیز محمد اسحٰق کے اعلیٰ نمبروں پر پاس ہونے کے لیے دعا کی گئی تو معلوم ہوا کہ عزیز دوسرے نمبر پر امتحان میں پاس ہوگا۔ چنانچہ ۴۔ جون ۱۹۴۱ء کو دو سال ایک ماہ پانچ دن بعد یہ رویا پوری ہوئی اور

عزیز م دوم نمبر پر پاس ہوا۔

۲۲۔ ۲۱۔رمضان شریف ۱۳۵۸ھ مطابق ۴۔نومبر ۱۹۳۹ء دیکھا کہ مولوی فضل الٰہی صاحب مجھے کچھ لوگوں میں نماز پڑھتے دیکھ کر مصافحہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دفعہ آپ نے روزے نہیں رکھے۔ میں کہتا ہوں اس کی حقیقت علیٰحدگی میں بتاؤں گا۔ حالانکہ کل بھی میرا روزہ تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا روزہ رکھنا، عبادت کرنا مخفی رہے۔ اس لیے میں علیٰحدگی میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ نیز دیکھا کہ میرا لڑکا مبارک احمد جو اس وقت تپ سے بیمار تھا تندرست کھیل رہا ہے۔ صبح عزیز مبارک احمد کا تپ اُتر گیا اور کھیلنے لگ گیا۔ اور میں نے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی کہ رمضان المبارک میں مجھے زیادہ عبادت کرنی چاہیے اور انشاء اللہ اللہ کا فضل ہوگا اور میری دعائیں قبول ہوں گی۔ اس کے نتیجہ میں میں نے ۲۳۔۲۵۔۲۷ رمضان کی تمام راتیں عبادت میں گذاریں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ اور ساری رات گیارہ رکعات نماز تہجد پڑھنے میں گذاردی۔

۲۳۔ ۱۶۔جنوری ۱۹۴۰ء میں نے اپنے بیٹے محمد اسحاق اور محمد اسمٰعیل کی اعلیٰ نمبروں پر امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے دعا کی۔ بعد نماز فجر عزیزان کی والدہ نے خواب سنائی کہ کسی نے بیٹھک میں آکر کہا۔ مولوی صاحب آپ کو مبارک ہو۔ میں نے کہا کس بات کی مبارک؟ وہ کہتا ہے کہ آپ کے دونوں صاحبزادے کامیاب ہوگئے۔ سوالحمدللہ وہ دونوں ہی بعد میں کامیاب ہوگئے۔

۲۴۔ عزیز محمد اسحٰق جب ڈاکٹری کے امتحان میں دوسرے سال میں فیل ہوا تو اس سے پہلے اُسے نوماہی امتحان میں ساری کلاس میں فرسٹ آنے کے باعث خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر ممتحن نے کسی سازش کے ماتحت مجھے فیل کیا ہے اور آئندہ بھی فیل کرتا رہے گا۔ اس لئے وہ تعلیم جاری رکھنے سے دل برداشتہ ہوگیا۔ بہت سمجھایا کہ دوسال پہلے کی محنت بھی ضائع ہو جائے گی لیکن وہ نہ مانا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے کسی وقت میرے پاس بھجوائیں میں بھی اسے سمجھاؤں گا۔ محمد اسحٰق نے کہا مبارکہ بیگم کی خواب سچی ہوتی ہے وہ دعا کر کے بتلائے کہ کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ ۱۱۔نومبر ۱۹۴۰ء کو جب مبارکہ بیگم نے دعا کی تو اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ کوئی

آدمی مجھے کہتا ہے محمد اسحاق کوڈاکٹری میں نہ ڈالو۔اس سے اور تشویش بڑھی اور ارادہ کیا کہ اگر فیس داخل نہ کی گئی ہوتو اُسے میڈیکل سکول سے اٹھا کر کسی دوسرے سکول میں داخل کرایا جائے۔اسی تشویش میں ۱۲ نومبر کی تاریخ بھی گزر گئی۔جب رات کوعشاء کے بعد میں اسی خیال میں چار پائی پر لیٹا تو مجھے آواز آئی:

'اس کا مطلب یہ نہیں'

یعنی مبارکہ بیگم کی خواب کی وہ تعبیر جو آپ سمجھتے ہیں صحیح نہیں۔میں نے اسی رات بوقت تہجد نماز میں سات بار استخارہ کیا کہ الٰہی اگر ڈاکٹری اس کے لیے مفید اور بابرکت ہے تو آسانی پیدا کردے اور ساتھ ہی یہ دعا کی کہ اپنی تقدیر بدل دے۔پس جب ۱۳، ۱۴ نومبر کی درمیانی رات آئی تو میں نے تین بار یہ مبشر خواب دیکھے۔(۱) اول ایک صف میں کچھ لڑکے بیٹھے ہیں کوئی کہتا ہے محمد اسحٰق پاس ہونے والوں میں ہے اس پر وہ ان میں آکر بیٹھ گیا۔(۲) بعد غنودگی پھر دوسری بار دیکھا ایک جگہ مولوی شیر علیؓ صاحب کھڑے ہیں۔میں نے محمد اسحٰق کو بھی لا کر اُن کے پاس کھڑا کر دیا ہے اور کوئی کہتا ہے محمد اسحٰق پاس ہے۔(۳) تیسری بار پھر غنودگی کے بعد دیکھا کہ کوئی مجھے بگوگوشہ دیکر کہتا ہے کہ یہ کشمیر کے پھلوں میں سے سب سے اعلیٰ پھل ہے اور کوئی کہتا ہے محمد اسحٰق پاس ہے۔یا رویاء میں میرے دل میں گزرا کہ محمد اسحٰق پاس ہے۔چنانچہ صبح کو میں نے اپنے تینوں خواب محمد اسحٰق اور اسکی والدہ کو سنا دئے کہ محمد اسحٰق انشاء اللہ تعالیٰ ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۳ء کے امتحانوں میں پاس ہی ہوتا جائے گا۔چنانچہ بعد میں ایسا ہی ظہور میں آیا۔الحمدللہ تعالیٰ۔

۲۵۔ ۳۰۔نومبر ۱۹۴۰ء کو خواب میں دیکھا کہ سرکار کی طرف سے ہمارے احمدیوں کی تلاشیاں کروائی جا رہی ہیں۔اچانک سپاہیوں نے دروازے بند کر لیے۔مگر مجھے اطمینان ہے کہ کوئی ایسا کاغذ نہیں جو مشتبہ ہو۔سپاہیوں میں سے ایک سکھ سپاہی وردی کے بغیر ہے اور صرف خاکی کرتہ پہنے کھڑا ہے، حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ سے گستاخانہ گفتگو کر رہا ہے اور حضور اقدس خاموش ہیں۔میں اسے کہتا ہوں گورو اور خدا رسیدہ خواہ کسی مذہب کے ہوں ان کی شان میں گستاخی سے عذاب الٰہی آتا ہے اور ان کی بے ادبی کرنا اچھا نہیں۔اس پر وہ نادم سا ہو کر خاموش ہو گیا۔لیکن حضرت اقدس کو کوئی گھبراہٹ نہیں۔یہ رویا اگست ۱۹۴۱ء میں قریباً نو ماہ بعد واقعہ ڈلہوزی سے پوری ہوئی جب پولیس نے محض شرارت اور ایذا رسانی کی خاطر حضرت اقدس کی کوٹھی کی تلاشی لینی چاہی جس کا تذکرہ اخبار الفضل میں موجود ہے۔اس رویاء کی نقل بھی حضرت اقدس کی خدمت میں قبل از وقت پہنچائی گئی۔

۲۶۔ عزیز محمد اسمٰعیل کے منشی فاضل کے امتحان میں کامیابی اور اس کی ترقی کے لیے دعا کی گئی۔ ۲۱۔ جولائی ۱۹۴۲ء کو خواب میں دیکھا کہ عزیز موصوف کا لفافہ آیا ہے اور اس میں ایک اور لمبا سا لفافہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری طور پر اسے مالی اعزاز بھی دیا گیا ہے۔ اس کی اطلاع عزیز کو دی گئی کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوگا اور عنقریب اس کی تنخواہ میں بھی ترقی ہوگی۔ چنانچہ ۲۵۔ جولائی ۱۹۴۲ء کو امتحان میں کامیاب ہوا اور یکم اگست ۱۹۴۲ء کو بیس روپے تنخواہ میں ترقی ہوئی۔ الحمدللہ

۲۷۔ عزیز موصوف نے مجھے لکھا کہ میری اولاد کے لیے دعا کریں۔ چنانچہ متواتر دعا کی گئی۔ ۱۱۔ فروری ۱۹۴۳ء کو دیکھا کہ ۱۲ یا ۲۲۔ فروری کو محمد اسمٰعیل کے گھر میرا پوتا ہونے والا ہے۔ یہ نظارہ میں نے دیکھا تو اس کے بعد میں نے تاریخ اور مہینہ گیارہ ہندسوں میں لکھا ہوا دیکھا۔ نیز دیکھا کہ باورچی خانہ میں آٹا گوندھ کر رکھا ہے اور روٹیاں پکانے لگے ہیں۔ ان نظاروں سے خاکسار نے یہی نتیجہ نکالا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فروری ۱۹۴۳ء کو امیدواری ہو کر ذیقعد کے مہینہ میں لڑکا پیدا ہوگا۔ سو الحمدللہ تعالیٰ کہ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو ماہ ذیقعد میں لڑکا پیدا ہوا۔ جو اسلامی ہجری مہینوں میں سے گیارھواں ہے۔ جس کا نام حضرت اقدس نے محمد یوسف رکھا۔

۲۸۔ ۲۱۔ اپریل ۱۹۴۴ء کو دیکھا کہ گوجرانوالہ کی کچہری میں گیا ہوں۔ کچہری لگی ہوئی ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب بھی حکام میں سے ہیں۔ میرے بھی دو مقدمے ہیں جن کے سلسلہ میں کچہری گیا ہوں۔ اور وہاں پر کام شائستگی اور خوش اسلوبی سے ہو رہا ہے۔ مدعیٰ علیہ اور مدعیان اور حکام کے درمیان صلح و ہمدردی کے آثار ہیں۔ مبائع اور غیر مبائع کا کوئی اختلاف نہیں۔ مقدموں کے انفصال کا یہ طریق ہے کہ ایک ثالث کے سامنے دونوں فریق خوشی خوشی آتے ہیں۔ میں خواب میں سمجھتا ہوں کہ یہ نظام ایک سو چھیاسٹھ سال یا ایک سو چھہتر سال بعد ہوگا جبکہ احمدی جماعت کمال کو پہنچے گی۔

۲۹۔ ۱۳۔ دسمبر ۱۹۵۳ء کو دیکھا بہت سا مجمع ہے اس میں حضرت شعیب علیہ السلام بصورت وجیہ شکل ریش

والے عمر قریباً ۵۰ سال چہرہ پر شرافت نرمی اور نورانیت مترشح تھی۔ اُن کا صاحبزادہ بھی ہمراہ تھا۔ جس کی عمر قریباً پچیس سال چہرہ پر باپ کی طرح آثار رُشد ظاہر ہو رہے ہیں۔ دونوں کے سروں پر دستاریں تھیں۔ میں بڑا خوش ہوں اور لوگوں میں ذکر کرتا ہوں کہ یہ حضرت شعیب ہیں اور یہ ان کا بیٹا ہے۔

۳۰۔ ۱۹۱۱ء کے آخر میں مَیں نے اپنے لیے اولاد کی دعا کی۔ تو ستمبر ۱۹۱۱ء کو اپنی اہلیہ کی گود میں لڑکا دیکھا۔ ۱۹۱۲ء میں مبارکہ مرحومہ پیدا ہوئی جو ۲۳۔ ستمبر ۱۹۲۷ء کو ۱۵ سال اور چندہ ماہ کی ہو کر فوت ہوگئی۔ وہ اپنی دماغی صلاحیتوں کے لحاظ سے لیس الذکر کالانثی کا مصداق تھی اور اتنی چھوٹی عمر میں اردو، عربی، انگریزی میں تقریر کرتی تھی۔ جس کی وفات پر حضرت اقدس نے فرمایا 'زندہ رہتی تو بڑی قابلیت کی عورت ہوتی'۔

۳۱۔ ۱۷۔ ستمبر ۱۹۱۱ء مطابق ۲۳۔ رمضان کو میں نے دعا مانگی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اس وقت میں اعتکاف میں تھا۔ رویاء میں دیکھتا ہوں کہ ایک جوان عورت پاؤں کے بل بیٹھی ہوئی ہے اور اس کی گود میں کپڑوں میں لپیٹا ہوا بچہ ہے اور مجھے کہتی ہے: 'لے ایسی صفتوں والا لڑکا'۔ دس سال بعد ۱۷۔ اگست ۱۹۲۱ء کو میرے ہاں محمد اسمٰعیل اور محمد اسحٰق توام پیدا ہوئے۔ الحمدللہ تعالیٰ۔

۳۲۔ ۲۰۔ رمضان مطابق ۲۰۔ ستمبر ۱۹۱۱ء مجھے کوئی کہتا ہے کہ 'یہ تیرہ روپے تم کو دئے میں نے لے لئے'۔ الحمدللہ۔ ۱۹۴۵ء میں ۳۴ سال بعد تیرہ روپے میری پنشن میں ترقی کردی گئی۔

۳۳۔ یکم اپریل ۱۹۱۲ء کو دیکھا کہ لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس کا نام محبوب احمد رکھا ہے۔ پھر ۱۸۔ اپریل ۱۹۱۲ء کو بھی ایسا ہی دیکھا کہ ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس کا نام محبوب احمد رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ۱۶۔ نومبر ۱۹۵۱ء کو میرے بیٹے محمد اسمٰعیل کے ہاں میرا پانچواں پوتا پیدا ہوا اور اس کا نام محبوب احمد رکھا گیا۔

۳۴۔ ۲۔ جنوری ۱۹۱۴ء کو رویاء میں دیکھا کہ میاں محمد بخش صاحب آف گوجرانوالہ (جو بابو فتح محمد صاحب شرما

پوسٹ ماسٹر صدر کراچی کے دادا ہیں) نے حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ کی دعوت طعام کی ہے اور آپ نے مجھے فرمایا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کو چلیں۔ چنانچہ خاکسار ہمراہ ہولیا اور گلی کے کنوئیں سے اپنی ٹانگوں سے کیچڑ کو دھونے لگا۔ حضور والا کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے ہم کہہ دیں گے کہ یہ بھی ہمارے گھر کے آدمی ہیں۔ بندہ ساتھ ہو گیا اور رقّت سے عرض کیا ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی مجھے بیٹوں کی طرح جانتے تھے۔ الحمد للہ کہ یہ رویاء اسطرح پوری ہوئی کہ ۷۔ اپریل ۱۹۲۱ء میں حضور نے مجھے سندھ میں بھیجتے ہوئے بیعت لینے کی بھی اجازت بخشی جس کا ذکر دوسری جگہ آچکا ہے۔

۳۵۔ ۱۷۔ رمضان ۴۵ھ مطابق ۲۱، ۲۲۔ مارچ ۱۹۲۷ء کی درمیانی شب سحری کے وقت دیکھا کہ میں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ روٹی کھا رہا ہوں اور میری اہلیہ حیات بیگم بھی میرے پاس ہے۔ جس سے خیال آیا کہ میری اجل قریب ہے اور گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ بعد میں ذرا سی غنودگی ہوئی تو آواز آئی:

'ابھی عمر ڈیڑھ پاؤ رہتی ہے'

پھر آنکھ کھل گئی، تو قلب میں ایک قسم کی بشاشت محسوس کرتا تھا۔ بعد میں جب میں نے ڈیڑھ پاؤ کا حساب کرنا چاہا تو میرا ذہن ۲۰x۴ = ۸۰ کی طرف گیا۔ اور دل نے کہا کہ اس میں سے پچاس برس تو گزر گئے ہیں، اور تیس ابھی باقی ہیں۔ ہاں یہ بھی آواز آئی:

'عمر ۶۳۰'

اور اس کی تفہیم یہ ہوئی کہ ۶۳۰ سے اشارہ گزشتہ عمر کے قمری مہینوں کی طرف ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ تفہیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد کے آنکھوں کے سامنے پھر جانے سے ہوئی، جو حضور نے مجھے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ:

''مولوی صاحب! آپ یوں گھبراتے ہیں جیسے آپ کی عمر اسی سال کی ہوگئی ہے۔''

۳۶۔ ۱۸۔ رمضان المبارک ۴۵ھ مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۹۲۷ء بوقت سحری دیکھا کہ جاری نہر سے وضو کر کے حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے پیچھے نماز میں شامل ہو گیا ہوں۔ جلدی کی وجہ سے میرا سانس پھول گیا ہے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ جو جماعت میں شامل ہیں اور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، میں اُن کے بائیں پہلو جا کر

شامل ہوا ہوں۔ جب ہم دونوں نے اپنی طرز کے رکوع سے سر اٹھایا تو حافظ صاحب کہتے ہیں 'بڑی ہمت کر کے شامل ہو ہی گئے ہو' چنانچہ اس کی تعبیر یوں ظاہر ہوئی کہ میں نومبر ۱۹۳۲ء میں مرکزی واعظ مقرر ہوا۔ فالحمد للہ تعالیٰ۔

۳۷۔ ماہ جون ۱۹۴۰ء میں محمد اسمٰعیل بقاپوری کے لیے دعا کی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک میدان میں لوگ جمع ہیں۔ ایک نے کہا کہ اسمٰعیل کی تنخواہ ۶۰ روپے سے شروع ہوگی دوسرے نے کہا ۱۰۰ روپے سے ہوگی۔ چنانچہ ۱۴۔ اگست ۱۹۴۰ء کو ۶۰ روپے کی جگہ پر عارضی طور پر ملازم ہوا پھر ۱۱۔ نومبر ۱۹۴۰ء کو مستقل ہو کر ایک سو روپے پر ترقی مل گئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

۳۸۔ ۲۵۔ جون ۱۹۴۴ء کو میں بعد نماز تہجد یہ خیال آنے پر دعا کر رہا تھا کہ میرے ہر دو محترم ساتھی حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیر آبادی اور مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو تو باعث ۱۹۰۰ء سے پہلے بیعت کرنے کے قطعہ خاص میں دفن ہونے کا موقعہ ملے گا۔ مگر میں تو ۱۹۰۵ء میں بیعت کرنے کی وجہ سے اس شرف اور نعمت سے محروم ہوں اور بعد میں آنیوالوں کی خاص دعاؤں سے بھی محروم رہوں گا۔ قدرت خاص سے کسی طرح اس کی تلافی ہو جائے۔ تو مجھے القاء ہوا کہ تم آخری وقت میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح قطعہ خاص کی تمنا کرنا جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔ اسکے کے بعد نظارہ بدل گیا۔ چنانچہ اس دُعا کی قبولیت کا واقعہ یوں نمودار ہوا کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ نوازش مجھے ۱۹۰۰ء سے قبل بیعت کنندگان صحابہ قدیم کے زمرہ میں شمار فرمایا جیسا کہ ٹائٹل پیج (طبع اول۔ مرتب) کے آخری ورقہ پر حضور کا ارشاد مندرج ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت میرا تعلق عقیدت وارادت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یقیناً ۱۹۰۰ء سے پہلے تھا۔ مگر وہ ایمانی لذت اور روحانی کیفیت جو میں چاہتا ہوں وہ ابھی تک پیدا نہیں ہوئی تھی جس کی بناء پر میں نے ۱۹۰۵ء میں دوبارہ بیعت کی تھی۔ جسے گویا بیعت توبہ یا بیعت اخلاص سمجھئے جس کے بعد یک لخت میری طبیعت میں انقلاب پیدا ہوا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے میرے اس پہلے تعلق کو جوڑتے ہوئے مجھے پرانے صحابہ میں شمار فرمایا۔ فالحمد للہ۔

۳۹۔ صوفی محمد رفیع صاحب ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس سکھر حال پراونشل امیر صوبہ سندھ نے مجھے اپنے بیٹے عزیز فخر الدین کے تحصیلداری کے امتحان میں پاس ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ میں نے دعا کی تو ۷۔اپریل ۱۹۴۷ء کو دیکھا کہ عزیز فخر الدین کھڑا ہے اور کسی پاس والے نے کہا کہ یہ سب سے چھوٹی عمر میں تحصیلدار ہوا ہے۔ چنانچہ ۲۵۔جون ۱۹۴۷ء کو امتحان کے نتیجہ میں کامیاب ہوگیا اور دوسرے پاس ہونے والوں میں سب سے چھوٹا تھا۔

۴۰۔ ماہ جولائی ۱۹۴۷ء میں میرا بیٹا عزیز مبارک احمد بیمار ہوا اور انہی دنوں میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب بھی بہت کمزور ہو چکے تھے۔ دونوں کی صحت کے لیے دعا کی۔ ۱۲۔جولائی ۱۹۴۷ء کو مجھے الہام ہوا کہ ۱۵ تا ۱۸ تاریخ تک پوری صحت ہو جائے گی۔ نیز معلوم ہوا کہ حضرت میر صاحب فوت ہو جائیں گے کیونکہ مجھے الہام ہوا کوئی کہتا ہے کہ مہاراجہ بوڑھا مر گیا ہے۔ ۲۸۔شعبان کی صبح مبارک احمد تندرست ہو گیا اور شام کو حضرت میر صاحبؓ کی وفات ہوئی۔ انّاللہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن.

۴۱۔ ۲۰۔ستمبر ۱۹۴۷ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پہنچا کہ بوڑھے مردوں، عورتوں اور بچوں کو قادیان سے نکالو۔ میں نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سے زبانی عرض کیا کہ میں اور میری بیوی اور چھوٹا لڑکا حضور کے ارشاد کے ماتحت جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا لکھ کر مجھے درخواست دے دیں۔ کئی کنوائے آئے لیکن میں نہ جا سکا۔ اور اکثر احمدی بوڑھے مرد اور عورتیں اور بچے درخواستوں کی ترتیب کے مطابق لاہور پاکستان پہنچا دیے گئے۔ آخر میری بیوی نے چھوٹے لڑکے مبارک احمد کو ہمت کر کے ایک ٹرک پر بٹھا دیا اور وہ جوں توں کر کے لاہور اپنے خالو منشی یوسف علی صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔ وہاں پر دوسرے دن میرا لڑکا ڈاکٹر محمد اسحٰق بقاپوری قادیان کی خبر دریافت کرنے کے لیے یوسف علی صاحب کی دکان پر پہنچا۔ اس کی ڈیوٹی ان ایام میں امرتسر میں تھی۔ مبارک احمد کو دیکھ کر اس نے سمجھا کہ میرے والدین بھی آگئے ہوں گے۔ لیکن مبارک نے روتے ہوئے کہا کہ اباجی اور اماں جی تو وہاں ہی رکے ہوئے ہیں اور آنے کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکا۔ ادھر میں نے بہت تضرع سے دعا کی تو مجھ الہام ہوا:

'تیرے سلامتی سے جانے کے بعد دودن'

اس وقت قادیان میں کرفیولگا دیا گیا تھا اور اندیشہ تھا کہ کل دارالفضل پر حملہ ہو جائے گا۔ ادھر مجھے بشارت ملی اور ادھر میرے لانے کا سامان اس طرح ہوا کہ میرا بیٹا محمد اسحٰق امرتسر واپس آ کر اپنے افسر سے کہنے لگا کہ میرے بوڑھے ماں باپ قادیان میں رُکے ہوئے ہیں ان کے لانے کی کوئی تدبیر کریں۔ افسر جو مسلمان تھا اس نے کہا پرسوں میری جگہ ہندو افسر آ جائے گا اور وہ تم کو اجازت نہیں دے گا۔ لہذا کل صبح تم کو ایک ٹرک اور گارڈ لے دیتا ہوں تم اپنے والدین کو لے آؤ اور رات کو لاہور پہنچ کر واپس آ جاؤ۔ دوسرے دن ۱۱ بجے میرا لڑکا ٹرک لے کر قادیان پہنچ گیا۔ اور ہم دونوں میاں بیوی اور ۲۲ نوجوان لڑکیاں اور ۱۱ مرد ۴ گھنٹے کے بعد شام کے ۳ بجے قادیان سے روانہ ہو کر نو بجے رات سلامتی سے لاہور پہنچ گئے۔ الحمدللہ۔ جب ٹرک قادیان پہنچا تو ہمارے محلّہ میں ان لڑکیوں کے ماں باپ بہت منت سماجت سے کہنے لگے کہ انہیں ضرور لے جائیں۔ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ مشورہ کیا کہ ہم تھوڑا بہت سامان لے جائیں گے اور ان لڑکیوں کو بھی ضرور ساتھ لے جائیں گے اور باقی سب سامان یہیں چھوڑ جائیں گے کیونکہ ایسا ثواب کا موقعہ کبھی کبھار ملتا ہے۔ ہمارے لاہور پہنچنے کے تیسرے دن بعد قادیان میں وہ حشر بپا ہوا کہ الامان۔

۴۲۔ آخر اگست ۱۹۴۷ء میں میں نے دعا کی کہ اے اللہ قادیان سے باہر جانا مناسب ہے یا نہیں تو اس وقت الہام ہوا 'حضرت صاحب کے منشاء کو معلوم کر لو یا کر لیں'۔ اس لیے میں نے قادیان کو چھوڑنے کے متعلق پہلے درخواست نہ دی کیونکہ جو اس کام پر متعین تھے وہ بہتر جانتے تھے کہ کس کو کس وقت باہر بھیجنا چاہیے۔ جب حضرت اقدس کی طرف سے ارشاد پہنچا کہ بوڑھے بچے اور عورتیں نکال لی جائیں تو اس پر میں نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ہاں درخواست دے دیں۔ چنانچہ میں نے درخواست دے دی۔ چونکہ میری درخواست آخر میں تھی اور ہر کنوائے پر منتظمین درخواستوں پر ترتیب وار کارروائی کرتے تھے اور میری درخواست سب سے پیچھے آئی اس لیے مندرجہ نمبر ۴۱ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔

۴۳۔ ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر محمد اسحٰق کے سالانہ امتحان کا ایک پرچہ بہت کمزور ہوا۔ اس کے متعلق دعا کی گئی تو ۲۵ مئی کو میری زبان پر یہ آیت جاری ہوئی وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِم ۔ عزیز کو اس کے متعلق خوشخبری دی گئی کہ تم پاس ہو جاؤ گے چنانچہ وہ پاس ہو گیا۔

۴۴۔ یکم جولائی ۱۹۳۸ء ڈاکٹر محمد اسحٰق کو میڈیکل سکول امرتسر میں داخل کرانے کے لیے میں اس کے ہمراہ گیا تو معلوم ہوا کہ سکول میں داخل ہونے کے لیے کئی ایف اے اور بی اے پاس طالب علم آئے ہوئے ہیں۔ اور اچھے اچھے امیروں کے لڑکے بڑے بڑے آدمیوں کی سفارشیں لے کر آئے ہیں۔ اس سے مجھے سخت گھبراہٹ ہوئی اور درخواستیں کرنیوالے طالب علم ۲۰۰ تھے۔ اور میرا سوائے خداوند کریم مسبب الاسباب کے کوئی سفارشی نہ تھا اس لیے بڑے قلق اور کرب کے ساتھ رات کو دعا کر کے سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اور محمد اسحٰق کے داخلہ کے متعلق مجھے تسلی دیتے ہیں کہ عزیز داخل ہو جائے گا۔ آپ ایک نوجوان خوبصورت مضبوط انسان کی شکل میں متمثل ہیں۔ جس کی عمر ۳۰۔۳۲ سال ہوگی۔ صبح میں نے عزیز کو تسلی دی اور میں اس کے ساتھ گیا اور فیض اللہ چک کے ایک احمدی طالب علم عطاء الرحمٰن کو جو دوسرے سال کا طالب علم تھا میں نے کہا مجھے ایسی جگہ کھڑا کرو جہاں سے میں انٹرویو کرنے والوں کو دیکھ سکوں۔ چنانچہ اس نے ان کے کمرہ کے پیچھے ایک کھڑکی کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے میں نے دیکھا کہ تین چار افسر بیٹھے انٹرویو کر رہے ہیں اور کسی کو فٹ اور کسی کو اَن فٹ کرتے جاتے ہیں۔ جب محمد اسحٰق کمرہ میں داخل ہوا اس وقت میں نے رقت سے دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو ایسا دیکھا گویا وہ قریب آ گیا ہے اور مجھ پر ربودگی طاری ہوگئی۔ محمد اسحٰق کی نظر درست ثابت ہوئی۔ لیکن جب کپڑے اتار کر دیکھا تو کہا یہ کمزور ہے اور اسے فیل کر دیا۔ اس وقت محمد اسحٰق بھی رو پڑا۔ اور میں نے خدا سے دعا کی اے خدا! اب تیری قدرت دکھانے اور مجھ پر رحم فرمانے کا وقت ہے۔ چنانچہ اس وقت دوسرے ڈاکٹر نے پھر محمد اسحٰق کو واپس بلا لیا اور کہا کہ نہیں اسے لے لو۔ چنانچہ اسے لے لیا گیا۔ اُس وقت جن لوگوں نے مجھے دعا کرتے دیکھا وہ کہنے لگے کہ اس شخص نے دعا کر کے آخر اپنے بیٹے کو داخل کروا ہی لیا۔ فالحمد للہ تعالیٰ۔

۴۵۔ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء مطابق ۲۲۔ رمضان المبارک جبکہ میں توجہ کے ساتھ نماز میں مشغول تھا میں نے دیکھا کہ پرچ میں کسی نے اعلیٰ درجہ کا حلوا ڈال کر مجھے دیا ہے۔ نیز دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی سے زمین روشن ہوگئی ہے اور میں نے یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے، اپنے کام میں تسلی، اطمینان اور سرور سے مشغول ہوں۔ اس کشفی حالت کے بعد میرے دل میں مخلوق الٰہی کی محبت اس قدر جوش زن ہوئی کہ میں نے پوری توجہ اور رقت سے بعض احباب کیلئے

خصوصی دعا کی۔اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ دعا قبول ہوگئی ہے۔جن میں حضرت صاحبزادہ مظفر احمد صاحب کا امتحان میں پاس ہونا۔حافظ مبارک احمد صاحب کے لئے فرزند نرینہ عطا ہونا وغیرہ تھیں۔چنانچہ صبح حافظ صاحب کو اس سے اطلاع دی گئی۔الحمد للہ کہ حافظ صاحب موصوف کے گھر ۶۔نومبر ۱۹۴۱ء کو لڑکا پیدا ہوا اور صاحبزادہ صاحب بھی پاس ہوگئے۔(حیات بقاپوری حصہ دوم میں پیدائش کی تاریخ ۶۔جنوری درج ہے)۔

۴۶۔ محمد اسمٰعیل بقاپوری کی شادی کے لیے دعا کی گئی تو ۹۔نومبر ۱۹۴۱ء کو دیکھا کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ احباب کے درمیان سے اُٹھ کر وضو کرنے کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔میں حضور انور کو رشتہ کے متعلق عرض کرنے گیا ہوں۔جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو میں نے رشتہ کی بات چیت شروع کر دی۔راستہ میں حضور انور ایک چار پائی پر لیٹ گئے اور میں نے بھی ساتھ لیٹ کر بے تکلفی سے بات چیت جاری رکھی۔لوگ اس بے تکلفی سے متعجب تھے۔میں نے کہا بات یہاں تک پہنچی ہے کہ ایک ہزار روپیہ حق مہر کہتے ہیں۔اور باوجود حضرت ماموں جان میر محمد اسمٰعیل صاحب کے بتانے کے کہ لڑکا اچھا ہے مرزا محمد شفیع صاحب پھر بھی کہتے ہیں کہ فوٹو منگوالو۔گویا میں حضور انور کو رشتہ میں دیر کی وجہ بتلا رہا ہوں۔حضور نے محمد اسمٰعیل بقاپوری کے متعلق اتنی زیادہ تحقیقات کرنے پر تعجب کرتے ہوئے ہنس کر فرمایا کر لینے دو۔میں نے کہا کہ اگر یہ رشتہ نہ ہوا تو کوئی اور رشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا بہت رشتے ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رشتہ کو پسند بھی فرماتے ہیں گو ایسی لمبی تحقیقات پر تعجب بھی کرتے ہیں۔الحمد للہ کہ ایک ماہ بعد یہ رشتہ طے ہوگیا۔

۴۷۔ ۱۹۴۹ء کو محمد اسحٰق کے رشتہ کے لیے ایک جگہ کے متعلق دعا کی تو ۹۔مارچ ۱۹۴۹ء کو آواز آئی کہ:

'چھ ہفتہ کے بعد'

سو الحمد للہ کہ ۲۹۔اپریل ۱۹۴۹ء کو عزیزہ رقیہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ (نواسی مولوی شیر علی صاحب) کے ساتھ رشتہ کا معاملہ طے ہوگیا اور ۸۔نومبر کو نکاح کی تقریب عمل میں آگئی۔

۴۸۔ ۱۸۔دسمبر ۱۹۵۳ء کو خواب میں کہہ رہا ہوں: یا رب میں تو ظاہر نہیں ہونا چاہتا تھا (یعنی کتاب 'حیات

بقاپوری' کے چھپنے سے)۔ شمال کی طرف سے آواز آئی: 'تمیوں ظاہر ہون دیناکیں یانہ'۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

۴۹۔ ۱۹۲۸ء میں جبکہ میں نے اپنے خرچ پر دو ماہ کے لیے چک نمبر ۹۹ شمالی میں رہ کر جماعت کی تعلیم و تربیت کا کام کیا تو ۷۔ مئی ۱۹۲۸ء کو مجھے الہام ہوا:

'تیری عمر سات سال زیادہ کی گئی'

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری عمر اسی سال سے زیادہ ہوگی۔ (چنانچہ مولوی صاحب نے ۹۰ سال سے زائد عمر پائی۔مرتب)

۵۰۔ محمد اسحاق کی جہاں پہلے منگنی ہوئی تھی ان لوگوں کے ایک رشتہ دار نے کسی تدبیر سے فارم نکاح مجھ سے منگوا کر پھاڑ ڈالا۔ جس وقت میں پہلے ان کے گھر نکاح کا معاملہ طے کرنے گیا تھا تو مجھے الہام ہوا تھا: فاذھب (کہ تو بے شک ان کے گھر جا)۔لڑکی والوں کی اس حرکت پر مجھے بہت افسوس ہوا۔چنانچہ میں نے ۲۰۔مارچ ۱۹۴۹ء کو دیکھا کہ وہ رشتہ دار عورت ننگے سر میدان میں بیٹھی ہے۔اس کے بعد ان پر تکلیف کے دن آئے۔ اور عزیز کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت موزوں و مبارک جگہ ہوگیا (یعنی مولوی شیر علی صاحبؓ کی نواسی رقیہ بیگم سے۔مرتب) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو تین لڑکے بھی عطا فرمائے۔ الحمد لله. اللهم زد فزد۔

۵۱۔ محمد اسحاق کا رشتہ جہاں پہلے ہوا تھا اس جگہ کے لیے میری اہلیہ کو زیادہ رغبت تھی اور ان کی کوشش تھی کہ وہاں پر ہی ہو جائے تو بہتر ہے کیونکہ وہ دور نزدیک سے ہمارے رشتہ دار بھی تھے۔ چنانچہ اس کے متعلق دعا کی گئی تو ۳۰۔مارچ ۱۹۴۹ء کو آواز آئی جس سے صاف معلوم ہوا کہ رشتہ سخت ناموزوں ہے اور ایسا نظارہ بھی دیکھا جو بہت کریہہ تھا۔چنانچہ وہ رشتہ نہ ہوا۔

۵۲۔ جب میں نے اپنی دوسری آنکھ کا اپریشن کرایا تو ڈاکٹر کی غلطی سے اس میں زخم ہوگیا۔ جب میں ہسپتال سے گھر آیا تو محمد اسحٰق نے دیکھا کہ آنکھ اپنی جگہ پر قائم نہیں۔ وہ مجھے ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا جس نے دیکھ کر ایک

دوائی دی کہ اُسے آدھ آدھ گھنٹہ کے بعد ڈالتے رہیں۔ جس سے آنکھ تو اپنی جگہ پر بیٹھ گئی لیکن زخم کی وجہ سے درد اس قدر شدت سے ہوا کہ میں بے بس ہو کر یہ چاہتا تھا کہ دیوار سے سر پھوڑ لوں۔ اور اندیشہ ہوا کہ آنکھ سے جو پانی آ رہا ہے اس سے شاید بینائی ضائع ہو جائے گی۔ جب دوسری رات آئی تو میں نے درد کرب کی حالت میں لیٹے لیٹے دعا کی تو یکدم غنودگی ہوئی تو میں نے دیوار پر لکھا ہوا دیکھا۔ اَسْلِم اَسْلِم۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مکمل صحت ہو جائے گی۔ چنانچہ جب میری آنکھ کھلی تو درد بالکل نہ تھا جس سے یقین ہوا کہ زخم بھی اچھا ہو جائے گا اور نظر قائم رہے گی۔ سو الحمد للہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔

۵۳۔ ہمارے ایک رشتہ دار اور اس کے بیٹے ہر دو نے ہماری مخالفت کی۔ دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ ۲۳۔ اپریل ۱۹۴۹ء کو دو بندر دیکھے۔ میں کپڑا اوڑھے لیٹا ہوا ہوں۔ ایک بندر نے موٹا سا ڈنڈا (جو موسل کی طرح کا ہے) مجھے مارا لیکن مجھے چوٹ نہیں آئی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ دوبارہ آیا تو اسے پکڑ لوں گا۔ لیکن وہ دوبارہ نہ آیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اُن کے مقدمات خارج ہو گئے اور دونوں جگہ سے انہیں ذلت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

۵۴۔ ۲۳۔ اپریل ۱۹۴۹ء کو نماز تہجد ادا کر کے میں سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو زبان پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام جاری تھا: 'سلامت بر تو اے مردِ سلامت'۔

۵۵۔ ۲۴۔ فروری ۱۹۴۹ء کو دیکھا ۸۶ روپے پنشن۔ الحمد للہ اپریل ۱۹۵۲ء سے یہ رویا پوری ہو رہی ہے کہ سلسلہ کی طرف سے پنشن بعد منہائی حصہ وصیت ۳۶ روپے اور ۵۰ روپے ایک لڑکے سے مل رہے ہیں۔

۵۶۔ ۱۹۴۹ء میں جب عزیزہ رقیہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ بی اے کرنے کے بعد بی ٹی کا امتحان دے رہی تھی تو اس کی کامیابی کے لیے دعا کی گئی تو مجھے کوئی کہتا ہے: 'پرچے چنگے ہو رہے ہیں'۔ الحمد للہ کہ وہ کامیاب ہو گئی۔

۵۷۔ ۲۰۔اکتوبر ۱۹۴۹ءکو دیکھا کہ احمد کے گھر سے رونے کی آواز آرہی ہے۔محمد اسحٰق نے بتایا کہ ان کا ایک لڑکا فوت ہوگیا ہے جس سے اُن کو پچاس روپے ماہوار کا نقصان ہوا ہے۔یہ رویا اس طرح پوری ہوئی کہ ششماہی امتحان میں عزیز محمد اسحٰق فیل ہوگیا جس کی وجہ سے چھ ماہ تک اس پر ہم کو پچاس روپے ماہوار خرچ کرنے پڑے۔

۵۸۔ ۵۔نومبر ۱۹۵۰ءماڈل ٹاؤن لاہور کی کوٹھی کے باغ کے لیے میں نے پانی کی کوشش کی تھی۔کیا دیکھتا ہوں کہ کوٹھی کی نالی پانی سے بھری ہوئی بہہ رہی ہے اور مکرمی نواب محمد عبداللہ خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے میں اپنی عمر کے متعلق بیان کررہا ہوں کہ پونے دوسال یا دوسال رہتی ہے۔وہ سنکر حیران ہورہے ہیں۔میں پھر کہتا ہوں دوسال رہتے ہیں۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت اللہ تعالیٰ نے مجھے بالمشافہ بتائی ہے۔اور مجھے کسی قسم کا غم نہیں بلکہ خوشی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جانے پر راضی ہوں۔صبح کو دیکھا کہ پانی کی نالی سے پانی ہماری کوٹھی میں بہ رہا ہے۔ الحمدللہ۔

۵۹۔ میں نے ربوہ آنے کے لیے کئی بار دعا کی لیکن مکان کا کوئی سامان نہ ہوسکا۔مجھے فرمایا گیا چھ ماہ تک نئے کواٹر بن جانے پر پرانے خالی ہوجائیں گے۔۷۔مئی ۱۹۵۰ءکو دعا کررہا تھا کہ زبان پر جاری ہوا: 'ربوہ قادیان یا مکہ مدینہ جانا ایں یا میرے کول آنا ایں'۔ جاگنے پر خواہش دل میں اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کی تھی۔

۶۰۔ اپریل ۱۹۵۲ءمیں حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلیے مع اہلیہ ربوہ میں آیا۔تو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے میری اہلیہ کو فرمایا کہ مولوی صاحب یہاں ربوہ میں رہیں گے،انہیں ماڈل ٹاؤن نہ لے جائیں۔چنانچہ اس وقت سے میں یہیں رہ گیا۔ایک دن میں یہ خیال کررہا تھا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ' ربوہ، قادیان یا مکہ مدینہ جانا ایں یا میرے کول آنا ایں'۔ جس سے میں سمجھتا تھا کہ ربوہ جانے سے پہلے ہی میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جاؤں گا۔ تو آواز آئی: كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔

۶۱۔ ۲۷۔جولائی ۱۹۵۰ءکو دیکھا کہ جنگ کی وجہ سے انقلاب برپا ہے۔احمدی اپنی جگہوں سے بھاگ کر

دوسری جگہ الاٹمنٹ کروار ہے ہیں۔ میں بھی احمدیوں میں بھاگتا ہوا آ گیا ہوں اور بیٹھا ہوا احمدیوں سے لڑائی کی باتیں کر رہا ہوں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے سے دشمن کے آدمی قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ میں بار بار اپنی پچھلی طرف مڑ کر دیکھتا ہوں۔ یوں معلوم ہوا کہ کسی نے مجھ پر تلوار کا وار کیا اور قتل ہونے لگا ہوں۔ مگر نہ کوئی آیا اور نہ حملہ کیا۔ پھر ایک احمدی نے مجھے کہا آپ کی پگڑی میرے پاس محفوظ ہے اور آپ کی چھڑی فلاں کے پاس ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ میرے سر کی لُنگی اور چھڑی جو بہت خوبصورت ہیں، مجھے دینے کے لیے لا رہے ہیں اور میں مطمئن ہوں۔ اور اس وقت اپنے آپ کو مبلغ اور امام الصلوٰۃ سمجھتا ہوں۔

۶۲۔ ۱۳۔ نومبر ۱۹۵۳ء کو خاکسار برکات احمد صاحب راجیکی کی صحت کے واسطے دعا کر رہا تھا کہ دل میں القاء ہوا: 'دس دن' اور زبان پر جاری ہوا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ۔ ۲۴۔ نومبر ۱۹۵۳ء کو مکرمہ والدہ صاحبہ برکات احمد نے آ کر کہا، 'کل سے خط آیا ہے۔ الحمدللہ عزیز برکات احمد بفضلِ تعالیٰ پوری صحت و عافیت سے ہے۔'

۶۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے رشتہ کے متعلق جو نواب محمد عبداللہ خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی سے قرار پایا تھا، استخارہ کے لیے فرمایا۔ اور اسی طرح نواب صاحب موصوف نے بھی استخارہ کے لیے لکھا۔ ۲۰۔ نومبر ۱۹۵۰ء کو یہ رویاء دیکھی۔ کہ عزیزہ قدسیہ سلمہا اللہ تعالیٰ بنت نواب صاحب، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب ان پر اسی طرح راضی و خوشی ہیں جس طرح اپنی بیٹی امتہ المجید سلمہا اللہ تعالیٰ پر۔ پھر نواب صاحب کے کمروں کی طرف گیا ہوں اور یوں معلوم ہوا کہ عزیزہ قدسیہ بیگم اپنے والد صاحب کے کمرہ سے نکل کر اندر چلی گئی ہیں۔ اور میں اُن کا رشتہ مرزا مجید احمد صاحب سے موزوں سمجھتے ہوئے نواب صاحب سے کہتا ہوں مجھے آٹھ روپے دے دیں میں تھک گیا ہوں۔

یہ نظارہ رتن باغ لاہور کے مکان میں دکھایا گیا اور ہر دو بزرگوں کو اطلاع دی گئی کہ میرے نزدیک یہ رشتہ موزوں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد نکاح اور رخصتانہ بھی عمل میں آ گیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

۶۴۔ ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی کے متعلق جو میرے بیٹے میجر ڈاکٹر محمد اسحاق کے نام الاٹ ہوئی ہے دعا کی گئی تو ۱۳۔دسمبر ۱۹۵۰ء کو یہ کشف دیکھا: لحاف ٹانکنے کے واسطے تاگا کی ضرورت ہے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سا دھاگہ حاصل کیا ہے۔فرماتے ہیں مجھے بھی ایک شخص نے بھیجا ہے اور مجھے وہ کہتا ہے کہ آپ اپنے کاغذ پر فلاں شخص کے دستخط کرادو۔میں کہتا ہوں،وہ کہتے تھے وہی دستخط کرادیں گے۔یعنی آپ۔اس پر وہ حاکم میری رعایت کرتے ہوئے مجھے دھاگہ دے دیتا ہے۔میں اس کو دعا دیتے ہوئے آگیا۔(اور دل میں کہتا ہوں) گو تھوڑا دیا ہے مگر میرے لیے کافی ہے۔چنانچہ اس کے بعد کوٹھی کے کرایہ وغیرہ کا معاملہ بخیر و خوبی طے پا گیا۔

۶۵۔ ۲۳۔دسمبر ۱۹۵۳ء کو دیکھا چار پائی پر لیٹا ہوا ہوں ایک سانپ میرے سر کی طرف آرہا ہے اور ڈسنا چاہتا ہے۔میں نے اُسے ہاتھ سے پکڑ کر کچل دیا ہے اور وہ مر گیا ہے۔اس وقت میں نے عزیز ڈاکٹر محمد اسحٰق بقاپوری کی کامیابی کے واسطے دعا کی تھی۔اس سے اس کو اطلاع دی گئی چنانچہ وہ بفضلِ تعالیٰ اپنے مقصد میں اخیر فروری ۱۹۵۴ء سے کامیاب ہو گیا ہوا ہے۔

۶۶۔ ۲۴۔مئی ۱۹۵۱ء رویاء میں دیکھا کہ حج بیت اللہ کے لیے جا رہا ہوں اور قریب پہنچ گیا ہوں لیکن بیت اللہ کی عمارت مجھے نظر نہیں آتی۔میرے ہمراہ میری بیٹی مبارکہ بیگم بھی ہے۔ایک شخص کہتا ہے ابھی تو (تنعیم) بھی آنا ہے۔میں نے ایک منارہ مسجد شاہی لاہور کی طرح اور صفا و مروہ پہاڑیاں دیکھیں۔

۶۷۔ ۱۵۔جولائی ۱۹۵۱ء دیکھا کہ میں بقاپور براستہ ایمن آباد جا رہا ہوں کہ مجھے یاد آیا کہ فلاں ضروری کاغذ رہ گیا ہے اس کے لانے کے لیے واپس لوٹا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ اب ایک دن بعد بقاپور جا سکوں گا۔

بقاپور جانے کی تعبیر دارِ آخرت کو جانے کی معلوم ہوتی ہے۔ضروری کاغذ سے مراد دین کے اہم کام ہیں۔جن کے سرانجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت بخشی ہے۔ایک دن سے کتنی مدت مراد ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ممکن ہے ضروری کاغذ سے مراد 'حیات بقاپوری' کی اشاعت ہو۔

۶۸۔ ۱۰۔دسمبر ۱۹۵۲ء کو جب میں نیند سے بیدار ہوا تو زبان پر جاری تھا: پچونجہ ۵۵ چھونجہ ۵۶ (پچپن چھپن)۔ ممکن ہے ان سالوں میں کوئی اہم واقعہ ہو۔ بعد میں واقعات کی رو سے الہام کی حقیقت کا انکشاف یوں ہوا کہ ۱۹۵۵ء میں جب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بسلسلہ بیماری علاج کے لیے یورپ تشریف لے گئے تو حضور کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر باغیانِ خلافت نے جماعت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کر دی اور واپس تشریف لانے پر حضور نے ۱۹۵۶ء میں اس فتنہ کی آگ کو بجھا دیا جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ اور ان فتنہ پردازوں کو جماعت سے خارج فرما کر اس رِستے ہوئے ناسور کے زہر سے جماعت کو پاک و مصفا فرما دیا۔

اللھم صل وسلم و بارک علیٰ محمد و آل محمد وعلی عبدکَ المسیح الموعود و آلہ و خلفائِه.

۶۹۔ ۱۵۔مارچ ۱۹۵۳ء کو میں نے صبح سات بجے حضرت مولوی راجیکی صاحب کے گھر سے چائے پینے کے لیے منگوائی۔ تو مکرم عزیز احمد صاحب راجیکی مجھے چائے پلانے کے لیے اپنے گھر سے ناشتہ لائے اور فرمایا۔ میں اس لیے چائے پلانے کے لیے آیا ہوں کہ رات مجھے اللہ تعالیٰ نے خواب میں فرمایا ہے۔ ''مجھے چائے پلاؤ''۔

۷۰۔ ۱۶۔فروری ۱۹۵۴ء کو دیکھا کہ بقاپور کی مسجد میں پرالی بچھی ہوئی ہے اس میں سانپ ہے۔ میرے ہاتھ میں ایک تنکا ہے میں اس کے مارنے کے لیے کوئی لکڑی ڈھونڈتا ہوں کہ وہ غائب ہو گیا۔ یکا یک وہ پھر حرکت کرنے لگا اور پرالی پر دوڑنے لگا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ تنکا جو میرے ہاتھ میں تھا وہ ایک لوہے کی سلاخ بن گئی ہے جس کے ایک سرے پر تاروں کا گچھا ہے کہ اتنے میں وہ سانپ پھر حرکت کرنے لگا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو ایسا گم ہوا کہ اس کا کوئی نشان ہی نہیں اور میں اس کی طرف سے بےفکر ہو گیا۔

یہ خواب اس طرح سے پوری ہوئی کہ ۱۸۔فروری ۱۹۵۴ء کی رات کو مجھے سخت ضعف قلب کا دورہ ہوا۔ پہلی دفعہ دوا دینے سے قدرے افاقہ ہوا۔ پھر دورہ ہوا، پھر افاقہ ہوا، پھر تیسری دفعہ سخت دورہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بکلّی آرام آ گیا۔ الحمد للہ۔

۷۱۔ ۱۲۔دسمبر ۱۹۵۱ء کو دیکھا کہ احمدی جنگ کر رہے ہیں۔ میں نے بھی لوہے کے ہتھیار سے ایک دو مخالفوں کا خون بہایا ہے اور دل مطمئن ہے۔

۷۲۔ ۱۳۔مارچ ۱۹۵۰ء کو دیکھا احمدیوں کی فوج لڑائی کے لیے جارہی ہے اور سکھوں کی فوج بھی ہے وہ بھی تیاری کررہی ہے۔ مجھے ایک سکھ نے لسی پلائی ہے اور دوسرے دو سکھ لوہے کا کوئی ٹکڑا گرم کر کے میری پنڈلی پر لگاتے ہیں مگر مجھے اس کی جلن محسوس نہیں ہوتی وہ مداہنت کے طور پر مجھ سے خوشامد بھی کرتے ہیں۔ میں اپنی گھڑی اسباب اور سوٹا جو بہت عمدہ ہے ان سے مانگتا ہوں۔ دینے کو کہتے ہیں۔

۷۳۔ ۱۴۔مارچ ۱۹۵۰ء دیکھا شدید لڑائی کی وجہ سے احمدی جماعت قادیان میں مصروف جنگ ہے اور تکلیف میں ہے۔ پھر نقشہ بدل گیا۔

۷۴۔ ۲۰۔اپریل ۱۹۵۳ء کو مکرمہ بھابی زینب نے آکر کہا کہ حضرت امی جان نے آپ کو (خاکسار بقاپوری کو) کہا ہے کہ عزیز ناصر احمد اور اس کے چچا جان کی رہائی کے واسطے دعا کریں اور جو اللہ تعالیٰ سے اطلاع پائیں اس سے مطلع کریں۔ اس پر خاکسار نے رات کو دعا کرنی شروع کی۔ دعا کررہا تھا کہ زبان پر جاری ہوا:

'پانچ دن یا پانچ ہفتہ یا پانچ ماہ'

صبح اس خوشخبری کی اطلاع حضرت محترمہ آپا جان اُم ناصر احمد صاحبہ کو مکرمہ بھابی زینب کی زبانی پہنچادی گئی۔ الحمدللہ کہ پورے پانچ ہفتہ گذرنے پر ہر دو حضرات صاحبزادگان.... بفضلِ تعالیٰ رہائی پاگئے اور مکرم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ دس ۱۰ رمضان المبارک مطابق ۲۵۔مئی ربوہ تشریف لے آئے۔ الحمدللہ علی ذالک۔

۷۵۔ ۹۔ستمبر ۱۹۵۵ء مجھے مکرم چوہدری محمد شریف صاحب باجوہ وکیل منٹگمری کا خط موصول ہوا کہ ہمارا گاؤں اس سیلاب کی زد میں آرہا ہے جو دیہات کو گراتا آرہا ہے۔ اب سوائے دعا کے کوئی چارہ نہیں۔ آپ اس کے بچاؤ کے لیے دعا فرمائیں۔ میں نے دعا کرنی شروع کی۔ دوسرے تیسرے دن میں نے خواب دیکھا کہ میں ان کے گاؤں کے باہر کھڑا ہوں۔ سیلاب اُن کے گاؤں کے نزدیک آگیا ہے اور اسے گرانے لگا ہے۔ یہ دیکھ کر میں کہتا ہوں، "اے خدا تو اس گاؤں کو بچالے کیونکہ یہ احمدیوں کا گاؤں ہے۔" اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سیلاب وہیں کھڑا ہو گیا ہے اور گاؤں صحیح سالم بچ گیا ہے۔ چنانچہ گاؤں کا سیلاب سے بچنا غیر احمدیوں کے لیے احمدیت کی صداقت کا ایک نشان کئی مہینوں تک رہا۔ اس بارہ میں چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری کا جو خط مجھے آیا وہ یہ ہے:۔

مکرمی محترمی حضرت بقاپوری صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آپ کا گرامی نامہ مل گیا تھا۔اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آپ کی دعا سے اس نے ہمارا گاؤں بچا لیا۔

محمد شریف وکیل منٹگمری ۲۷۔اکتوبر ۱۹۵۵ء

۷۶۔ ۲۵۔مارچ ۱۹۵۰ء کو دیکھا۔مولا بخش صاحب باورچی مجھے کہتے ہیں کہ نواب عبداللہ خان صاحب نے کہا ہے اپنا نام لکھ کر بھیج دو۔انہوں نے ناموں کی فہرست کل صبح منگوائی ہے۔میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے نام بھیجنے کی ضرورت نہیں۔کیونکہ میں نواب صاحب سے کل خود ملاقات کر آیا ہوں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے فہرست انعام دینے کے لیے منگوائی ہے۔یہ خواب اس طرح پوری ہوئی کہ اس کے چند دن بعد جب میں اُن کی مزاج پُرسی کے لیے گیا تو آپ نے مجھے ۱۵ روپے دیئے۔فجزاہم اللہ تعالیٰ

۷۷۔ ۵۔فروری ۱۹۵۰ء کو دیکھا میں درس دے رہا ہوں۔خان صاحب فرزند علی صاحب بھی کھڑے سُن رہے ہیں۔میں نے اس طرح درس دیا ہے کہ نماز سب سے بڑی عبادت ہے پھر زکوٰۃ ہے۔آج کل زکوٰۃ ایک اعلیٰ عبادت ہے۔اور زکوٰۃ کے علاوہ چندہ ہے اور جب تک یہ چندہ نہ دیا جائے نماز میں خشوع خضوع پیدا نہیں ہوتا۔جس طرح نماز کے لیے وضو ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ کے لیے چندہ ضروری ہے۔

۷۸۔ حاجی عبدالکریم صاحب کراچی والے جو ایک مخلص احمدی ہیں جن دنوں سکھر میں ہیڈ کلرک تھے۔ایک دفعہ میں دورہ کرتے ہوئے اُن کے پاس آیا تو وہ بہت تشویش کی حالت میں گھر سے باہر میرے ملنے کے لیے نکلے، دریافت کرنے پر انہوں نے کہا۔ابھی ابھی میری بیوی کو نرس دیکھ کر گئی ہے اس کو دردِ زہ شروع ہے۔نرس کہہ گئی ہے اس کا کوئی علاج نہیں یہ درد اسی طرح ہوتا رہے گا۔اسی وقت اللہ تعالیٰ کی تحریک سے میں نے کہا ایک گلاس میں پانی لاؤ جتنا کہ مریضہ پی سکے تاکہ میں اُس پر دم کردوں اور اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے امید ہے کہ شفا ہوگی۔اور ڈاکٹری علم ظنّی ہے اس پر اتنا یقین نہیں کرنا چاہیے۔چنانچہ وہ شیشہ کے گلاس میں پانی لے آئے۔میں نے اس پر بڑی توجہ اور تضرّع سے سورۃ فاتحہ اور دوسری چند دعائیں پڑھ کر دے دیا۔ان کا بیان ہے کہ ابھی گلاس کا سارا پانی نہ پیا گیا تھا کہ درد جاتا رہا۔اور دو دن تک درد نہ ہوا۔تیسرے روز دردِ زہ ہوا اور صحیح وسلامت بچہ پیدا ہوگیا۔الحمد اللہ تعالیٰ

اوّلاً واخراً ظاهراً و باطناً له الثناء والمجد والکبریاء بیده الخیر وَھُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر.

۷۹۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب شفامیڈیکو مارکیٹ روڈ۔نواب شاہ سندھ۔۔۔۔۔ایک خط میں لکھتے ہیں:

’آخر میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جو معجزہ کا رنگ رکھتا ہے۔آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے دو سال قبل ایک شخص شیخ اقبال کے متعلق دعا کے لیے عرض کیا تھا کہ یہ شخص میرے برخلاف کوشش کر رہا ہے۔آپ نے بعد دعا فرمایا تھا کہ اس پر ادبار آئے گا۔چنانچہ اس کے ایک ماہ بعد اس کا جوان لڑکا بندوق کی گولی لگنے سے فوت ہوگیا تھا۔اب دو ماہ قبل میں نے آپ کی خدمت میں پھر اسی شیخ اقبال کے متعلق عرض کیا تھا کہ وہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتا۔آپ نے بعد دعا فرمایا تھا کہ اس کو تنبیہہ کردی جاوے۔یعنی آپ کی طرف سے۔اگر وہ باز نہ آیا تو اس کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔چنانچہ کل خبر آئی ہے کہ شیخ اقبال خود موٹر کار چلا رہا تھا کہ راستہ میں ٹکر ہوگئی اور موقعہ پر فوت ہوگیا اور باقی آدمی بچ گئے۔اس نے شراب پی ہوئی تھی۔یہ کس قدر عظیم الشان نشان ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت دعا کا کھلا کھلا ثبوت۔

آپ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی اور صحت والی عمر عطا فرمادے۔تاکہ میرے جیسے گنہگار آپ کی دعاؤں سے متواتر مستفید ہوتے رہیں۔‘

۸۰۔ ۸۔مئی ۱۹۴۲ء کو خاکسار نے رؤیا میں دیکھا کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب (جو سپلائی ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا نیو دہلی میں اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے تھے) کو چھنگلی پر بچھو نے کاٹا ہے۔میں کہتا ہوں کہ کوئی فکر کی بات نہیں چھنگلی کو پانی میں ڈال دو۔

اس رؤیاء کی اطلاع شیخ صاحب موصوف کو کردی گئی اور ساتھ ہی تعبیر بھی لکھ دی گئی۔کہ کوئی حاسد آپ کی ترقی میں روک ڈالیگا۔مگر شیخ صاحب نے بجائے اس کے کہ توبہ و استغفار اور صدقہ و خیرات کرتے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔

۸۱۔ آخر جولائی ۱۹۴۲ء میں شیخ محمد عبداللہ صاحب کا خط آیا۔کہ افسوس کہ میں نے آپ کی خواب پر توجہ نہ کی۔واقعی اندر ہی اندر ایک حاسد ہندو نے میری ترقی میں روک ڈال دی اور کسی دوسرے ہندو کو ترقی دے دی۔جو در اصل میرا حق تھا۔اب خدا تعالیٰ کے لئے میرے حق میں دعا کریں۔میں نے اُن کے لئے جناب الٰہی میں دعا کی۔

۲۶۔ جولائی ۱۹۴۲ء کو میں نے ایک رؤیاء دیکھی جس کی تعبیر یہ تھی۔ کہ اگر وہ بھی نیکی کا کام کرے یعنی میرے لڑکے محمد اسمٰعیل کو ترقی دے دے جو اس کا حق ہے تو اس کو بھی ترقی مل جائے گی۔ شیخ صاحب کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عزیز محمد اسمٰعیل کو بھی ترقی ہوگئی اور شیخ صاحب کو بھی وہی عہدہ سیکرٹری کا خدا تعالیٰ کے فضل سے مل گیا۔

۸۲۔ دعا کرتے وقت اگر طبیعت میں بشاشت ہو اور زبان سے الفاظ بے ساختہ نکلتے جائیں اور طبیعت دعا کی طرف مائل ہو اور اضطراب پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دعا قبول ہوگئی۔ چنانچہ ۱۴۔ جون ۱۹۴۳ء کو میں نے اپنے بیٹے محمد اسمٰعیل بقاپوری کی ترقی کی بابت دعا کی تو ویسے ہی الفاظ بے تکلف مُنہ سے نکلے اور توجہ قائم ہو گئی اور یوں معلوم ہوا کہ گویا الفاظ کہلوائے جاتے ہیں جس سے دل مطمئن ہوا کہ ترقی کے اسباب انشاء اللہ ابھی سے شروع ہو جائیں گے۔ اس کو چاہیئے کہ اطاعت وانابت اختیار کرے۔ چنانچہ عزیز مذکور کو اس بات کی اطلاع کر دی گئی۔ الحمدللہ کہ ۱۹۵۱ء سے ترقی پا کر سپرنٹنڈنٹ ہو گئے ہیں۔

۸۳۔ ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو رؤیا میں دیکھا کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مکان پر حضرت میاں بشیر احمد صاحب قبلہ اور خاکسار حضور انور کے ہمراہ کھانا کھا رہے ہیں۔ کھانے کے بعد محبت آمیز باتیں ظرافت کے رنگ میں شروع ہوگئیں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور کے ہمراہ کھانا کھانے میں مزہ نہیں آتا۔ کیونکہ حضور کے رعب کی وجہ سے حضور کے سامنے کھانا کھانے میں یہی خیال رہتا ہے۔ کہ کہیں اس میں بھی کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

حضور سُنکر خاموش رہے۔ لیکن حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ ہے تو ٹھیک۔ آدمی بے تکلف ہو کر نہیں کھا سکتا۔ گھر کے اندر سے ایک ملازم کو بلایا گیا۔ جو میرے ساتھ کچھ باتیں کر کے چلا گیا تھا۔ میں اسکو چمیاری کے نام سے آوازیں دیتا ہوں۔ حضور انور میری طرف تعجب سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اُس کا اصل نام مجھے آتا نہیں اور اس فرضی نام سے اس کو بلاتا ہوں۔ میں نے اس پر سہارنپور کا مندرجہ ذیل واقعہ سنا کر حضور انور کو بتلایا کہ جہاں میں فرضی باتیں بھی بنالی جاتی ہیں۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

سہارنپور کا واقعہ یہ ہے کہ کچہری میں ایک مسل خوان تھا۔ جو کیسی ہی شکستہ خط کی مسل ہو وہ اپنی طرف سے عبارت بنا کر سُنا دیا کرتا تھا۔ وکلا نے مشورہ کر کے ایک صاف فلسکیپ کاغذ پر لکیریں الفاظ کی طرز پر کھینچ کر مسل میں

رکھ دیا۔لیکن مسل خواں نے ان لکیروں کے بھی کچھ نہ کچھ الفاظ بنا کر مسل پڑھ کر سُنا دی۔

یہ رؤیا اس طرح پوری ہوئی کہ اس سے ایک دن قبل میں نے مولوی محمد علی صاحب کے خطبہ کا جواب لکھا تھا۔جس میں انہوں نے ستمبر ۱۹۴۹ء کے آخری ایام میں بعض فرضی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔

نیز ۲۲۔فروری ۱۹۵۴ء کو بھی یوں پوری ہوئی کہ مولوی کرم الٰہی ظفر صاحب مبلغ کے ولیمہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو منتظمین ولیمہ نے دیر سے بارہ بجے بلایا۔حضور نے تشریف لاتے ہی فرمایا کہ میں نماز کے لئے کھانا میں ہی اُٹھ کر چلا جاؤں گا۔لہذا پہلے ہی دعا مانگ لی جائے۔دعا مانگنے کے بعد میں نے کچھ اضطراب کے کلمے عرض کئے۔جس سے میرا مقصد یہ تھا کہ حضور کے اُٹھنے سے ہمیں بھی اُٹھنا پڑیگا۔حضور نے فرمایا مولوی صاحب میں کوئی مولوی نہیں ہوں کہ کھانے کے لئے نماز ضائع کردوں۔میں نے عرض کیا کہ میں بھی حضور کے ساتھ ہی چلا جاؤں گا کیونکہ نیت اور وضو کر کے آیا ہوں کہ آج ظہر کی نماز حضور کے پیچھے پڑھوں گا۔چنانچہ کھانا آیا تو میں جلدی جلدی کھانے لگا۔حضور نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب آہستہ آہستہ کھائیں اور لقمے بھی چھوٹے چھوٹے لیں۔نیز فرمایا کہ مولوی صاحب آپ بے شک اطمینان سے کھائیں میں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے۔ہم دوبارہ بھی دعا کر کے اٹھیں گے۔

۸۴۔ ۱۰۔اگست ۱۹۵۳ء کو رؤیا میں دیکھا کہ میں نواب محمد عبداللہ خاں صاحب سے کہتا ہوں، باتوں سے کچھ نہیں بنتا جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے سرٹیفکیٹ نہ مل جائے۔مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ سرٹیفکیٹ ملا ہے: اِنَّا للہ و اِنَّا الیہ راجعون۔یعنی رضاء بالقضاء کا مقام۔اس میں عسر یسر، صحت و بیماری میں قلب مطمئن رہتا ہے۔ الحمدللہ کہ حضرت مسیح موعود السلام کی توجہ اور دعا کی برکت سے مجھ پر یہ انعام الٰہی ہے۔اس کے حصول کے لئے ایمان باللہ کے ہمراہ عاشقانہ اور مجاہدانہ عملی قدم اٹھانا ضروری ہے۔

۸۵۔ ۲۴۔نومبر ۱۹۵۳ء بلڈ پریشر کے دورہ کی وجہ سے طبیعت میں سخت گھبراہٹ تھی اور خیال تھا کہ عمر قریب الاختتام ہی معلوم ہوتی ہے۔غنودگی میں زبان پر جاری ہوا: ہَلْ لَبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ۔آنکھ کھلی تو بفضلہٖ افاقہ تھا۔

نوٹ: مجھے اپنی عمر کے متعلق مختلف خوابیں آ رہی ہیں۔جن کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کی عمر میں زیادتی بھی کر دیتا ہے۔ حدیثوں میں بھی آتا ہے کہ صدقہ وخیرات اور نیکی اور تقویٰ سے عمر بڑھتی ہے۔

۸۶۔ ۱۴۔جنوری ۱۹۵۴ء دیکھا کہ میں کچھ پڑھ رہا ہوں۔ آنکھ کھلی تو زبان پر جاری تھا: وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔

۸۷۔ دیکھا زمین پر چاند کی بڑی تیز روشنی ہے جو چودھویں رات کی روشنی سے بھی زیادہ تیز ہے۔ ایک نوجوان لڑکا چاند کی طرف پرواز کر رہا ہے۔ میں بھی اُس کے ہمراہ ہو گیا ہوں۔ آسمان کی طرف اُڑتے اُڑتے بہت اونچے چلے گئے ہیں۔ کشتی کی طرح لوہے کی سواری ہے جو ہمیں اوپر لے جا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکا یا کوئی اور آدمی کہتا ہے۔ کہ اتنا اونچا پرواز کر چکے ہو مگر آسمان اور چاند کی بلندی کا وہی حال ہے۔ میں کھڑے ہو کر باہر کی طرف اوپر کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں چاند اور بادل قریب آ گئے ہیں۔ میں نے اُس لڑکے سے وہ رسی جس کے ذریعہ ہم پرواز کر رہے ہیں اپنے ہاتھ میں لے لی اور خوب تیزی سے پرواز کرنے لگا ہوں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسی جو میرے ہاتھ میں ہے وہ ڈور ہے اور چاند پتنگ کی طرح ہے۔ اِس میں مثالی رنگ میں سمجھایا گیا ہے کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً کی پیروی میں ہی بلندی حاصل ہو سکتی ہے۔

۸۸۔ ۱۸۔مارچ ۱۹۵۴ء عزیز نور علی صاحب کے لئے نرینہ اولاد کی دعا کی۔ لڑکا ہونے کی بشارت پائی جو اُسے سُنا دی۔ پھر مورخہ ۱۸۔جون ۱۹۵۴ء مندرجہ ذیل خط آیا:

محترمہ ہمشیرہ صاحبہ و مولوی صاحب دام فیوضکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ سُنکر خوش ہوں گے کہ ۱۴، ۱۵ جون ۱۹۵۴ء کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے پوتا عطا فرمایا ہے آپ کو مبارک ہو۔ مولود کی پیدائش ہمارے ایمان کو بھی تازہ کرتی ہے۔ کہ اُس کی پیدائش سے دو تین ماہ پہلے حضرت مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

والسلام یوسف علی از لاہور۔ ۱۷۔۶۔۵۴

۸۹۔ ۱۱۔مئی ۱۹۵۰ء کو رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور چوہدری نصر اللہ خاں صاحب شیخ نیاز محمد صاحب مرحوم سے میری کتاب حیات بقاپوری* کے متعلق کچھ فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کتابت میں گو نقص ہیں۔لیکن اس کا ہر ایک واقعہ سینکڑوں روپے سے زیادہ قیمت رکھتا ہے۔اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی اور میں خوش ہوں۔کیونکہ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو اپنے خدام سے کس قدر ہمدردی ہے۔(*نوٹ: حیاتِ بقاپوری حصہ اوّل)

۹۰۔ رمضان المبارک مطابق ۱۲۔مئی ۱۹۵۰ء کو رات کے دو اڑھائی بجے کے قریب جب میں بستر پر لیٹا ہوا تھا تو ایک عجیب نظارہ دیکھا۔حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی جن کے باورچی خانہ کی دیوار میرے موجودہ مکان واقعہ ربوہ کے صحن کی طرف ہے۔اس کی منڈیر پر میں نے ایسی تیز روشنی دیکھی جو چودھویں رات کی چاندنی سے بھی زیادہ روشن تھی۔یہاں تک کہ منڈیر کے ذرات تک بھی نظر آرہے تھے۔یہ نظارہ میں دو تین منٹ تک دیکھتا رہا۔پھر میں نے اپنی اہلیہ کو آواز دی کہ دیکھو حضرت مولوی صاحب موصوف کے باورچی خانہ کی منڈیر پر کس قدر نور برس رہا ہے۔لیکن جب میں نے دوبارہ منڈیر کی طرف مُنہ کیا تو وہ روشنی غائب تھی۔میری اہلیہ نے کہا کہ وہ روشنی تو کہیں نہیں۔البتہ اُن کے باورچی خانے کی انگیٹھی سے روشنی آرہی ہے وہ سحری پکا رہے ہیں۔اِس سے میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تجلیات مؤمن کو دکھائی جاتی ہیں۔وہ انسانی اعمال کے روحانی ثمرات ہی ہوتے ہیں۔یعنی وہ نور جو مجھے مولوی صاحب موصوف کے باورچی خانے کی منڈیر پر دکھایا گیا۔وہ اُن کے سحری تیار کرنے کے نتیجہ میں ظہور میں آیا اور مجھے بھی دکھایا گیا۔یہ نظارہ میں نے عین بیداری کی حالت میں دیکھا۔

۹۱۔ ۱۱۔مئی ۱۹۵۰ء مطابق ۱۵۔رمضان المبارک حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے فرمایا کہ آج رات جب میں آپ کی زخم چشم کی شفاء کیلئے دعا مانگ رہا تھا تو مجھ پر کشفی حالت طاری ہوئی اور میں دیکھتا ہوں کہ ایک نور کا دریا بہہ رہا ہے اور اس میں آپ کو لے جا کر غوطے لگوا کر نہلا رہے ہیں اور آپ خود بھی غوطے لگا کر نہاتے ہیں۔اس لئے میں نے سمجھا کہ یہ بیماری آپ کے لئے بڑی مبارک ہے۔

۹۲۔ ۲۲۔مئی ۱۹۵۵ء کو دیکھا کہ ایک کھیت جس میں کچھ بویا ہوا ہے اسکی نلائی یعنی گوڈی حضرت میاں بشیر احمد صاحب قبلہ ایک بڑی کدال سے کر رہے ہیں اور اُن کے مقابل میں میں بھی ایک چھوٹے سے کھرپے سے گوڈی کر رہا ہوں۔لیکن حضرت میاں صاحب کے مقابلے میں میں نے تھوڑی سی زمین کی نلائی کی ہے کہ سانس پھول گیا ہے۔اور آپ ماشاء اللہ خوب کدال چلا رہے ہیں اور بہت سا حصہ کھیت کا گوڈ لیا ہے کہ آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا عملی قدم باقی لوگوں سے کہیں زیادہ مجاہدانہ اور عاشقانہ ہے۔یعنی وہ اپنے دینی کاموں میں ہم سے بہت زیادہ تیز قدم ہیں۔

۹۳۔ ۲۳۔مئی ۱۹۵۵ء مطابق ۱۹ رمضان المبارک بعد نماز مغرب برادرم مکرم حضرت مولوی راجیکی صاحب غریب خانے پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں آپ کی صحت کے لئے دعا کر رہا تھا کہ مجھے القاء ہوا کہ مولوی بقاپوری کو کہدو کہ وہ اپنی موت کا ذکر بار بار اپنی بیوی سے نہ کیا کریں کہ اس سے اُن کو تکلیف ہوتی ہے۔

۹۴۔ ۲۹۔مئی ۱۹۵۵ء دیکھا کہ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود اندر سے مسجد کے صحن میں تشریف لائے ہیں۔ حضور کی ریش مبارک لمبی ہے۔آپ اس طرح بیٹھے ہیں کہ چہرہ مُبارک شمال کی طرف ہے اور بایاں گھٹنا کھڑا ہے۔ اور دایاں بچھا ہے۔خاکسار جس مکان کے اندر تھا وہاں سے حضرت صاحب خاکسار کو صحن میں نظر آتے ہیں۔جب میں حضور کے پاس آیا تو آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر محبت سے فرمایا کہ چوٹ لگنے سے آنکھ میں کمزوری تو نہیں ہو گئی۔میں نے عرض کیا کہ نہیں ڈاکٹر صاحب نے کالی عینک لگانے کو کہا ہے اس سے نظر کم آتا ہے۔لیکن ٹھنڈک پہنچتی رہتی ہے۔حضور کو ہماری اعمالی کمزوریوں کی وجہ سے مغموم دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ حضور ہماری غلطی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار و برکات حاصل کرنے کے لئے عشق و محبت سے مجاہدانہ قدم نہیں اٹھاتے۔یہ اس کا سراسر فضل اور احسان ہے کہ وہ ہمارے قلوب کو اپنا جلوہ گاہ بنانا چاہتا ہے۔ورنہ انسان اور خدا تعالیٰ کی نسبت ہی کیا ہے۔میں دیکھتا ہوں کہ اس طرح کے کلمات بیان کرنے سے حضور خوش ہیں کہ ہماری جماعت میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو حقیقت شناس ہیں۔دوسری طرف میں اپنے قلب میں دیکھتا ہوں کہ جس طرح بلب میں بجلی کی تاریں روشن اور چمکدار ہوتی ہیں اسی

طرح روشن تاروں نے میرے قلب کو منور کر دیا ہے اور اس میں ایک روشنی اور وسیع میدان پیدا ہو گیا ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ جس جگہ حضرت مصلح موعود تشریف فرما ہیں، اُسی جگہ حضرت سبحانہٗ میرے قلب پر نازل ہونے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

۹۵۔ چند روز سے میری طبیعت ضعفِ قلب کی وجہ سے خراب ہو رہی تھی۔ کہ ۲۵۔ جون ۱۹۵۴ء میری بیوی نے بوقت صبح خواب میں دیکھا کہ ایک شخص باہر سے ہمارے مکان کے اندر آیا۔ اور اُس کے معاً بعد دوسرا شخص بھی آ گیا ہے۔ دوسرا پہلے کو کہتا ہے کہ تم کون ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں ملک الموت ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ ملک الموت نے کہا کہ میں اپنا کام کرنے آیا ہوں۔ دوسرا شخص جو مجھے جبرائیل فرشتہ معلوم ہوتا ہے، اُسنے کہا کہ تمہارا ابھی یہاں کوئی کام نہیں۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ اور میں بفضلہٖ تعالیٰ اُسی دن تندرست ہو گیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

۹۶۔ ۷۔ جولائی ۱۹۵۴ء خاکسار حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی بیماری کی تشویشناک حالت اخبار الفضل میں پڑھ کر آپ کی صحت کے واسطے دعا کر رہا تھا کہ آواز آئی:

'جا کر تو دیکھو'

مجھے تسلی ہوئی کہ جو حالت میں نے اخبار میں پڑھی ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی۔ آج ۹۔ جولائی کو لاہور جا کر صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پندرہ منٹ تک ملاقات رہی۔ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ صاحب کی طبیعت بہتر پائی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

۹۷۔ ۹۔ جولائی ۱۹۵۴ء میرے لڑکے عزیز میجر محمد اسحاق صاحب ایم بی بی ایس نے میرے لاہور جانے پر مجھے بتلایا کہ محکمانہ امتحان میں میرا ۷۔ جولائی کا پہلا پرچہ خراب ہوا ہے۔ اور عزیز نے اس پر گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ میں نے رات کو دعا کی تو لکھا ہوا دیکھا۔ ' نتجاوز عن سیئاتھم '۔ صبح عزیز کو اطلاع دی گئی لیکن عزیز کی پوری تسلی نہ ہوئی اور جوں جوں اُس کے دوسرے پرچے اچھے ہوتے گئے پہلے پرچہ کے متعلق افسوس بڑھتا گیا۔ جب

میں نے زیادہ توجہ کی تو دوبارہ میں نے پندرہ جولائی کو دو دفعہ آیت مذکورہ موٹے الفاظ میں لکھی ہوئی دیکھی۔ صبح اُن کو میں نے تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تم اعلیٰ نمبروں میں پاس ہو گے۔ چنانچہ عزیز اعلیٰ نمبروں میں پاس ہو گیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

۹۸۔ ۲۱۔ جولائی ۱۹۵۴ء عزیز مکرم مولوی نورالدین صاحب منیر بی۔ اے۔ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں ایک خطرناک مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ آپ میرے لئے دعا کریں۔ میں اُن کے لئے دعا کر رہا تھا کہ مجھے یہ آواز آئی کہ:

'اساں چھڑوا دینا ہویا کہ'

عزیز مذکور کو اس سے اطلاع دی گئی۔ الحمدللہ کہ عزیز کو اس مصیبت سے نجات ہوئی جس کا ذکر وہ اپنے مکتوب ذیل میں کرتے ہیں:

''مجھ پر ایک مصیبت آپڑی تھی جس میں خطرہ تھا کہ مجھے حوالہ پولیس کر دیا جائیگا۔ حالانکہ میں بے گناہ تھا۔ میرے دل میں اضطراب کا ایک دریا موجیں مار رہا تھا اور اسی کیفیت میں میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بریت کے لئے دعا کی۔ مجھے بزرگان سلسلہ کی خدمت میں بھی دعا کے لئے درخواست کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے مخدومی حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی خدمت میں بھی ۵۴/۷/۲۱ کی شام کو تفصیلی واقعہ بیان کر کے دعا کیلئے عرض کیا۔ مولوی صاحب موصوف نے مجھے ایک رقعہ لکھ کر دیا جو میرے پاس موجود ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اطلاع دی ہے کہ 'اساں چھڑوا دینا ہویا کہ' یعنی ہم اس کے بری کر دیں گے چنانچہ انہوں نے مجھے تسلی دی کہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بعد میں واقعات کچھ اس طرح پلٹا کھا گئے کہ مجھے الزام سے بری قرار دیا گیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔''

(نورالدین منیر)

۹۹۔ ۱۶۔ مارچ ۱۹۳۹ء دیکھا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے میرے واسطے موٹر بھیجی ہے۔ میں اس پر سوار ہو کر جہاں جانا تھا گیا ہوں۔ اُسوقت میں نے نماز تہجد کے بعد عزیز محمد اسمٰعیل کی ملازمت کیواسطے دعا کی تھی۔ الحمدللہ کہ نومبر ۱۹۴۰ء کو چوہدری صاحب کے دفتر دہلی میں ملازمت مل گئی۔

۱۰۰۔ ۲۔اکتوبر ۱۹۴۰ء دیکھا کہ محمد اسمٰعیل بقاپوری وائسرائے کی اسمبلی کے ممبروں میں بصورت ملازمت شامل ہے۔اُسوقت میں نے اسکی ملازمت کے لئے دعا کی تھی۔الحمدللہ کہ عزیز محمد اسمٰعیل نومبر ۱۹۴۰ء میں ملازم ہوگیا۔

۱۰۱۔ ۱۰۔اکتوبر ۱۹۴۰ء دیکھا کہ محمد اسحاق بقاپوری کو میں نے محنت کرنے کیلئے سختی سے ڈانٹا ہے اور مارا بھی ہے۔وہ کہتا ہے اگر سختی کروگے تو میں محنت نہیں کرونگا یا کہا کہ میں امتحان میں پاس نہیں ہوں گا۔میں کہتا ہوں پاس نہ ہوگے تو نہ ہونا۔چونکہ یہ رؤیاء منذر تھی میں نے دعا کی کہ خدا اس منذر خواب کو مبشر کردے اور میں نے دعا کرنے کے بعد قرآن شریف سے فال نکالی تو یہ آیت نکلی ولئن رددت الیٰ ربی لاجدن خیر منھا منقلباً (۱۸:۳۷) جس سے میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس منذر خواب کو مبشر بنادیا ہے۔الحمدللہ کہ سالانہ امتحان میں عزیز محمد اسحاق بقاپوری دوئم نمبر پر پاس ہوگیا۔

۱۰۲۔ ۱۳۔مئی ۱۹۴۲ء دیکھا میں کسی کو کہتا ہوں میرے لڑکوں محمد اسمٰعیل بقاپوری اور محمد اسحاق بقاپوری نے پاس ہوجانا ہے۔حضرت صاحب بھی دعا کریں تو بابرکت ہے۔میں نے دعا میں کہا تھا کہ یا اللہ دونوں لڑکے اول دوئم نمبر پر پاس ہوں۔الحمدللہ کہ لڑکے دونوں پاس ہوگئے۔لیکن حضرت صاحب سے دعا نہ کرا سکا اس لئے اول دوئم نہ آئے۔

۱۰۳۔ ۶۔اکتوبر ۱۹۴۶ء دیکھا ایک جگہ تبلیغ کے لئے مقرر رہوں۔ بعد نماز عشاء لیکچر دیکر جس میں مرد اور مستورات تھیں چارپائی پر سوگیا ہوں۔فجر کی نماز ادا ہونے کے بعد ایک مقتدی نے کہا کہ حق کو جلدی قبول کرلینا چاہئیے۔حافظ مبارک احمد صاحب میرے طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں مولوی صاحب اس پر روشنی ڈالینگے۔میں آیت شریفہ یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم. واعلموا ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ (۸:۲۵) پڑھکر سُنائی۔لوگ جانے لگے تو میں نے کہا دس پندرہ منٹ سے زیادہ بیان نہیں کرونگا۔سب مقتدی ایک چبوترہ پر بیٹھ گئے۔میں نے کہا۔اول تو قرآنی حکم ہے دیر کرنے سے غیرتِ خداوندی حائل ہوجاتی ہے اور حق قبول کرنیکی توفیق ہی نہیں ملتی۔دوئم اگر قبول کر بھی لے تو جتنی دیر سے انسان قبول کرے گا

ترقی میں کمی ہوگی۔ سوئم لوگوں نے اس کی وجہ سے قبولِ حق نہ کیا اُن کی محرومی کا گناہ اس پر ہوگا۔ پھر نقشہ بدل گیا۔

۱۰۴۔ ۱۰۔اگست ۱۹۵۰ء دیکھا میں اپنی بیوی کو کہتا ہوں بسم اللہ مجرھا و مرسٰھا۔ اُس وقت میں نے ماڈل ٹاؤن لاہور میں اُن کے ربوہ جانے کیلئے کسی ساتھی کے ملنے کیلئے دعا کی تھی۔ چنانچہ ۱۲/۸/۵۰ ربوہ جانے کے لئے ایک نیک بی بی کا ساتھ بن گیا۔

۱۰۵۔ ۱۸۔دسمبر ۱۹۴۳ء دیکھا میں اور میرے بڑے بھائی حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم فوج میں بھرتی ہو کر ایک چار پائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ سورج چڑھ کر وقت ضحیٰ پر چمک رہا ہے۔ میں اُٹھ کر آ گیا ہوں اور برادرم مرحوم وہیں رہے ہیں۔

۱۹۲۴ء میں برادرم موصوف ملکانہ مہم میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ اور ایک عرصے تک وہاں اچھا کام کرتے رہے۔ وہیں بیمار ہوئے اور اپنے وطن بقاپور میں فوت ہو گئے۔ اور میں ۱۹۲۳ء میں انسداد ارتداد کے سلسلے میں سندھ بھیجا گیا اور ۱۹۲۸ء تک سندھ میں تبلیغ کا کام کرتا رہا۔ یہ اس رؤیاء کی تعبیر ہے۔

۱۰۶۔ مئی ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے۔ جبکہ میں جماعت احمدیہ چک ۹۹۔ شمالی علاقہ سرگودھا میں تھا۔ چوہدری غلام رسول صاحب بسرا نے مجھے اپنی زمین کے مقدمے میں کامیابی کے لئے دعا کرنے کو کہا۔ میں نے دعا کی، تو الہام ہوا:

'تنجیک۔ دس ہاڑ'

یعنی دس ہاڑ کو تمہیں فتح ہوگی۔

جس کی اطلاع اسی وقت ان کو کر دی گئی۔ اور خیال یہی تھا کہ دس ہاڑ کو اسی سال فتح ہوگی۔ لیکن مقدمہ نے اتنا طول پکڑا کہ ایک سال کا عرصہ لگ گیا۔ جب دوسرے سال کا ہاڑ کا مہینہ آیا۔ تو عین دس تاریخ کو ان کے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ اور انہیں کے حق میں فتح ہوئی۔ چنانچہ ایک خط میں چوہدری صاحب اس واقعہ کی یاد دہانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحیم نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

۱۹۲۸ء کی بات ہے کہ میری زمین کا مقدمہ سرگودھا میں ڈپٹی کمشنر کے پاس تھا۔ میں نے حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی خدمت میں درخواست کی کہ مقدمہ میں میری کامیابی کے لئے دعا فرمادیں۔ کچھ عرصہ بعد مولانا صاحب موصوف نے مجھے بتایا کہ مجھے الہام ہوا ہے: "جیک دس ہاڑ" یعنی دس ہاڑ کو تمہیں مقدمہ سے نجات ملے گی۔ اور میں دس ہاڑ کا بیتابی سے انتظار کرنے لگا۔ اس الہام کے بعد جب مقدمہ کی تاریخ پر ہم حاضر ہوئے۔ تو مخالف فریق نے صلح کے لئے ڈپٹی کمشنر صاحب سے کہا۔ مگر اس نے انکار کردیا۔ اس کے بعد مقدمہ کی کئی تاریخیں گذر گئیں مگر فیصلہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب دس ہاڑ بھی گزر گیا، تو ہمیں الہام کے بارے میں شک گزرنے لگا۔ آخر کار ایک سال گزر گیا۔ اور اگلے سال مقدمہ کی تاریخ دس ہاڑ مقرر ہوئی اور اس تاریخ کو مقدمہ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا۔ اس دوران میں میں نے بھی صلح کی کوشش کی، مگر ڈپٹی کمشنر نے نہ مانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر کے نہ ماننے میں بھی خدا کا ہاتھ تھا۔ جو کہ اپنے اس الہام کو پوری شان وشوکت سے پورا کرنا چاہتا تھا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

غلام رسول بسرا چک نمبر ۹۹

یکم جنوری ۱۹۵۶ء شمالی سرگودھا

۱۰۷۔ ۲۸۔ نومبر ۱۹۵۰ء کا واقعہ ہے کہ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کے قرضہ کی رقم جو مبلغ بارہ صد روپے میرے ذمہ واجب الادا تھی، مولوی صاحب نے مجھے لکھا کہ آپ اس رقم کی ادائیگی کا جلد انتظام کریں۔ میں نے ان سے مل کر ماہوار اقساط کی صورت میں ادائیگی کا وعدہ کیا مگر اسے آپ نے منظور نہ کیا۔ اور یکمشت وصولی پر اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ یکمشت رقم ادا کریں گے تو اس وقت میں کچھ رقم چھوڑ دوں گا۔ اس موقعہ پر میں نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی طرف توجہ دلائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہ کو فرمایا۔ کہ نصف رقم قرضہ تم چھوڑ دو اور مقروض کو فرمایا کہ نصف کی ادائیگی کا تم انتظام کرو۔ اس فیصلہ نبوی کو میں نے یاد دلا کر کہا کہ اگر آپ نصف رقم چھوڑ دیں تو بقیہ نصف کی جلد ادائیگی کے متعلق میں کوشش کرونگا۔ اس پر آپ نے نہایت خوش اخلاقی کا نمونہ دکھلاتے ہوئے بخوشی منظور کرلیا۔ مگر شرط یہ تھی کہ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۰ء تک رقم ادا کردی جائے۔ بشری کمزوری کے باعث اس پر مجھے سخت فکر ہوا کہ اس قلیل عرصہ میں اتنی رقم کہاں سے مہیا کرسکوں گا۔ آخر آستانہ الٰہی پر گر کر دعا کی تو اثناء دعا مندرجہ ذیل الفاظ زبان پر جاری ہوئے:

'میں اللہ قادر مقتدر ہوں'

جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی غیب سے ادائیگی کی کوئی صورت پیدا فرمادے گا۔ چنانچہ ایسا

ہی ہوا اور چند ہی دنوں میں تین صد روپے کی رقم ایک طرف سے اور تین صد روپے کی رقم دوسری طرف سے مجھے مل گئی۔ اور مقررہ تاریخ سے بہت پہلے یعنی دس ستمبر کو میں نے مبلغ چھ صد روپے خان صاحب کی خدمت میں پیش کر کے قرضہ بے باق کر دیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

۱۰۸۔ ۱۰۔ جون ۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے کہ محترم مولوی غلام رسول صاحب راجیکی میرے مکان پر تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک خط تھا جو ایک شخص نے آپ کو دعا کے لئے لکھا تھا۔ مولوی صاحب موصوف نے مجھے بلا کر کہا کہ اس شخص کے والدین کے ساتھ آپ کے بھی پرانے تعلقات تھے۔ آیئے! ہم دونوں مل کر اس کے لئے دعا کریں۔ چنانچہ ہم دونوں نے دعا کی۔ دورانِ دعا مجھے القاء ہوا:

'کشائش'

جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ میں نے یہ الہام مولوی صاحب کو بتلا دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس شخص کا کام ہو گیا۔ اور اس نے کچھ روپے بطور نذرانہ مولوی صاحب کو بھیجے۔

۱۰۹۔ جب مجھے اس کا علم ہوا۔ تو میرے دل میں بشری کمزوری کی بناء پر یہ خیال آیا کہ دعا میں تو میں بھی شریک تھا۔ مگر نذرانہ یک طرفہ، اس میں کیا راز ہے؟ یہ خیال دل میں آتے ہی آواز آئی:

'تیرا مقام دینا ہے، نہ لینا'

۱۱۰۔ اسی طرح ایک اور بھی واقعہ ہے۔ جبکہ سلسلہ کے ایک بزرگ عالم کو بعض مخیّر حضرات کی طرف سے امداد ملی۔ تو اندرون نفس سے یہ خواہش اٹھی، کہ کاش! یرزقہ من حیث لا یحتسب کے مقام کی مجھے بھی سیر کرائی جاتی۔ اس اندرونی خواہش کے پیدا ہوتے ہی فوراً یہ آواز سنائی دی کہ:

'تیرے لڑکے بھیجتے ہیں'

۱۱۱۔ یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو رؤیاء میں دیکھا کہ میری بیوی غرباء کے لئے دو تین بڑے بڑے تھیلوں میں چھوٹے

چھوٹے تھیلے مٹھائی کے ڈال کر لے جا رہی ہے یہ دیکھ کر میں خوش ہوا کہ الحمدللہ ان کو خدمت مساکین کا بڑا شوق ہے۔

۱۱۲۔ مورخہ ۱۰۔فروری ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے۔ کہ بوقت بارہ بجے دن کے میرے دائیں ہاتھ کے بازو پر فالج کا حملہ ہوا اور اس سرعت سے دماغ کی طرف آ گیا کہ بازو شل ہو گیا۔ میں دعا کرنے لگا تو زبان پوری حرکت نہ کر سکی۔ آخر آسمان کی طرف منہ کر کے دل سے عرض کیا۔ میں اس ذاتِ مہربان پر قربان جاؤں۔ اعجازی طور پر اس سمیع الدعا نے میری دعا سنی۔ اور میں نے دیکھا گویا اس نے لحاف کی طرح بادل اوڑھے میری مدد کے لئے حرکت کی ہے۔ جس سے تسلی ہوئی۔ فالحمدللہ۔ اس واقعہ کی تفصیل میرے لڑکے میجر ڈاکٹر محمد اسحاق نے بھی اپنے ایک خط میں کی ہے:

نقل خط محمد اسحاق صاحب بقاپوری

مورخہ ۱۰۔فروری ۱۹۵۵ء کو ایک دن ۲ر۱۔۱۲ بجے کے درمیان جبکہ میں دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے باورچی نے آ کر کہا۔ کہ بابا صاحب (یعنی والدم صاحب دام ظلہٗ) کی طبیعت خراب ہے۔ اور کہ مجھے گھر میں بلایا ہے۔ چونکہ حضرت والد صاحب کو دل کے دورے کی شکایت رہتی ہے۔ اور میں اس دورے کی اصل حقیقت سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ اس لئے فوراً میں بنگلہ پر پہنچا۔ پہنچنے سے پہلے میرے دل میں مختلف قسم کے خیالات تھے۔ سوچتا تھا کہ شاید حضرت والد صاحب چارپائی پر لیٹے ہوں گے اور فلاں کیفیت ہوگی۔ وغیرہ۔ بنگلہ کے صحن میں جب میں نے حضرت والد صاحب کو چارپائی پر بیٹھے دیکھا جو سامنے میز پر کھانا رکھے تناول فرما رہے تھے، تو میری پریشانی بالکل دور ہوگئی۔ اور میں نے مسکراتے ہوئے آپ سے پوچھا کہ مجھے کیوں بلوایا ہے؟ جب حضرت والد صاحب نے کلام کیا، تو مجھے حد درجہ پریشانی نے گھیرا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کلام ٹھیک طرح سے نہ کر سکتے تھے۔ اور ان پر ہلکے قسم کے فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ امتحان کرنے پر معلوم ہوا کہ دائیں طرف فالج ہے۔ ٹانگ اور بازو پر بھی اثر ہے۔ سوالات سے معلوم ہوا کہ آج دن کو والد صاحب کافی دیر گھومتے رہے ہیں اور کم و بیش چار میل کے قریب چل چکے ہیں۔ اور اس کے بعد غلطی سے ٹھنڈے کمرے میں کچھ عرصہ کے لئے جا بیٹھے ہیں۔ حضرت والد صاحب کو چونکہ بلڈ پریشر کی بھی بیماری ہے اس لئے علاج کی بھی تفہیم ہوئی کہ ایسا فوری اقدام کرنا چاہیئے جو کہ ایک طرف تو جسم کو اوپر سے گرم کرے اور دوسرے بلڈ پریشر کو کم کرے۔ ساتھ ہی جائے متعلقہ پر دوران خون بھی زیادہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا کر کے چارپائی پر لٹا دیا گیا۔ اور جہاں جہاں فالج کا اثر تھا، تارپین کے تیل کی مالش کی گئی۔ اور۔۔۔۔ وغیرہ کا بھی کام لیا گیا۔ ایک دوائی جس سے فوری طور پر کام لیا گیا، نیکوٹینگ ایسڈ کی گولیاں تھیں۔

یہ دوائی چونکہ جسم کے اطراف پر جلدی دوران خون زیادہ کرتی ہے، اس لئے بلڈ پریشر کو کم کرنے میں فوری طور پر کام دیتی ہے۔ بعدۂ آرام اور نیند کا خاصہ انتظام کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا شام تک آپ کی طبیعت بالکل صاف تھی۔ ایسی حالت میں ایک

چیز کا خاص خیال رکھنا چاہیئے ۔ کہ مریض کے دماغ میں فالج کا ڈر نہ بیٹھ جائے ۔ ورنہ یہ صورت خطرناک ہے ۔ الحمد للہ! کہ والد صاحب نے اپنی طبیعت ہشاش بشاش رکھی اور ڈاکٹری مشورہ پر پورا عمل کیا۔

(محمد اسحاق بقاپوری بمقام

پشاور چھاؤنی)

۱۱۳۔ مورخہ ۱۳۔ اگست ۱۹۵۸ء کو حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کے مکان کی تکمیل کی خاطر دعا کر رہا تھا۔ آپ کے مکان کی چھت ابھی باقی تھی، مگر اس کے اخراجات مفقود تھے۔ دعا کرتے ہوئے الہام ہوا:

'سقفًا محفوظًا'

اسی طرح ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کے روزگار کی کشائش کے لئے بھی دعا کی، تو القا ہوا:

'بیڑا پار'

اسی وقت ہر دو صاحبان کو مطلع کر دیا۔ الحمد للہ! کہ چند دنوں کے بعد ہر دو کے مقاصد بفضل خدا پورے ہو گئے۔

۱۱۴۔ مورخہ ۲۴۔ اگست ۱۹۵۸ء کو عزیز صلاح الدین ابن مولوی جلال الدین صاحب شمس کیلئے میڈیکل انٹرویو میں کامیابی کے لئے دعا کی تو میں نے دیکھا کہ عزیز موصوف داخلہ کے لئے فیس ادا کر رہا ہے۔ اسکی اطلاع اسی وقت اس کے نانا جان خواجہ عبید اللہ صاحب کو کر دی گئی کہ انشاء اللہ العزیز موصوف داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔

۱۱۵۔ ایک دفعہ میرے لڑکے محمد اسماعیل پر محکمہ کی طرف سے ایک غلط الزام لگا دیا گیا۔ اور اس کی بناء پر اگست ۱۹۵۸ء میں اسے معطل کر کے اس کی انکوائری شروع ہو گئی۔ اس پر میں نے اس کی باعزت بریت کیلئے دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ جس کے نتیجہ میں متعدد بار بذریعہ رؤیا اور الہاموں کے اس کا انجام مجھے بتایا گیا:

(ا) ایک موقعہ پر دیکھا کہ محمد اسماعیل ریل گاڑی سے اترا ہے اور بہت سفید لباس پہنے ہوئے ہے اور خوشی سے مسکرا رہا ہے۔ اس کے دانت بہت سفید اور چمکیلے ہیں۔ اس سے میں نے سمجھا کہ انشاء اللہ انجام بخیر ہوگا۔

(ب) پھر ایک اور موقعہ پر دیکھا کہ میں ایک گھوڑی پر سوار ہوں۔ جب اسے دوڑانے لگا تو کاٹھی سے

اچھل کر گردن کے قریب آ گیا ہوں۔ اور گھوڑی ٹھیر کر کچھ چرنے لگی ہے اور میں گرا نہیں، بلکہ اطمینان سے گردن پر بیٹھا ہوا ہوں۔ اور دیکھا کہ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی بھی مع ایک شخص کے میرے پاس سے گزرے۔ اور یوں معلوم ہوا کہ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود بھی سامنے سے تشریف لا رہے ہیں۔ اس رؤیا میں مَیں نے ایک آواز سنی کہ:

'وہ بحال ہو جائے گا'

(ج) اسی طرح مورخہ ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو آنکھ کھلی تو زبان پر یہ جاری تھا:

'الحمد لله رب العلمين'

پھر بحالت غنودگی زبان پر جاری ہوا:

'ویعزک' (یا یوں فقرہ تھا) 'ویعزونک'۔ اسی وقت عزیزم محمد اسماعیل کو اطلاع کر دی گئی۔ اور تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تم باعزت بری ہو جاؤ گے۔

(د) نیز ان ہی دنوں میں یہ بھی القاء ہوا:

'فتح بنام اسماعیل'

(ہ) ایک اور موقع پر عزیز کیلئے دعا کرنے پر آواز آئی:

'پانچ ماہ بعد'

جس کی تصدیق واقعات کی رو سے یوں ہوئی۔ کہ ۱۷۔ مئی ۱۹۵۵ء کو انکوائری ختم ہوئی۔ مگر فیصلہ جلد نہ کیا گیا۔ اور حکمت الٰہی سے الہام کی صداقت کے ظہور کی خاطر پورے پانچ ماہ کے وقفہ کے بعد ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو بریت کا حکم سنایا گیا۔

(و) ایک اور موقعہ پر القاء ہوا:

'اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّی'

یعنی مقررہ میعاد تک رہائی پائے گا۔

(ز) نیز ایک موقعہ پر یہ بھی الہام ہوا:

'اَیَّامًا مَّعْدُودَةً'

یعنی رہائی مقدمہ میں گنتی کے دن باقی ہیں۔

(ح) ایک اور موقعہ پر الہام ہوا:۔

'صلح. تبلیغ. والصلح خیر'

(ط) ایک اور موقعہ پر دیکھا کہ میری خوشدامن صاحبہ کہتی ہیں محمد اسماعیل کی خراب شدہ مشین مرمت ہو کر آئی ہے۔ اور جب لانے والے سے مرمت کی رقم پوچھی گئی تو کہتا ہے کہ اگر مرمت کی مزدوری لینی ہوتی تو میں نہ بناتا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ مشین بالکل ٹھیک، کام کے لائق ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس کی تعبیر یہ نکلی کہ محمد اسماعیل دوبارہ ملازمت پر بحال ہوگیا۔ فالحمد لله.

۱۱۶۔ ۱۱۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو دیکھا کہ مولوی نور الدین صاحب منیر نے مجھے ایک چھوٹا سا پختہ آم دیا ہے، جسے میں نے بہت پسند کیا۔ پاس ہی مولوی سیف الرحمن صاحب بھی کھڑے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس آم سے ان کا بھی تعلق ہے۔ (چنانچہ بعد میں اس کی تعبیر یوں نکلی کہ مولوی نور الدین صاحب منیر کی طرف سے کچھ روپے مولوی سیف الرحمن صاحب کی معرفت پہنچ گئے)۔ پھر دیکھا کہ احمدیوں کا مفسدوں سے مقابلہ ہے۔ اور احمدیوں کے دفاتر بڑے میدان میں ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ وہاں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اور آپ کی میری طرف خاص توجہ ہے۔ کام خوب خوشی سے کروا رہے ہیں۔

۱۱۷۔ ایضاً۔ اسی تاریخ کو مولوی نور الحق صاحب کے بیٹے مشہود الحق صاحب کی صحت یابی کے لئے بھی دعا کی۔ تو دیکھا کہ میری بیوی میرے کپڑوں کو صابن لگا کر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ پھر جب آنکھ کھلی تو زبان پر جاری تھا:

'انیس سو قادر'

جس کی تفہیم یہ ہوئی کہ وہ قادر ہے خواہ انیس سو بیمار بھی ہوں، تو دعا کی قبولیت کے نشان میں سب کو صحت بخش سکتا ہے۔

۱۱۸۔ ۲۰۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو محمد طفیل ولد محمد زبیر صاحب کے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کر رہا تھا کہ القاء ہوا:

یَسُّرُ

یعنی مسرور ہوگا۔ چنانچہ وہ امتحان میں پاس ہوگیا۔

۱۱۹۔ ۲۱۔اپریل ۱۹۵۵ء کو عزیز سلیم اللہ خان سکنہ سندھ میر پور خاص کے بابت بازیابی مکان کے دعا کی تو القاء ہوا۔

'مقام کریم'

چنانچہ وہ مکان انہیں مل گیا۔

۱۲۰۔ ۴۔مئی ۱۹۵۵ء کو ماڈل ٹاؤن لاہور جانے کی بابت دعا کی۔ کہ وہاں جانا بابرکت ہو۔ زبان پر جاری ہوا:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

۱۲۱۔ ۱۲۔مئی ۱۹۵۵ء کو مرزا منیر احمد صاحب کے کارخانہ اور مرزا منصور احمد صاحب کی مالی کشائش کے لئے دعا کی۔ زبان پر جاری ہوا:

'سائیں خوب گھوکائیں'

یعنی ان کے کارخانے خوب چلیں۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔

۱۲۲۔ ۲۹۔اگست ۱۹۵۵ء کو رفع فتنہ کے واسطے دعا کر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک لمبا سانپ مٹیالا رنگ نمودار ہوا ہے۔ اسے لکڑی ماری تو چوٹ کھا کر گر گیا۔

۱۲۳۔ ۱۳۔اکتوبر ۱۹۵۵ء کو دیکھا کہ میں نماز پڑھانے گیا ہوں تو ملک بشارت احمد صاحب یا غلام احمد صاحب اختر مجھے کہتے ہیں کہ آپ کی پنشن کے متعلق ۹۰ روپے کی رپورٹ انجمن نے کی ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ انشاء اللہ منظور ہو جائیگی۔

۱۲۴۔ یکم کتوبر ۱۹۵۵ء میں مولوی فضل الٰہی صاحب انوری نے مجھے نرینہ اولاد کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ جس پر میں نے متواتر چند یوم تک دعا کی۔ تب مجھے بتایا گیا کہ:

'اس کے ہاں لڑکا ہوگا اور اس کا نام زکریا رکھنا'

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لڑکا عطا فرمایا۔ اس کی بشارت سناتے ہوئے ۵۶/۷/۲۰ کو مولوی صاحب نے شوق سے مجھے خط لکھا:

''میں بڑی مسرت سے آپ کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص فضل اور رحم کے ساتھ ہمیں لڑکا عطا فرمایا ہے۔ اور آپ کے ارشاد کے بموجب اس کا نام آپ کے قبل از ولادت مجوزہ نام پر زکریا رکھا گیا ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اسے نیک، زکی اور خادمِ دین بنائے۔ خصوصاً اس لئے کہ میں نے اس کی ولادت سے قبل ہی اسے خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر وقف کر دیا تھا۔''

۱۲۵۔ ۶۔ نومبر ۱۹۵۵ء کو صاحبزادہ ناصر احمد صاحب کی صحت کے متعلق دعا کر رہا تھا (ان دنوں آپ بیمار تھے)۔ القاء ہوا:

'صحیح وسالم'

چنانچہ چار پانچ دنوں تک تندرست ہوگئے۔ **فالحمد لله.**

۱۲۶۔ ۱۳۔ نومبر ۱۹۵۵ء کو دیکھا کہ میں ایک گلہری کو جوتا مارنے لگا ہوں اور وہ درخت سے چمٹ کر محفوظ ہونا چاہتی ہے۔ اس طرح میں اس کے شر سے محفوظ ہوگیا ہوں۔ اس میں ایک چالباز آدمی کے شر سے بچنے کی خوشخبری تھی۔ سو الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔

۱۲۷۔ ۱۶۔ نومبر ۱۹۵۵ء کو محمد عبداللہ صاحب کشمیری کے نکاح کی بابت استخارہ کر رہا تھا۔ زبان پر جاری ہوا:

'ولود ودود'

۱۲۸۔ ۱۶۔ نومبر ۱۹۵۵ء کو عزیز نصر اللہ خان صاحب میر پور خاص کی ترقی کی بابت دعا کر رہا تھا۔ زبان پر جاری ہوا:

'بعد امتہ'

یعنی کچھ عرصہ کے بعد۔ چنانچہ آٹھ دس ماہ کے بعد ترقی ہوگئی۔

۱۲۹۔ ۱۶۔نومبر ۱۹۵۵ء کو مرزا عبدالمنان صاحب کراچی کے رفع مصائب و نکاح کی بابت دعا کی۔ القاء ہوا:

'نُمَتِّعُهُمْ و نیک اولاد'

اس کی ان کو اطلاع دے دی گئی۔

۱۳۰۔ ۲۱۔نومبر ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے۔ حیات بقاپوری حصہ چہارم کے مسودہ مضمون خلافت ثانیہ کی طباعت میں روک پیدا ہو رہی تھی۔ اس کے لئے دعا کی تو خواب میں دیکھا کہ سورج نکلا ہے۔ نو دس بجے کے قریب کا وقت ہے اور بادل اس کے اُوپر سے اتر تا جارہا ہے اور سورج نیچے سے چمکتا ہوا نکلتا آرہا ہے۔ اس کی اطلاع مکرم مولوی بشارت احمد صاحب بشیر نائب وکیل التبشیر کو کر دی گئی۔ چنانچہ اس کے بعد جلد ہی یہ حصہ چہارم چھپ گیا۔

۱۳۱۔ ۲۷۔نومبر ۱۹۵۵ء کو مکرم صوفی محمد رفیع صاحب کے قرضہ اترنے کے متعلق دعا کی۔ تو القا ہوا:

'چھتیں'

جس کی تعبیر اب معلوم ہوئی۔ جبکہ ان کا کلیم چھتیں ہزار کا نکلا۔

۱۳۲۔ نومبر ۱۹۵۵ء میں عزیز سلیم اللہ خان نے میر پور خاص سندھ سے مجھے اپنے بیٹے ظفر اللہ خان کے وظیفہ کے امتحان میں کامیابی کے لئے لکھا۔ میں نے دعا کی تو دوسرے تیسرے دن مجھے خواب میں بتلایا گیا کہ وہ امتحان میں پاس ہو کر وظیفہ حاصل کرے گا۔ چنانچہ اس نے امتحان دیا۔ مگر اس کی کامیابی کی اطلاع دسمبر ۱۹۵۶ء تک کوئی نہ آئی۔ آخر ۱۹۵۷ء بھی شروع ہو گیا۔ جنوری ۱۹۵۷ء کے وسط تک بھی میرے پوچھنے پر جواب نفی میں آتے رہے۔ آخر ۵۷/۱/۲۳ کا لکھا ہوا خط مجھے ملا جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک تازہ نشان ظاہر ہوا۔ چنانچہ اسی خط کی نقل بجنسہٖ درج ذیل ہے:

مکرمی و محترمی حضرت مولوی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ یہ معلوم کر کے خوش ہونگے۔ کہ عزیزم ظفر اللہ خان محض آپ کی دعاوں کی قبولیت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔ وظیفہ کے امتحان میں کامیاب ہوگیا ہوا ہے۔ دراصل یہ بھی کرامت ہے۔ کیونکہ میں یہ خیال کرتا تھا کہ اگر ظفر اللہ خان پاس ہوگیا ہوتا تو اس کا ہیڈ ماسٹر یا کوئی دوسرا استاد تو بتلاتا کہ وہ پاس ہوگیا ہے۔ یہ امتحان جنوری یا فروری ۱۹۵۶ء میں ہوا تھا۔ اب چند روز ہوئے اس کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے پرانے کاغذات دیکھے تو دیکھا کہ میونسپل ہائی سکول کے جتنے لڑکے وظیفہ کے امتحان میں بیٹھے تھے۔ ان میں صرف ظفر اللہ خان ہی پاس ہوا ہے۔ اور اس کے وظیفہ کی ۹۷ روپے ۸ آنے رقم جمع ہو چکی ہے۔ جو آج انہوں نے دی ہے۔

۲۳۔ جنوری ۱۹۵۷ء سلیم اللہ خان از میر پور خاص

۱۳۳۔ آخیر ۱۹۵۵ء میں مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین نے مجھے اپنے لئے نرینہ اولاد کے متعلق دعا کے لئے کہا۔ جس پر میں نے ان کے لئے دو تین دن تک متواتر دعا کی۔ تو مجھے خواب میں بتلایا گیا کہ ان کی بیوی اس حمل سے لڑکا جنے گی۔ جس کا ذکر مولوی صاحب موصوف نے حیاتِ بقاپوری حصہ سوم کے ایڈیشن اول کے ریویو کے ضمن میں کیا ہے، کہ:

''میں نے مولانا بقاپوری صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کیا۔ میری چار بچیاں تھیں۔ اور اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نرینہ اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی۔ اسی طرح مکرم جناب ڈاکٹر غلام غوث صاحب کی خدمت میں بھی دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے مجھے کہا کہ اب اللہ تعالیٰ آپ کو نرینہ اولاد عطا کرے گا۔۔۔۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ان بزرگوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور پھر قبل از وقت ان کو اطلاع بھی دیتا ہے۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**''

۱۳۴۔ اسی طرح ۱۹۵۵ء میں مکرم مولوی ملک مبارک احمد صاحب واقف زندگی تحریک جدید کی تحریک پر ان کی نرینہ اولاد کے لئے دعا کی تو القاء ہوا کہ:

'لڑکا دیا جائے گا'

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں لڑکا عطا فرمایا۔

۱۳۵۔ اسی طرح ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے کہ بابو علی احمد صاحب اسٹیشن ماسٹر کالا گوجراں ضلع جہلم پر ایک مقدمہ کھڑا کیا گیا۔ اور انہیں ملازمت سے معطل کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے مقدمہ میں باعزت بری ہونے کے متعلق دعا کے لئے لکھا۔ جس پر میں نے چند یوم متواتر دعا کی تو مجھے خواب میں بتلایا گیا:

'وہ باعزت بری ہو جائیں گے'

میں نے اس کی انہیں اطلاع دی۔ اور جب کبھی دوران مقدمہ ان کے خطوط میں مایوسی کی کیفیت نظر آئی تو میں انہیں تسلی دیتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بری کر دیا۔

۱۳۶۔ ۳۔ فروری ۱۹۵۶ء کو چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اپنے ایک عزیز کے ہمراہ میرے مکان پر آئے۔ اور کہا کہ برادرم چوہدری محمد سعید صاحب کی حیدر آباد سے تار موصول ہوئی ہے کہ ان کی بیٹی سخت بیمار ہے۔ اور حالت بہت تشویش ناک ہے۔ اس کی صحت کیلئے دعا فرمائیں۔ میں نے دعا کی تو زبان پر جاری ہوا:

'عفو'

جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ صحت یاب ہو جائیگی۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ بعد میں وہ صحت یاب ہو گئی۔ اس کا ذکر چوہدری صاحب موصوف ایک خط میں یوں کرتے ہیں:

نقل خط چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ

''مورخہ ۳۔ فروری بروز جمعہ برادرم چوہدری محمد سعید صاحب کی حیدر آباد سے تار موصول ہوئی۔ کہ ان کی بیٹی عزیزہ طاہرہ سخت بیمار ہے۔ میں حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی خدمت میں بھی دعا کی درخواست کے واسطے حاضر ہوا۔ ایک عزیز بھی میرے ہمراہ تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ہم بھی شریک ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا، زبان پر جاری ہوا ہے۔۔۔ 'عفو'۔۔۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بچی انشاء اللہ جلد صحت یاب ہو جائے گی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ترس فرمایا اور بچی کی صحت روبہ اصلاح ہونے کی اطلاع موصول ہوگئی ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کامل صحت بخشے۔ اور لمبی کامیاب و بامراد عمر بخشے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب کو جزائے خیر دے اور ان کے نافع الناس وجود کو تا دیر صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ آمین! والسلام

(چوہدری مشتاق احمد باجوہ) ۲۸۔ فروری ۱۹۵۶ء

۱۳۷۔ ۳۔ فروری ۱۹۵۶ء کو میں اپنے لڑکوں کی دینی و دنیوی برکتوں پر شکر کر رہا تھا۔ رات کے ڈیڑھ بجے نماز

تہجد میں زبان پر جاری ہوا:

'نسلاً بعد نسل'

۱۳۸۔ ۶۔مارچ ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ ایک شخص مسمی ولی محمد سکنہ موضع قاضی کوٹ میرے پاس آیا اور کہا کہ میرا بیٹا ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا ہے۔ اسے ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کو دکھایا ہے۔ انہوں نے جو دوائی اس کے لئے تجویز فرمائی ہے وہ بہت گراں ہے جو چالیس روپے سے کم میں نہیں آتی۔ میں غریب آدمی ہوں، آپ دعا فرمائیں اور استخارہ بھی کریں کہ اگر میرے بیٹے کی زندگی ہے، اور علاج سے بچ جانا ہے، تو قرض اٹھا کر بھی یہ دوائی خریدوں۔ میں نے دعا کی تو دوسرے دن الہاماً بتایا گیا کہ:

'وہ بچ جائے گا۔ علاج کراؤ'

چنانچہ اس نے قرض لے کر علاج کرایا اور لڑکا شفایاب ہوگیا۔ چنانچہ چوہدری محمود احمد صاحب سکنہ چھور چک نمبر ۱۱۷، ایک خط میں لکھتے ہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رنگ علی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں بیمار تھا اور مجھے ٹائیفائیڈ ہوگیا تھا۔ میرا والد ولی محمد صاحب مجھے ڈاکٹر حضرت مرزا منور احمد صاحب کے پاس لے کر آیا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اس کی دوائی چالیس روپے میں آئے گی۔ میرے والدین یہ خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ میرے والد صاحب میاں غلام نبی صاحب رئیس قاضی کوٹ کا رقعہ لے کر حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کے پاس آئے۔ اور کہا کہ آپ دعا فرمائیں اگر اس نے تندرست ہوجانا ہو تو ہم اس کا علاج کریں۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے القاء کیا ہے کہ تم علاج کراؤ، وہ بچ جائے گا۔ چنانچہ میرا علاج ہوا، اور اب میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بالکل تندرست ہوں۔ یہ میں نے ایک سچی گواہی کے طور پر تحریر کیا ہے۔

محمود احمد چھور چک نمبر ۱۱۷

۳۰۔اگست ۱۹۵۸ء

۱۳۹۔ ۷۔مارچ ۱۹۵۶ء کو میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کے مکان پر گیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے مکرم مسعود احمد صاحب کے متعلق جن پر ایک مقدمہ دائر کیا گیا تھا، باعزت بریت کے لئے دعا کی تحریک کی۔ میں نے کہا، آؤ ہم چاروں مل کر دعا کریں (یعنی میں اور میری اہلیہ۔ مولوی قدرت اللہ صاحب اور ان کی اہلیہ

صاحبہ)۔ جب ہم چاروں دعا کررہے تھے، تو مجھے الہام ہوا:

’حج مبرور‘

میں نے اسی وقت مولوی صاحب کو یہ الہام بتادیا۔

الحمد للہ! کہ اس سال ۱۹۵۸ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولوی صاحب کو توفیق ملی کہ دونوں صاحبان میاں بیوی فریضہ حج کی ادائیگی سے مشرف ہوآئے۔ جیسا کہ الفضل سے دوستوں کو معلوم ہوگیا ہوگا۔ مولوی صاحب موصوف نے اس بارہ میں جو مجھے خط لکھا۔ وہ درج ذیل ہے:

مخدومی محترمی مخی مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ! ثم الحمد للہ!! میں اپنی اہلیہ صاحبہ کے ہمراہ حج کا فریضہ ادا کرآیا ہوں۔ جہاں یہ میرے لئے مبارک ہے وہاں آپ کو بھی مبارک صد مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرا محسن دوست مہربان سمجھ کر عرصہ قریباً دو سال کا ہوا اپنے علم غیب سے اطلاع بخشی۔ اور وہ یوں کہ عرصہ قریباً دو سال کا ہوا کہ آپ بعد نماز فجر مع اپنی اہلیہ محترمہ صاحبہ کے محلہ دارالنصر ربوہ میں میرے مکان پر تشریف لائے تھے۔ دورانِ گفتگو میں نے آپ سے دریافت کیا کہ برخوردار مسعود احمد خورشید کے مقدمہ کے لئے دعا کی ہے یا نہ۔ آپ نے فرمایا، ہاں کئی بار دعا کر چکا ہوں۔ پھر فرمایا، آیئے! اب بھی دعا کرلیں۔ اور دعا کے لئے آپ نے ہاتھ اٹھائے۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ اور خاکسار اور خاکسار کی اہلیہ بھی شامل ہوئے۔ دعا کے بعد آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

’حج مبرور‘

میں حیران ہوا کہ دعا تو آپ نے مقدمہ کیلئے کی ہے، اور جواب میں فرمایا: ’حج مبرور‘۔ مگر اللہ تعالیٰ نے عرصہ دو سال کے بعد حج کا موقعہ دے کر ثابت فرمادیا کہ آپ جس دوست کے فرزند مسعود احمد کے مقدمہ کے لئے دعا کرتے ہیں، اس پر تو فضل ہوگا ہی، مگر ہم تمہارے دوست کیلئے تمہیں حج مبرور کی اطلاع دیتے ہیں۔ یعنی مقدمہ سے بری ہونے کے بعد وہ اپنے والدین کو حج بھی کرائے گا۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ! جو خبر آپ کو اس مقدس ہستی نے بطفیل غلامی جری اللہ فی حلل الانبیاء دی تھی وہ پوری ہوگئی۔ خاکسار کے انجام بخیر کے لئے دعا فرماویں۔

دعا گو

قدرت اللہ سنوری از ربوہ

۴۔ اگست ۱۹۵۸ء

۱۴۰۔ ۹۔ اپریل ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ استانی امتہ الرحمٰن صاحبہ (بنت مولوی شیر علی صاحب) سے امتحان کے

پرچے اتفاق سے گم ہو گئے تھے۔ گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی، اور دعا کے لئے کہا۔ میں نے دعا کی، اثناء دعا القاء ہوا:

'وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ'

اس کو اطلاع دے کر کہا گیا کہ پرچے تلاش کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ مل جائیں گے۔ اس پر تعجب ہو کر کہنے لگی، کہ اگر میرے پرچے مل گئے تو یہ معجزانہ نشان ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو ۵۶/۴/۱۱ کو یوں واقعہ ہوا کہ ایک عورت پرچوں والا بکس لا کر اس کو گھر دے گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۱۴۱۔ ۱۰۔ اپریل ۱۹۵۶ء کی رات کو خواب میں ایک نظارہ دکھایا گیا۔ پہلے ایک آواز آئی کہ:

'تیرے پر سو فضل ہیں'

پھر دیکھتا ہوں کہ ایک میدان ہے چورس کھیت کے کھیتوں کی طرح۔ اس میں سینکڑوں کی تعداد میں احمدیہ جماعتیں جو مختلف اطراف سے آئی ہیں، سفید لباس پہنے بیٹھے ہوئی ہیں۔ گویا عید کی نماز پڑھنے کے لئے آئی ہیں۔ اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی عمدہ سفید لباس زیب تن فرمائے ہوئے تشریف فرما ہیں۔ دیکھا کہ مکرم حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعظ فرما رہے ہیں۔ نصیحت کرتے ہوئے ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشادات کا بھی حوالہ دیتے جاتے ہیں۔ اثناء وعظ میں صاحبزادہ میاں ناصر احمد صاحب کی شان میں بھی کچھ کلمات کہتے اور ان کی اطاعت کرنیکا بھی ذکر کرتے ہیں۔ غرض ایک بہت مبارک اجتماع اور بڑی خوشی کا ہجوم تھا۔

۱۴۲۔ ۶۔ مئی ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے کہ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے اپنے چھوٹے بھائی چوہدری شریف احمد صاحب کی جلد صحت یابی کیلئے مجھے دعا کے لئے کہا۔ وہ آنکھ میں چوٹ آجانے کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھے۔ ڈاکٹر صحت یابی کی مدت کم از کم ایک ماہ بتاتے تھے۔ میں نے اس وقت بھی دعا کی اور پھر رات کو بھی خاص طور پر دعا کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ الحمد للہ! تیر نشانے پر لگا۔ اثناء دعا مجھے معلوم ہوا کہ عزیز شریف احمد خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک ہفتہ کے اندر صحت یاب ہو جائیگا۔ میں یہ خوش خبری سنانے کے لئے صبح باجوہ صاحب کے گھر پر گیا تو معلوم ہوا کہ موصوف سلسلہ کے کام کے لئے لاہور تشریف لے گئے ہیں۔ واپسی پر میں نے ان کو بتلایا۔ جس کا ذکر مکرم باجوہ صاحب اپنے ایک خط میں بھی فرماتے ہیں:

نقل خط چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ

میرے چھوٹے بھائی عزیزم میجر شریف احمد باجوہ ایڈوکیٹ نائب امیر جماعت احمدیہ ضلع لائل پور کا لاہور سے خط آیا کہ آنکھ میں بڑی سخت تکلیف ہے۔ لائل پور میں علاج کی کوشش کی گئی، لیکن آنکھ کی تکلیف بڑھتی گئی۔ اس لئے لاہور علاج کیلئے آیا ہوں۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور بزگان کی خدمت میں دعا کیلئے عرض کریں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ علاج پر ایک ماہ لگے گا۔ بندہ نے حضور انور کی خدمت میں لکھا۔ مسجد مبارک میں دعا کی تحریک کروائی۔ اور جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی خدمت میں جب وہ خود غریب خانہ پر تشریف لائے، دعا کے لئے عرض کیا۔ آپ کو بتایا کہ ڈاکٹر صاحب ایک ماہ کی مدت بتاتے ہیں۔ جناب مولوی صاحب نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کرونگا کہ اپنے فضل سے اس مدت کو کم کر دے۔ آپ نے اس وقت بھی ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ اتفاق سے مجھے سلسلہ کے لئے لاہور جانا پڑا۔ معلوم ہوا کہ اب ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ تین چار ماہ لگ جائیں گے۔ مختلف ایکسریز لئے گئے ہیں اور تحقیق ہو رہی ہے کہ آنکھ کو Infection کہاں سے ہوگئی۔ لیکن ۸۔ مئی کی شام کو جو ڈاکٹر صاحب نے دیکھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے بیماری تو بڑھتی معلوم ہوتی تھی۔ اب رک گئی ہے اور نمایاں طور پر اصلاح کی طرف جا رہی ہے۔ ۹۔ مئی کی گاڑی پر بندہ واپس آیا۔ ۱۰۔ مئی کی صبح کو دفتر میں جناب مولوی صاحب تشریف لائے اور بتایا کہ شریف احمد کیلئے دعا کی ہے۔ مَیں نے دریافت کیا، پھر کیا معلوم ہوا؟ فرمایا، بتایا گیا ہے کہ ایک ہفتے میں صحت حاصل ہو جائے گی۔ الحمدللہ! میں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور جناب مولوی صاحب کو بتایا کہ کس طرح ڈاکٹر تین چار ماہ کا عرصہ بتاتے تھے اور پھر یکا یک خدا تعالیٰ کے فضل سے اصلاح شروع ہوگئی۔ اور اب امید ہے کہ انشاء اللہ اس بشارت کے مطابق آں عزیز کو صحت حاصل ہوگی۔ والسلام!

خاکسار مشتاق احمد باجوہ ۱۵۔ مئی ۱۹۵۶ء

۱۴۳۔ مجھے رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ کے آخری عشرہ میں خصوصیت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے متعلق دعائیں کرنے کی توفیق ملی۔ ۹/۵/۵۶ کو چونکہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب مدظلہ کا والا نامہ موصول ہوا۔ جس میں اپنے لئے دعائے خاص میں شرکت کا شرف مجھے بھی بخشا گیا۔ چنانچہ ۱۰۔ مئی ۱۹۵۶ء کی رات کو جو ۲۷۔ رمضان المبارک کی رات تھی جب میں حضرت موصوف کے لئے خاص طور پر دعا کر رہا تھا تو زبان پر جاری ہوا:

’فتاحٌ علیم‘

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مشکلات کھول دیگا، اس کو ہر ایک بات کا علم ہے۔ الحمد اللہ کہ اس کے بعد ایسے کوائف نمودار ہوئے کہ آپ کی صحت بھی بڑھنے لگی اور مشکلات بھی ایک حد تک حل ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت میاں صاحب نے ازراہِ نوازش خاکسار کو پھر یاد آوری سے ممنون فرمایا۔ آپ کو ایک مشکل مرحلہ سے کامیابی وکامرانی سے گذرنے کے لئے میں نے سات آٹھ دن متواتر دعا کی۔ تو:

۲۱۔ مئی ۱۹۵۶ء کو دعا کرتے ہوئے زبان پر جاری ہوا:

'نُنَجِّیْکَ'

اور پھر آواز آئی

'صاف'

اور پھر ۳۰۔ مئی ۱۹۵۶ء کو مندرجہ ذیل کشف دیکھا کہ:

''میں اپنے گھر کی چھت پر ایک پلنگ پر بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت قمر الانبیاء خوب تندرست وجیہہ شکل میں جرنیلی سڑک پر لاہور سے تشریف لا رہے ہیں۔ میں آپ کو دیکھتے ہی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں تو نقشہ بدل گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحبزادہ صاحب مدظلہ خوب موٹے توانا دفتر میں کرسی پر رونق افروز ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس مقدمہ میں باعزت بری اور کامیاب ہیں۔''

الحمد للہ! کہ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد آپ کو اس معاملہ میں کامیابی عنایت فرمائی۔

۱۴۴۔ ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ ایک دن مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سماٹرا معہ اپنی اہلیہ صاحبہ کے میرے مکان پر تشریف لائے اور اپنی لڑکی کے رشتہ کے متعلق دعائے استخارہ کی تحریک کی۔ میں نے دعا کی، تو القاء ہوا:

'عبد اللطیف'

یعنی جس کا نام عبد اللطیف ہے ان کے لئے یہ رشتہ موزوں ہے۔ صبح انہیں اطلاع دی گئی۔ جس پر ملک عبد اللطیف صاحب سے رشتہ قرار پایا۔ جو واقعی موزوں نکلا۔ فالحمد للہ۔

۱۴۵۔ ایضاً۔ ان ہی دنوں کا یہ واقعہ بھی ہے۔ جب کہ حیاتِ بقاپوری کے انگریزی ایڈیشن کی اشاعت کا خیال تھا۔ جس کا انگریزی ترجمہ مکرم ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی نے کیا تھا۔ اس ترجمہ کے متعلق بعض بزرگان کی

رائے تھی، کہ چونکہ یہ کتاب یورپ وامریکہ میں بھیجنی ہے، اس لئے اگر اس ترجمہ پر مکرم اخوند عبدالقادر صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ نظر ثانی فرمالیں تو بہتر ہے کیونکہ انہیں انگریزی میں اعلیٰ دسترس ہے۔ اتفاق سے اسی شام کے وقت اخوند صاحب موصوف میرے مکان پر تشریف لائے اور اپنے بیٹے کے متعلق فرمایا، کہ اس سال اس نے بی۔اے کا امتحان دینا ہے، اس کی اعلیٰ نمبروں پر کامیابی کیلئے دعا فرمائیں۔ میں نے جان لیا کہ یہ تقریب اللہ تعالیٰ نے میری کتاب کے ترجمے کی نظر ثانی کے لئے پیدا فرمائی ہے اور وہ اپنے فضل وکرم سے اس کے لڑکے کو بھی کامیاب فرمائے گا۔ میں نے اخوند صاحب موصوف سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے لڑکے کیلئے انشاء اللہ تعالیٰ دعا کرونگا لیکن میرا بھی ایک کام ہے، وہ آپ سرانجام فرمائیں۔ اور بتایا۔ اس پر انہوں نے فرمایا، پرسوں آپ کی کتاب لے جاؤں گا، اور دعا کا نتیجہ بھی جو ظاہر ہوا سن جاؤں گا۔ میں نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے بندہ نوازی فرماتے ہوئے اطلاع دی کہ:

'وہ اعلیٰ نمبروں پر پاس ہو جائے گا'

دوسرے دن اخوند صاحب بھی آگئے۔ انہیں یہ خوش خبری سنائی گئی، اور وہ خوش خوش میری کتاب بھی لے گئے۔ الحمد للہ! نتیجہ نکلنے پر ان کا لڑکا کامیابی میں اول نمبر پر آیا اور میری کتاب کا ترجمہ بھی شاندار طور پر مقبول ہوا۔ چنانچہ یہ کتاب جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء پر شائع ہوئی اور زبان دانی کے لحاظ سے اس کی انگریزی ہائی نکلی۔ فالحمد للہ!

۱۴۶۔ فروری ۱۹۵۷ء میں مکرم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کا خط آیا۔ جس میں طارق بس کی مستقل منظوری کے متعلق دعا کی تحریک کی گئی تھی۔ جس پر میں نے تین چار روز متواتر دعا کی۔ غنودگی میں مجھے یہ آواز سنائی دی:

'اُن کے جھنڈے لہراتے ہی رہیں گے'

یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ جولائی ۱۹۵۷ء میں انہیں منظوری مل گئی۔

۱۴۷۔ ۲۔ مئی ۱۹۵۷ء کو عزیز محمد اشرف کی امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کی تو خواب میں مجھے بتایا گیا کہ:

'وہ پاس ہو جائے گا'

چنانچہ وہ کامیاب ہو گیا۔

۱۴۸۔ ۶۔جون ۱۹۵۷ء کوعزیز صفدر علی خان طارق کا خط کوئٹہ سے آیا کہ میں اور میری بیوی اور لڑکا تینوں سخت بیمار ہیں۔صحت کے لئے دعا فرماویں۔اسی وقت میں نے اپنی بیوی اور بڑی لڑکی کو ہمراہ کر کے دعا کی۔دعا کرتے ہوئے مجھ پر کشفی حالت طاری ہوگئی اور میں نے دیکھا کہ تینوں تندرست ہیں اور اپنا کاروبار کررہے ہیں۔جس کی ان کو اطلاع دی گئی۔اس کے جواب میں عزیز موصوف کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ:

''آپ کا شفقت نامہ موصول ہوا۔واقعی آپ کے خط پہنچتے پہنچتے ہم تینوں صحت یاب ہوگئے تھے۔اس لئے آپ لوگوں کا اور خداوند کریم کا جتنا ہی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔''

صفدر علی خان طارق

۱۴۹۔ ۷۔جون ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ میں نے عزیز محمد اشرف کی درخواست پر دعا کی۔ ڈی۔ایف۔او۔کے عہدہ پر فائز ہونے میں ان کا نمبر تھا مگر اس میں رکاوٹیں پیدا ہورہی تھیں۔دورانِ دعا مجھے ان کی کامیابی دکھلائی گئی۔صبح میں نے اپنی بچی مبارکہ بیگم کو یہ خوشخبری بتلادی۔آج ۵۷۔۷۔۱۵ کو لاہور سے میری لڑکی کا خط آیا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے ڈی۔ایف۔او۔ہوگئے ہیں۔''

۱۵۰۔ ۹،۱۰۔جون کی درمیانی رات کو محترمہ اشفاق صاحبہ کے لئے دعا کی گئی۔آواز آئی:

'ریڈیم'

جس کی تفہیم یہ ہوئی کہ ریڈیم کے ذریعہ اس کا علاج کرایا جاوے۔

۱۵۱۔ ۱۰۔جون ۱۹۵۷ء کو میں نے ماڈل ٹاؤن لاہور کی کوٹھی کی واگذاری کے لئے دعا کی تو الہاماً اشارہ کیا گیا کہ میں لاہور جا کر دعا کروں۔چنانچہ میں نے ۱۱۔جون کو وہاں پہنچ کر دعا شروع کی اور اھدنا الصراط المستقیم کے الفاظ سے دعا کرتا رہا۔تقریباً ایک گھنٹہ بھر جب دعا میں وقت لگا تو میرے دل میں القاء ہوا کہ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی طرح کامیاب ہوگیا ہوں جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ میں فتح یاب ہوئے تھے۔چنانچہ میں نے یہ خوش خبری مکرمہ صفیہ بیگم کو بھی سنادی۔

۱۵۲۔ ۲۹۔جون ۱۹۵۷ء کو اڑھائی بجے رات کے دیکھا کہ بالا خانہ پر ایک اہم معاملہ بتوفیقہ تعالیٰ منظور ہوا ہے۔ میں اس فیصلہ کے جلدی ختم ہونے پر خوشی سے کہتا ہوں کہ یہ اس افسر کی وجہ سے ہوا ہے۔ دوسرا افسر جس کی کالی پگڑی ہے کہتا ہے کہ وہ بڑا نیک ہے، اور میرا نسبتی بھائی ہے۔ تفہیم ہوئی کہ یہ رؤیا بھی ماڈل ٹاون لاہور والی کوٹھی کے متعلق ہے جس کا فیصلہ میرے بیٹے محمد اسحٰق کے حق میں ہوگا۔

۱۵۳۔ جون ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ عزیز قاضی لئیق احمد کا خط نیروبی افریقہ سے آیا کہ جولائی ۱۹۵۷ء میں میرا سالانہ امتحان ہونے والا ہے، خاص کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ میں نے اس کے لئے متواتر کئی دنوں تک دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ لئیق احمد اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوگا۔ میں نے یہ خوشخبری اس کو لکھ کر بھیج دی جو بروقت اسے مل گئی۔ بعد امتحان وظہورِ نتیجہ اس کی طرف سے مندرجہ ذیل خط ملا:

حضرت مولوی صاحب دام ظلکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ خیر وعافیت سے ہوں گے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں امتحان میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ آپ نے شروع میں ہی مجھے اپنی قبولیتِ دعا کی بشارت دے دی تھی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ! کہ ایسا ہی ہوا۔ یہ دو سال کا کورس تھا جو میں نے ایک سال میں ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر میں دورانِ امتحان بعارضہ انفلوئنزا بیمار رہا۔ اس کے باوجود میرا پاس ہو جانا اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل واحسان ہے۔ جو سراسر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خاص توجہ اور آپ جیسے بزرگان کرام کی دعاؤں کے طفیل ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ آپ کو درازی عمر بصحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

خاکسار آپکی دعاؤں کا محتاج

لئیق احمد از نیروبی، ۱۹۔ ستمبر ۱۹۵۷ء

۱۵۴۔ ۸۔جولائی ۱۹۵۷ء کو، جو حج کا دن تھا، کسی نے کہا کہ حضرت صاحب نماز کے لئے تشریف لا رہے ہیں اب ٹھنڈ ہو جائے گی۔ تب مجھے القاء ہوا کہ:

'عید اور اس کے دوسرے دن'

یعنی دو دن سخت گرمی پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سخت گرمی پڑی۔ اس کے بعد ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔

۱۵۵۔ ۹۔جولائی ۱۹۵۷ء کوسردار مصباح الدین صاحب کی لڑکی کے رشتہ کی بابت ایک جگہ انتخاب کیلئے دعا کر رہا تھا کہ زبان پر جاری ہوا:

'ھو تواب رحیم'

تفہیم یہ ہوئی کہ موزوں ہے۔ان کواطلاع دی گئی۔

۱۵۶۔ ۱۱۔جولائی ۱۹۵۷ء کو میں محترمہ حضرت امّ مظفر احمد صاحبہ کی شفایابی کے لئے دعا کر رہا تھا کہ کشفی حالت طاری ہوئی۔دیکھتا ہوں کہ میں ان کی کمر پر ایک بُوٹی کے تیل کی مالش کر رہا ہوں اور انہیں آرام آرہا ہے۔صبح جب میں نے حضرت میاں بشیر احمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے اسی قسم کا تیل تیار فرما کر مالش کروائی۔جس سے بفضلہٖ تعالیٰ انہیں آرام ہوگیا۔

۱۵۷۔ ۱۳۔جولائی ۱۹۵۷ء کو صاجزادہ منصور احمد صاحب کے کلیم کی بابت اور عزیز مبارک احمد بقاپوری کی مستقل ملازمت کیلئے اور عزیزم محمد اسحاق کی کوٹھی واقع ماڈل ٹاؤن کی بابت دعا کی گئی۔تو خواب میں مجھے کوئی کہتا ہے:

'لَنُبَوِّئَنَّهُمْ'

جس کا مطلب یہ تھا کہ تینوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔انشاء اللہ تعالیٰ۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک.

۱۵۸۔ ۲۱۔جولائی ۱۹۵۷ء کو عزیزہ رقیہ بیگم کا خط آیا کہ کوٹھی کا آدھا حصہ میر صاحب کے نام الاٹ کردیا گیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جسے پڑھ کر طبیعت پر سخت بوجھ پڑا۔کیونکہ یہ سابقہ الٰہی بشارتوں کے مخالف خبر تھی۔اور اس سے مخالفوں کو بھی زبان طعن دراز کرنے کا موقعہ مل جانے کا اندیشہ تھا۔اس کے متعلق متعدد دنوں تک دعا کی۔ تب ۳۱۔جولائی ۱۹۵۷ء کو رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے رؤیا میں پہلے تو مجھے دو بھینسیں دکھلائی گئیں اور پھر دیکھا

کہ مجھے ایک بہت بڑی کوٹھی ملی ہے۔ اور مجھے کھانے کی ضرورت ہے اور دیکھا کہ بھائی محبوب عالم صاحب مرحوم سائیکل ورکس والے مجھے کھانا کھلانے لے چلے ہیں۔

۱۵۹۔ انہی دنوں یہ بھی دیکھا کہ مسجد کے ملحق ایک عالیشان مکان ہے جس کے بالا خانے پر میں سویا ہوا ہوں۔ اٹھا تو دیکھا کہ بڑے بڑے ذی ثروت آدمی میری انتظار میں ہیں۔ اور بابا نواب دین مؤذن بھی ہے۔ اور میرے بیٹے محمد اسحاق اور رقیہ بیگم اور دیگر بچے بھی وہاں ہیں۔ یہ سب مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور میں نے دیکھا کہ ٹائم پیس بھی ہمیں مل گیا ہے۔ اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کس طرح اس نے گم شدہ چیز مجھے عطا فرما دی۔

الحمد لله! کہ ان ہر دو مبشر رؤیا کا نتیجہ یکم اگست کو عزیزہ رقیہ بیگم کے خط سے معلوم ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ مخالفوں کو کوٹھی سے نکلنے کا حکم آ گیا ہے اور مکان کے حالات امید افزاء ہیں۔ اور دو بھینسوں کی تعبیر یہ نکلی کہ میر صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ پر بیماری کا اشد حملہ ہوا۔

۱۶۰۔ اسی رات چوہدری حمید اللہ خان صاحب کے لئے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کی تھی۔ انہوں نے ایل۔ ایل۔ بی۔ کا امتحان دیا تھا۔ اثناء دعا القاء ہوا کہ:

'اگر وہ تمہارے مکان پر آ جائے تو کامیاب ہو گیا'

بات دراصل یہ تھی کہ ۳۰ کی صبح کو جب کہ میں مکرم ظہور احمد صاحب باجوہ کے مکان پر گیا تھا اور چوہدری صاحب بھی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں ہی آپ نے مجھے دعا کے لئے کہا۔ جس کا میں نے وعدہ کر لیا تھا مگر الٰہی منشاء یہ تھا کہ انہیں میرے مکان پر آنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کی اطلاع چوہدری صاحب کی ہمشیرہ کے ذریعہ انہیں بھجوا دی۔ جس کے بعد وہ دو تین دفعہ میرے مکان پر آئے۔ ٦۔ اگست کو نتیجہ نکلا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چوہدری صاحب کامیاب رہے۔

فالحمد لله. ومن اصدق من الله قيلاً.

۱۶۱۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۵۷ء کو مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ سیرالیون کی والدہ صاحبہ میرے پاس

آئیں اور اپنی لڑکی کے رشتہ کے متعلق استخارہ کے لئے کہا۔ میں نے دعا کی تو کشفاً دیکھا کہ حضرت صاجزادہ میاں بشیر احمد صاحب مدظلہ اس لڑکی کے منہ پر ہاتھ پھیر رہے ہیں، اور فرماتے ہیں: **'لڑکا چنگا ہے'**

۱۶۲۔ اسی طرح ایک دفعہ قاضی مبارک احمد صاحب مبلغ کی والدہ نے مجھے دعا کے لئے کہا کہ عرصہ ہوا میرے لڑکے کا خط نہیں آیا جس سے سخت تشویش ہے۔ میں نے دعا کی تو القاء ہوا کہ بہت جلد تمہارے لڑکے کا خط آجائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن خیریت کا خط آگیا۔

۱۶۳۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۵۷ء کو عزیز مبارک احمد بقاپوری کی ملازمت کیلئے اور جو اس نے منشی فاضل کا امتحان دیا تھا اس کی کامیابی کیلئے دعا کر رہا تھا کہ زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے:

'مالکاناں دواں وچ کامیابی اے'

۱۶۴۔ اسی تاریخ کو ۱۰۲؍ اڈی ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی کے متعلق بھی دعا کی، تو القاء ہوا:

'مل گئی۔۔۔مل گئی'

پھر اسحاق کی تبدیلی لاہور کے لئے دعا کی تو زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے:

عَسٰی رَبُّنَا اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرً مِّنْهَا

۱۶۵۔ ۲۲۔ اگست ۱۹۵۷ء کو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میرے مکان کے کمرے میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود تشریف فرما ہیں اور پیغامیوں کے کسی مضمون پر تنقید فرما رہے ہیں۔ پھر میں اپنے مکان کے زنانہ حصہ میں آگیا ہوں تو ایسا معلوم ہوا کہ میرے دونوں برادر مولوی محمد اسماعیل صاحب اور چوہدری محبوب عالم صاحب نے میری دعوت کی ہے۔ میری بیوی کہتی ہے کہ جب وہ بلانے آئیں تو آپ ان کے گھر جا کر میرا کھانا بھی بھیج دینا۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب بلانے آئے ہیں کہ میری آنکھ کھل گئی۔

۱۶۶۔ ۲۲۔اگست ۱۹۵۷ء کو میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ نماز میں ہی مکرم چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری کے بڑے لڑکے کی صحت کے لئے دعا کی۔تو زبان پر جاری ہوا:

'صحّ صحیحاً'

یعنی اسے پوری صحت ہوگئی۔جس کی ان کو اطلاع دی گئی۔

۱۶۷۔ ۲۵۔اگست ۱۹۵۷ء کو مکرم چوہدری محمد شریف صاحب وکیل کا تار آیا کہ ۱۹۵۵ء کے سیلاب کی طرح ہمارے گاؤں میں اب بھی سیلاب آنے والا ہے۔دعائے خاص کی ضرورت ہے۔میں نے ایک دو دن دعا کی تو الہام ہوا:

'الآن کما کان'

یعنی پہلے کی طرح ان کا گاؤں انشاء اللہ بچایا جائے گا۔الحمدللہ کہ آج ۱۰۔ستمبر ۱۹۵۷ء کو ان کا خط موصول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے گاؤں کو محفوظ رکھا۔

۱۶۸۔ اخیر اگست ۱۹۵۷ء میں چوہدری محمد شریف صاحب نے پھر دعا کے لئے لکھا کہ نہر والوں سے کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔میں دعا کر رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب کو اللہ تعالیٰ فتح دیگا۔چنانچہ ۲۔اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ان کا خط آیا کہ حکومت نے بذریعہ تار ہمارے خلاف کاروائی روک دی ہے۔

۱۶۹۔ ۵۔ستمبر ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ منشی محمد صادق صاحب مختار عام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ نے اپنے لڑکے محمد اشرف کے رشتہ کی بابت جو ایک جگہ تجویز ہو رہی تھی کامیابی کے لئے دعا کرنے کو کہا۔میں نے اسی مجلس میں دعا کی تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ رشتہ ان سے طے پا چکا ہے۔میں نے انہیں یہ بتا کر مبارک بھی دی۔چنانچہ اس کے بعد ۵۷۔۹۔۱۹ کو ان کی طرف سے خط آیا جس میں یہ درج تھا:

"الحمدللہ! کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔لڑکی والوں نے رشتہ منظور فرمالیا ہے۔نکاح جلسہ سالانہ پر کرلیا جاوے گا۔"

۱۷۰۔ ۱۷۔ستمبر ۱۹۵۷ء کو میں مکرم صاحبزادہ منصور احمد صاحب کے کلیم اور طارق ٹرانسپورٹ کی منظوری اور کامیابی کے لئے دعا کر رہا تھا تو زبان پر جاری ہوا:

'جندٌ ما هنالک مهزوم من الاحزاب'

اسی وقت ہر دو صاحبزادگان صاحبان کو اطلاع کر دی گئی کہ انشاء اللہ آپ کے مقابلہ میں تمام مخالفین شکست کھا جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فالحمدللہ

۱۷۱۔ یکم و ۲۔اکتوبر ۱۹۵۷ء کی درمیانی رات کو قریباً ۱۲ بجے دیکھا۔ عشاء کا وقت ہے کہ ہم قادیان گئے ہیں۔ اندھیری راتیں ہیں۔ میں مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر چڑھ کر دروازے کے ساتھ کھڑا ہوں اور کہتا ہوں، یا مجھے آواز آئی ہے:

'تین جون'

یعنی آج کی تاریخ جو ہم قادیان میں آئے ہیں تین جون ہے۔ اور بغیر کسی شور اور غوغا کے آئے ہیں۔

۱۷۲۔ ایضاً! قادیان کے متعلق ۱۹۵۶ء میں بھی مجھے القاء ہوا تھا۔

غلبة الروم فی ادنی الارض و هم من بعد غلبهم سیغلبون............ یومئذٍ یفرح المومنون.

تفہیم یہ ہوئی کہ قادیان ہمارے قبضہ میں آئے گا۔

۱۷۳۔ ۷۔اکتوبر ۱۹۵۷ء کو جب بوقت سحری بعد نماز تہجد میں لیٹا تو دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے مکان سے باہر تشریف لائے ہیں، اور مولوی ابو العطا صاحب سے (جن کے ساتھ دو تین انکے رشتہ دار بھی ہیں) مخاطب ہو کر فرمایا، کہ قادیان سے جو مرغے آئے ہیں ان کا گوشت کچھ کڑوا تھا۔ میں حضور کی اس گفتگو کے درمیان کچھ بولنے لگا تو حضور انور نے یہ فرما کر کہ میری بات پہلے سن لو مجھے خاموش کر دیا۔ پھر حضور مولوی صاحب ابوالعطاء سے فرمانے لگے کہ میں ان مرغے لانے والوں سے یہ پوچھنا بھول گیا ہوں کہ تم کس گاڑی پر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قادیان بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے قبضہ میں ہے اور قادیان سے کم از کم دو تین گاڑیاں آتی

ہیں۔

خواب میں یہ معلوم ہوا کہ مرغے تورات کے وقت لائے گئے تھے، مگر حضور جب گفتگو فرما رہے تھے تو اس وقت دن چڑھا ہوا تھا اور روشنی اس قدر تیز تھی کہ در و دیوار بہت روشن نظر آ رہے تھے۔ اور میں حضور کی گفتگو کے دوران میں دخل اس واسطے دے رہا تھا کہ میں سمجھتا تھا کہ ان مرغوں کا ذکر مولوی ابوالعطاء صاحب سے پہلے میں نے حضور سے کیا ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ تو کڑوے ہیں۔

۱۷۴۔ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو میں نے مولوی محمد حسین صاحب کے ایک اہم کام کے لئے دعا کی تو دعا میں میری زبان سے یہ الفاظ نکلے:

'اے رب ان کی لَج نہ ٹوٹے'

پھر میں نظارہ دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی جو بڑی پگڑی والا ہے وہ لمبے لمبے رسوں کو، جو لَج کی طرح ہیں ہلاتا ہے اور کہتا ہے، 'کہ نہیں ٹوٹے گی'۔ صبح ان کو بتلایا گیا اس کے بعد جلد ہی ان کا وہ اہم کام نہایت عمدگی سے بفضلہٖ تعالیٰ سرانجام پا گیا۔ فالحمد للہ!

۱۷۵۔ ۱۰،۱۱۔ نومبر ۱۹۵۷ء کی درمیانی رات جب میری آنکھ کھلی تو زور سے میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے تھے:

وَلَنُخرِ جَنَّھُمَ مِنھَا اَذِلَّةً و ھُمُ صَاغِرُون

اسی طرح کی حالت کئی بار ہوئی اور تقریباً ساری رات ہی اس طرح معاملہ ہوتا رہا۔ یہ کوٹھی ۱۰۲۔ ڈی ماڈل ٹاؤن کے متعلق ہے کہ میر صاحب وہاں سے ذلت سے نکالے جائیں گے۔ (اور ایسا ہی ہوا۔ مرتب)

۱۷۶۔ ۱۹۔ نومبر ۱۹۵۷ء کو قاضی منصور احمد ابن قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے۔ کینٹ صدر شعبہ نفسیات کراچی یونیورسٹی کے رشتہ کے متعلق دعا کی گئی۔ تو دیکھا کہ قاضی منصور احمد کا نکاح ہو گیا ہے اور وہ اپنی بیوی کے ہمراہ بازار میں ہے۔ بازار امرتسر کی طرح تنگ مگر بارونق ہے۔ دونوں خوش و خرم ہیں۔ سادے کپڑے، جسم دبلے، بچوں کی طرح جلدی جلدی چلتے ہیں۔ چنانچہ ۲۔ دسمبر کو قاضی محمد اسلم صاحب کا خط آیا کہ:

''پہلی جگہ رشتہ نہیں ہوا۔لیکن معاً دوسری جگہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب مدظلہٗ کی وساطت سے رشتہ آ گیا ہے۔جس کو ہم نے منظور کرلیا ہے۔''

یہ رشتہ ملک عمر علی صاحب رئیس ملتان کی صاجزادی کا تھا۔الحمدللہ! کہ آج ۲۵۔اکتوبر ۱۹۵۸ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا نکاح پڑھا۔**بارک اللہ لھم**

۱۷۷۔ ۹۔جنوری ۱۹۵۸ء کا واقعہ ہے کہ میں انفلوئنزا میں مبتلا تھا کہ کچھ گھبراہٹ کے کلمات منہ سے نکلے،گو میں خدا تعالیٰ کے پاس جانے کیلئے تیار تھا۔اتنے میں اونگھ آ گئی۔غنودگی میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوتا ہوں۔اور ایسا نظر آتا ہے جیسے پہاڑ میں سرنگیں ہوتی ہیں۔اسی قسم کی ایک سرنگ ہے۔جس کے باہر کے سرے پر میں ہوں،اور اندر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سفید لباس شاہانہ میں ملبوس،نورانی منبر پر جلوہ افروز ہیں۔میرے گھبراہٹ کے کلمات سن کر فرماتے ہیں:

'نہ گھبرا میں تیرا رب غفور رحیم ہوں'

یہ سن کر میری آنکھ کھل گئی۔تو گھبراہٹ دور ہو چکی تھی اور طبیعت میں بشاشت پیدا ہو گئی تھی۔ **فالحمدللہ!**

۱۷۸۔ اسی طرح اپریل ۱۹۱۱ء کا بھی ایک واقعہ ہے۔جب کہ میں چک ۹۹ شمالی سرگودھا میں تھا کہ وہاں سخت طاعون پڑی اور مجھے بھی طاعون ہوگئی۔جس سے میں دو دن تک بیہوش رہا۔میری طاعون کی خبر سن کر وہاں کے غیر احمدی لوگ میری موت کیلئے اپنی مسجدوں میں دعائیں کرنے لگے۔جس سے جماعت کو بہت صدمہ ہوا۔

دوستوں کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کی عیادت کو آتے اور آپ کا حال دریافت کرتے تو آپ بیہوشی میں ہی کہہ دیتے:

'اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔اچھا ہوں'

دو دن تک میں بے ہوش رہا۔تیسرے دن جب ہوش آنے لگی تو ہوش آنے سے ذرا پہلے میں نے مندرجہ ذیل خواب دیکھا:

''دیکھتا ہوں کہ میری موت کا وقت آ گیا ہے اور ملک الموت آتا ہوا دکھائی دیا۔مگر میری حالت یہ تھی کہ میں مرنے پر راضی نہیں تھا۔تب میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ میرے ایمان کی کمزوری ہے کیونکہ حدیث

شریف میں آیا ہے کہ جب مومن روح قبض کرنے والے فرشتوں کو دیکھتا ہے تو وہ مرنے پر راضی ہو جاتا ہے۔ جوں ہی میرے دل میں یہ خیال آیا تو دیکھا کہ باہر سے ایک فرشتہ متمثل ہو کر میرے سامنے آیا ہے اور آتے ہی بتایا کہ میرا نام کرم الٰہی ہے۔ پھر میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آؤ میں تمہیں وہ زمین دکھلاؤں جہاں مومن پہنچ کر مرنے کے لئے راضی ہوتا ہے۔ پھر وہ چل پڑا اور میں بھی اس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، اور سخت اندھیرا تھا۔ تھوڑی دور جا کر کچھ ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی۔ پھر جوں جوں ہم آگے بڑھتے جاتے تھے روشنی تیز ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایسی تیز روشنی ہوگئی جیسا کہ آئینہ پر سورج کی تیز شعاعیں پڑتی ہیں۔ اس طرح اس زمین میں نورانیت کی شعاعیں تیز تھیں۔ وہاں پہنچ کر اس فرشتہ نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور کہا کہ جب تم اس مقام پر پہنچو گے اس وقت تم مرنے پر راضی ہو گے۔ پھر جب میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا تو میرا دل شوق سے موت کیلئے راضی تھا اور میں چاہتا تھا کہ اسی وقت میری وفات ہو جائے تو بہتر ہے، کیونکہ طاعون کی موت تو مومن کے لئے شہادت ہوتی ہے۔ میں اس حالت میں موت کی انتظار میں تھا کہ وہی فرشتہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندھیرے میں لے آیا۔ تب میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے ہوش میں آتے ہی اپنے پاس والوں کو خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے بچا لیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں تندرست ہو گیا۔" **الحمد لله!**

آج، جب کہ ۱۹۵۸ء ہے، اور اس وقت میری عمر ۸۳ سال کی ہے، میں موت کے لئے ہمہ تن مستعد ہوں۔ اب مجھے کوئی اندیشہ نہیں۔ بلکہ اب تو میں اپنے پیارے مولیٰ کے حضور حاضر ہونے اور اپنے محبوب آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا مشتاق ہوں۔ **اللھم انت ولیّ فی الدنیا والأخرة توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین. آمین!**

۱۷۹۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۵۸ء کو طارق ٹرانسپورٹ کے مقدمہ کی کامیابی کے لئے دعا کر رہا تھا کہ آواز آئی:

'والسمآء والطارق۔ فتح طارق'

الحمد لله ۲۳۔ جولائی ۱۹۵۸ء کو حضرت میاں صاحب مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہٗ کا مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں یہ خوش خبری درج تھی کہ:

"عزیز مرزا منیر احمد سلمہٗ نے اطلاع دی ہے کہ اس کے کیس کا فیصلہ طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کے حق میں ہو گیا ہے۔

الحمد لله علیٰ ذالک آپ کی دعاؤں کا شکریہ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

۱۸۰۔ ایضاً۔ اسی تاریخ اپنے بیٹے میجر محمد اسحاق بقاپوری کے امریکہ سے بامراد واپسی پر دعا کر رہا تھا کہ آواز آئی۔

'بن ٹھن کے آیا محمد اسحاق بقاپوری'

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عزیزم کامیاب و کامران ہو کر واپس آئے گا۔

۱۸۱۔ نیز اسی تاریخ کو محمد اسماعیل خالد کی اولاد نرینہ کے لئے دعا کر رہا تھا۔ تو زبان پر جاری ہوا:

'سمع اللّٰہ لمن حمدہ'

۱۸۲۔ ایضاً۔ عزیز مبارک احمد کی مستقل ملازمت کے واسطے جب دعا کر رہا تھا۔ تو اثناء دعا یوں معلوم ہوا کہ میں اس کو راجہ مبارک احمد سمجھتا ہوں۔

۱۸۳۔ ۳۰۔ اپریل ۱۹۵۸ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہٗ نے اپنے صاجزادے مرزا مظفر احمد صاحب کے امریکہ سے واپسی کا ذکر فرمایا۔ اور بخیریت پہنچنے کے لئے خاکسار کو دعا کی تحریک فرمائی۔ میں رات کو جب ان کے لئے دعا کر رہا تھا تو زبان پر جاری ہوا:

'اذ ارسلنا الیھم اثنین فعززنا بثالث'

دوسرے دن اس کا ذکر میں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے کیا تو آپ نے اس پر اظہار خوشنودی فرمایا۔

۱۸۴۔ ۸۔ مئی ۱۹۵۸ء کو سات بجے شام کے القاء ہوا:

'پانچ یا تین جید آدمی'

اور تفہیم یہ ہوئی کہ ۱۹۵۸ء میں جماعت احمدیہ میں سے اس قدر چیدہ نفوس فوت ہوں گے۔ چنانچہ اس کے بعد مندرجہ

ذیل بزرگان کی وفات اس سال تواریخ ذیل میں ہوئی:

ا۔ حضرت سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ حرم اول حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۳۱۔ جولائی ۱۹۵۸ء کو ہوا۔

۲۔ ملک غلام محمد صاحب آف قصور صحابی ۳۔ جولائی ۱۹۵۸ء

۳۔ خان صاحب منشی برکت علی صاحب ۷۔ اگست ۱۹۵۸ء

۴۔ مولوی رحمت علی صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا ۳۱۔ اگست ۱۹۵۸ء

۵۔ قریشی محمد شفیع صاحب بھیروی ۱۶۔ نومبر ۱۹۵۸ء

(آپ حضرت خلیفۃ المسیح اول کے بھانجے اور ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔)

۱۸۵۔ ۲۱۔ مئی ۱۹۵۸ء کو میں عزیزہ امتہ الحکیم صاحبہ بنت چوہدری محمد شریف صاحب کی صحت کیلئے اور عزیز چوہدری حفیظ احمد صاحب کے کاروبار میں ترقی اور برکت کے لئے دعا کر رہا تھا۔ اثناء دعا میں نے یہ نظارہ دیکھا کہ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب عزیزہ کے مکان سے علاج کرا کے باہر نکل رہے ہیں۔ اور ایسا ہی یہ بھی دیکھا کہ مولوی ابوالعطاء صاحب عزیز کے کاروبار میں بعض عطایا دے کر ان کے مکان سے باہر نکل رہے ہیں۔ میں مکان کے اندر جب داخل ہوا تو ان ہر دو صاحبان یعنی ڈاکٹر صاحب اور مولوی صاحب کی مکان کے صحن میں ملاقات ہوئی۔ پھر میں ان کمروں میں جانے لگا جن میں وہ ہر دو عزیز بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھا تو وہ دونوں خوشی خوشی باہر نکل رہے ہیں۔ اور میں بھی خوش تھا کہ ان دونوں کے لئے جو میں نے دعا کی تھی وہ قبول ہوگئی۔ اور وہ دونوں عزیز کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ نظارہ رات کے پونے تین بجے دیکھا۔

بعد میں عزیزہ امتہ الحکیم صاحبہ کا خط آیا۔ جس میں قبولیت دعا کے متعلق بشارت درج تھی۔ فالحمد للہ!

۱۸۶۔ یکم نومبر ۱۹۱۴ء کو رؤیا میں دیکھا کہ میں قادیان میں گیا ہوں اور ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ آپ کو رقعہ میں رکھیں گے اور مبلغ ۹ روپے تنخواہ ہوگی۔ رقعہ کے متعلق تفہیم یہ ہوئی کہ رقعہ نویسی (یعنی پرائیویٹ سیکرٹری) کی خدمت گویا میرے سپرد ہوگی۔ واللہ اعلم اس سے کیا مراد ہے۔

۱۸۷۔ ۲۱۔نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک اور رؤیا دیکھا کہ میں قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے پاس بیٹھا ہوں (مگر نقشہ کسی بڑے شہر کا ہے)۔ میری گذارشیں حضور بڑی محبت اور دلی توجہ سے سن رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قادیان میں اب میرا رہنا منظور ہو رہا ہے۔ پھر اسی شہر میں مَیں نے ایک ہندو امیر کا علاج کیا۔ اسے آرام معلوم ہوتا ہے۔ اور مولوی محمد علی صاحب بدوملہی نے اس کے گھر سے سات روپے لاکر مجھے دیئے۔ میں نے جب انہیں ہاتھ میں لیا تو زیادہ معلوم ہوئے۔ میں نے تین تین کر کے گننا شروع کیا تو دس دفعہ گنے گئے۔ میں نے سمجھا کہ فی یوم روپیہ ہوا۔

اس کی تعبیر اس وقت ظاہر ہوئی جب کہ مجھے ۱۹۳۴ء میں پچیس روپے پنشن دے کر فارغ کیا گیا۔ تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے جو ان دنوں ناظم تعلیم و تربیت تھے، تیس روپے الاؤنس دے کر مقامی واعظ کی حیثیت سے مجھے دارالامان قادیان میں رکھ لیا۔

۱۸۸۔ ۲۸۔نومبر ۱۹۱۴ء بروز ہفتہ رؤیا میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی۔ پھر دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے پاس بیٹھا ہوا ہوں اور کچھ علمی گفتگو ہو رہی ہے۔ اس کے بعد حضور نے مجھے اردو مدرسہ میں کوئی جگہ دینے کا ارشاد فرمایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش ہو رہی ہے اور حضور اس بارش میں صرف تہہ بند باندھ کر دوڑ لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا۔ اور میرا امتحان لینے کی خاطر ایک عربی کی کتاب بھی دی گئی تا کہ اسے پڑھ کر سناؤں۔ میں نے اس کتاب کو دیکھا تو بہت آسان معلوم ہوئی۔ اور وہ مجھے خوب آتی ہے۔

۱۸۹۔ ۲۶،۲۵۔نومبر ۱۹۲۷ء کی درمیانی رات کو بوقت سحری میں نے دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز لیٹے ہوئے ہیں اور خاکسار بھی حضور کے قریب لیٹا ہوا ہے اور جماعت کے بہت سے احباب بھی ہیں۔ بعض ان میں سے نماز پڑھ رہے ہیں اور بعض قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہیں اور بعض آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نوجوان مجھے چاپی کرنا چاہتا ہے۔ میں اسے روک کر کہتا ہوں کہ مجھے چھوڑ، حضور کو چاپی کر۔ مگر وہ اس کی پرواہ نہ کر کے مجھے چاپی کرنے لگتا ہے۔ تب میں جلدی سے اٹھ کر خود ہی حضور کو چاپی کرنے لگتا ہوں۔ اس پر حضور اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور مسکرا مسکرا کر مجھ سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور کچھ تو میرے بڑھاپے کی وجہ سے اور کچھ مرحومہ مبارکہ کے صدمے کی وجہ سے میرا کچھ لحاظ فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی محسوس

ہوتا ہے کہ حضور کسی دوسرے سے چاپی کرانا پسند نہیں فرماتے۔اس سے میرے دل میں بڑی خوشی ہے اور سمجھتا ہوں کہ میرے ساتھ حضور کا خاص تعلق ہے۔اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی۔

۱۹۰۔ ۱۰۔دسمبر ۱۹۵۳ء کا الہام جو حیاتِ بقاپوری جلد اول صہ ۲۱۰ پر شائع ہو چکا ہے*۔کہ میں جب نیند سے بیدار ہوا تو زبان پر جاری تھا، پچونجہ چھونجہ (پچپن۔چھپن)۔اس وقت تو اس کے متعلق کوئی تفہیم نہیں ہوئی تھی۔مگر بعد میں واقعات کی رو سے الہام کی حقیقت کا انکشاف یوں ہوا کہ ۱۹۵۵ء میں جب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بسلسلہ بیماری علاج کے لئے یورپ تشریف لیگئے،تو حضور کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر باغیانِ خلافت نے جماعت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔اور واپس تشریف لانے پر حضور نے ۱۹۵۶ء میں اس فتنہ کی آگ کو بجھا دیا جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔اور ان فتنہ پردازوں کو جماعت سے خارج فرما کر اس رِستے ہوئے ناسور کے زہر سے جماعت کو پاک و مصفا کر دیا۔

(*نوٹ: حصہ اوّل میں اسکی تاریخ ۱۰۔دسمبر ۱۹۵۲ء ہے۔مرتب)

باب چہارم

امام العصر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمات طیبات وروایات

اب میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعض چشمدید حالات اور دیگر روایات رفاہ عامہ کے لئے تحریر کروں اللہ تعالیٰ اِن پر عاشقانہ رنگ میں عمل کرنے کی توفیق دے۔آمین ۔جن کے حوالے مل گئے ہیں انکو باحوالہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ باللہ التوفیق

ا۔قرآن حدیث پر مقدم ہے:۔

''ہم خدا تعالیٰ کا پیارا اور یقینی کلام قرآن شریف پیش کرتے ہیں۔اور وہ اس کے جواب میں قرآن سے استدلال نہیں کرتے۔ ہمارا مذہب یہی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو مقدم کرو۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جو قرآن شریف کے مخالف ہو۔ ہم نہیں مان سکتے۔ خواہ وہ کسی کا کلام ہو۔خدا تعالیٰ کے کلام پر ہم کسی کی بات کو ترجیح کس طرح دیں۔ ہم احادیث کی عزت کرتے ہیں۔ اور اپنے مخالفین سے بھی بڑھ کر احادیث کو واجب العمل سمجھتے ہیں۔لیکن یہ سچ ہے کہ ہم دیکھیں گے۔ کہ وہ حدیث قرآن شریف کے متعارض یا مخالف نہ ہو۔اور محدثین کے اپنے وضع کردہ اصولوں کی بناء پر اگر کوئی حدیث موضوع بھی ٹھیرتی ہو۔لیکن قرآن شریف کے مخالف نہ ہو۔ بلکہ اس سے قرآن شریف کی عظمت کا اظہار ہوتا ہو تو تب بھی ہم اس کو واجب العمل سمجھتے ہیں۔اور اس امر کا پاس کریں گے۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔لیکن اگر کوئی حدیث ایسی پیش کی جاوے۔ جو قرآن شریف کے مخالف ہو تو ہم کوشش کریں گے کہ اس کی تاویل کر کے اس مخالفت کو دُور کریں۔لیکن اگر وہ مخالفت دور نہیں ہو سکتی ۔تو پھر ہم کو وہ حدیث چھوڑنی پڑے گی۔ کیونکہ ہم اس پر قرآن کو نہیں چھوڑ سکتے''۔

(الحکم ۱۰اگست ۱۹۰۳ء)

۲۔مقام حدیث:۔

''ہماری جماعت کا فرض ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سُنت نہ ہو۔تو خواہ

کیسے ہی ادنیٰ درجے کی حدیث ہواس پرعمل کریں۔اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پراس کوترجیح دیں۔اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پرعمل کرلیں۔کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادے پر دلالت کرتی ہے۔اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں۔ہاں! جہاں قرآن اور سنت سے کسی حدیث کو معارض پاویں۔تو اس حدیث کو چھوڑ دیں''۔

(ریویو مباحثہ بٹالوی چکڑالوی صہ۵۔۶)

۳۔حنفی اور اہل حدیث افراط تفریط میں مبتلا ہیں:۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

''اس عاجز کی دانست میں مقلدین وغیر مقلدین کے عوام افراط تفریط میں مبتلا رہے ہیں۔اور اگر وہ صراط مستقیم کی طرف رجوع کریں۔تو حقیقت میں ایک ہی ہیں۔دین اسلام کا مغز اور لب لباب توحید ہے۔اس توحید کے پھیلانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے۔اور قرآن شریف نازل ہوا ۔سو توحید اس بات کا نام نہیں۔کہ جو خدا تعالیٰ کو زبان سے وحدہٗ لاشریک کہیں اور دوسری چیزوں کو خدا تعالیٰ کی طرح سمجھ کر ان سے مرادیں مانگیں۔اور نہ توحید اس بات کا نام ہے کہ گو بظاہر تقدیری اور شرعی امور کا مبدأ اُسی کو سمجھیں۔مگر اس کی تقدیر اور تشریع میں دوسروں کا اس قدر داخل روا سمجھیں کہ گویا وہ اس کے بھائی بند ہیں۔مگر افسوس کہ عوام مقلدین (حنفی) ان دونوں قسموں کی آفتوں میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ان کے عقائد میں بہت کچھ شرک کی باتوں کو دخل ہے۔اور اولیاء کی حیثیت کو انہوں نے ایسا حد سے بڑھا دیا ہے۔کہ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ تک نوبت پہنچ گئی ہے۔دوسری طرف امور تشریعی میں آئمہ مجتہدین کی حیثیت کو ایسا بڑھایا ہے کہ گویا وہ بھی ایک چھوٹے نبی مانے گئے ہیں۔حالانکہ جیسا امور قضاء وقدر میں وحدت ہے۔ایسا ہی تبلیغ احکام شریعت میں بھی وحدت ہے۔مقلد لوگ تب ہی راستی پر آسکتے ہیں۔ اور اسی حالت میں ان کا ایمان درست ہوسکتا ہے۔جب صاف صاف یہ اقرار کریں کہ ہم آئمہ مجتہدین کی خطا کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔

غضب کی بات ہے کہ غیر معصوم معصوم کی طرح مانا جائے۔ہاں! بیشک چاروں امام قابل تعظیم وشکر گذار

ی کے ہیں۔ان سے دنیا کو بہت فوائد پہنچے ہیں۔مگر ان کو پیغمبر کے درجے پر سمجھنا۔صفات نبوت ان میں قائم کرنا کفر نہیں ہے۔تو قریب قریب اس کے تو ضرور ہے۔اگر ائمہ اربعہ سے خطا ممکن نہ تھا تو پھر باہم ان میں صدہا اختلافات کیوں پیدا ہوگئے۔اور اگر ان سے اپنے اجتہادات میں خطا ہوئی۔تو پھر ان خطاؤں کو ثواب کی طرح کیوں مانا جائے۔یہ بُری عادت مقلدین میں نہایت شدت سے پائی جاتی ہے۔

وہ لوگ (غیر مقلدین) جو موحدین کہلاتے ہیں۔اکثر عوام الناس ان میں سے اولیاء کی حالت اور مقام کے منکر پائے جاتے ہیں۔اور ان میں خشکی بھری ہوئی ہے۔اور جن مراتب تک انسان بفضلہٖ تعالیٰ پہنچ سکتا ہے۔اس سے وہ منکر ہیں۔

بعض جاہل ان میں سے آئمہ مجتہدین سے ہنسی بھی کرتے ہیں۔اور طریق فکر و توحید حقیقی و ذوق وشوق دانس و محبت سے بالکل دور مجبور پائے جاتے ہیں۔خدا تعالیٰ دونوں فریقوں کو توفیق راہ ہدایت بخشے“۔

(الحکم ۱۷/۱۱ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

۴۔ حدیث:اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کا مطلب:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں دیکھنے میں آیا کہ جب تکبیر ہوتی تھی تو جو احباب سُنتیں پڑھ رہے ہوتے تھے۔وہ انہیں پوری کر کے جماعت میں شامل ہوتے تھے۔اسی طرح حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب ہم یہی سمجھتے تھے کہ جب امام تکبیر کہے تو اس کے بعد اگر سُنتیں پڑھنے والا ایسی حالت میں ہو کہ وہ اپنی سنت کی نماز ختم کر کے رکوع میں امام کے ساتھ مل سکتا ہو تو وہ پوری کر لے۔اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل واقعہ روشنی ڈالتا ہے۔

امام سجدہ کرنے کے بعد دوسری رکعت میں کھڑا ہوگیا۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھے رہے۔جب امام نے رکوع کے لئے تکبیر کہی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُٹھ کر رکوع میں شامل ہوگئے۔سلام کے بعد مولوی صاحبان سے اپنی رکعت کے متعلق ذکر کیا جو بغیر الحمد کے ادا کی تھی۔تو انہوں نے کہا کہ چونکہ حدیث میں آیا ہے۔کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتٰب۔اس لئے آپ کی رکعت نہیں ہوئی۔حضور علیہ السلام نے فرمایا۔لا صلوٰۃ آیا ہے۔نہ کہ لا رکعت۔جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں الحمد تو ضرور پڑھنی چاہئے۔لیکن اگر کسی وجہ سے کسی

رکعت میں الحمد نہ پڑھی جائے تو وہ رکعت ہو جاتی ہے اور اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں شامل ہونے والے کو رکعت پا لینے والا ہی شمار کیا ہے۔ اُس دن ہم نے سمجھ لیا کہ یہ جو فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی ایک رکعت سُنت رہتی ہو تو وہ پوری کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہو، صحیح ہے۔

لیکن فرقہ اہل حدیث کا یہی مذہب ہے کہ نمازی جس حالت میں ہو امام کے تکبیر کہنے کے بعد سلام پھیر دے۔ خواہ وہ آخری التحیات میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ مگر روایات کے لحاظ سے صحیح وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلک تھا۔ اور صحابہ کرام کا بھی اسی پر عمل تھا۔

خلافت ثانیہ کے شروع میں حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ تعالیٰ کا ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ جب تکبیر شروع ہو جاوے تو سنتیں پڑھنے والا خواہ وہ آخری تشہد ہی پڑھ رہا ہو۔ سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جائے میں نے جب میر صاحب کا یہ مضمون پڑھا۔ تو ان سے عرض کیا۔ کہ آپ کا یہ مسلک سلسلہ کے طرز عمل اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے استدلال کے خلاف ہے۔ اور فقہاء نے بھی آپ کے خلاف لکھا ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے مفتی سلسلہ مولوی محمد سرور شاہ صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا طرز عمل فقہاء والا ہی بتایا۔ اس کے بعد اس اختلاف کا ذکر میں نے حضرت خلیفہ الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے کیا۔ تو آپ نے بھی مولوی محمد سرور شاہ صاحب کی تائید فرمائی۔

۵۔ آتش ابراہیمی واقعی لکڑیوں والی آگ تھی!

خلافت ثانیہ کا ہی واقعہ ہے کہ ایک احمدی نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ جو نمرود نے جلائی تھی۔ کیا وہ حسد اور لڑائی کی آگ تھی؟ میں نے کہا کہ یہ سوال حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ وہ آگ یہی لکڑیوں والی آگ تھی۔ چنانچہ دھرمپال نے اپنی کتاب ترک اسلام میں جب اس معجزہ کا انکار کیا۔ تو مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہل حدیث میں لکھا کہ کیا اچھا ہو کہ اگر مرزا صاحب جو اپنے آپ کو ابراہیم کہتے ہیں آگ میں پڑ کر یہ معجزہ دکھلا دیں۔ اس کا ذکر ایک دوست نے حضرت اقدس کے پاس کیا اور کہا کہ یہ آگ تو جنگ اور فتنہ و فساد کی تھی نہ کہ لکڑیوں کی۔ تو آپ نے فرمایا نہیں مولوی صاحب! یہی لکڑیوں والی آگ تھی۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی جو مخالفین نے اپنی مرضی سے جلائی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زبردستی اس میں ڈالا گیا تھا۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابراہیم کے نام

سے پکارا ہے اور اس کے خواص میرے اندر رکھ دیے ہیں۔ اگر میرے مخالف یہ معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ بھی نمرود کی طرح آگ جلائیں اور مجھے میری مرضی کے خلاف اُس میں ڈال دیں۔ میں اُس خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے مجھے ابراہیم کہا ہے وہی مجھ پر وہ آگ ٹھنڈی کر دے گا۔

دوسری دفعہ کا واقعہ یوں ہے کہ ایک دوست کا خط حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ آیا فی الواقع وہ آتش ہیزم تھی یا فتنہ وفساد کی آگ تھی۔ تو اس کا جواب جو حضرت اقدس علیہ السلام نے دیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ وہ آگ یہی ظاہری آتش تھی۔

(الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۷ء)

۶۔ مرنے پر طعام کھلانا:۔

قاضی اکمل صاحب نے عرض کیا کہ دیہات میں دستور ہے۔ کہ شادی غمی کے موقع پر ایک قسم کا خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی چودھری مرجاوے تو تمام مسجدوں داروں و دیگر کمیوں کو بحصہ رسدی کچھ دیتے ہیں۔ اس کے نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے۔

فرمایا کہ طعام جو کھلایا جاوے اُس کا مُردہ کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ گو ایسا مفید نہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں خود کر جاتا۔

عرض کیا گیا۔ حضور وہ خرچ وغیرہ کمیوں میں بطور حق الخدمت کے تقسیم ہوتا ہے۔ فرمایا۔ تو پھر کچھ حرج نہیں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ کسی کی خدمت کا حق تو دے دینا چاہیئے۔

عرض کیا گیا۔ اس میں فخر وریا ضرور ہوتا ہے۔ یعنی دینے والے کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ مجھے کوئی بڑا آدمی کہے۔

فرمایا۔ بہ نیت ایصال ثواب تو پہلے ہی وہ خرچ نہیں حق الخدمت ہے۔ بعض ریاء شرعاً بھی جائز ہیں۔ مثلاً چندہ وغیرہ۔ نماز باجماعت ادا کرنے کا جو حکم ہے تو اسی لئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو۔ غرض اظہار واخفاء کے لئے موقع ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت سب رسوم کو منع نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ریل پر چڑھنا۔ تار ڈاک کے ذریعہ خبر منگوانا سب بدعت ہو جاتے۔

(بدر ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

۷۔ تنبول:۔

قاضی اکمل صاحب نے عرض کیا کہ تنبول کی نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے۔

فرمایا اِس کا جواب بھی وہی ہے۔اپنے بھائی کی ایک طرح کی امداد ہے۔

عرض کیا گیا جو لوگ تنبول دیتے ہیں وہ تو اس نیت سے دیتے ہیں کہ ہمیں پانچ کے چھ ملیں۔اور پھر اسی روپیہ کو کنجروں وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں۔

فرمایا ہمارا جواب تو اصل رسم کی نسبت ہے کہ نفس رسم پر کوئی اعتراض نہیں۔باقی رہی نیت۔سو آپ ہر ایک کی نیت سے کیونکر آگاہ ہو سکتے ہیں۔یہ تو کمینہ لوگوں کی باتیں ہیں کہ زیادہ لینے کے ارادہ سے دیں یا چھوٹی چھوٹی باتوں کا حساب کریں۔ایسے شریف آدمی بھی ہیں جو محض بہ تعمیل حکم تعاون وتعلقات محبت تنبول دیتے ہیں۔اور بعض تو واپس لینا بھی نہیں چاہتے۔بلکہ کسی غریب کی امداد کرتے ہیں۔غرض سب کا جواب ہے۔اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات.

نوٹ:۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس روایت سے شادی وغمی کے موقعوں پر ایصال ثواب کی خاطر غرباء میں صدقہ دینا خواہ نقدی ہو یا طعام وغیرہ جائز ہے۔اور اسی بناء پر خاندان حضرت مسیح موعود کی شادیوں میں عمل ہوتا آیا ہے اور کھلانے پلانے اور لین دین کا سلسلہ جاری ہے۔

۸۔ مُرشد کو سجدہ کرنا ناجائز ہے:۔

۱۷اپریل ۱۹۰۷ء ایک شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔اُس نے سر نیچے جھکا کر آپ کے پاؤں پر رکھنا چاہا۔حضرت نے ہاتھ کے ساتھ اس کے سر کو ہٹایا اور فرمایا یہ طریق جائز نہیں۔السلام علیکم کہنا اور مصافحہ کرنا چاہیئے۔

۹۔ دوکانداری کی مشکلات:۔

اگست ۱۹۰۷ء ایک شخص نے عرض کی کہ میں ایک گاؤں میں دوکان پر گڑ شکر بیچتا ہوں۔بعض دفعہ لڑکے یا زمینداروں کے مزدور اور نوکر چاکر کپاس یا گندم یا اور ایسی ہی چیزیں لاتے ہیں اور اس کے عوض میں سودا لے جاتے

ہیں۔ جیسا کہ دیہات میں عموماً دستور ہوتا ہے۔ لیکن بعض لڑکے یا نوکر مالک سے چوری ایسی چیزیں لاتے ہیں۔ کیا اس صورت میں اُن کو سودا دینا جائز ہے۔ یا کہ نہیں؟ فرمایا۔ جب کسی شے کے متعلق یقین ہو کہ یہ مال مسروقہ ہے تو پھر اُس کا لینا جائز نہیں۔ لیکن خواہ مخواہ اپنے آپ کو بدظنی میں ڈالنا امر فاسد ہے۔ ایسی باتوں میں تفتیش کرنا اور خواہ مخواہ لوگوں کو چور ثابت کرنا دوکاندار کا کام نہیں۔ اگر دوکاندار ایسی تحقیقاتوں میں لگے گا تو پھر دوکانداری کس وقت کرے گا۔ ہر ایک کے واسطے تفتیش کرنا منع ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرو بہتر تھا کہ ایک گائے پکڑ کر ذبح کر دیتے۔ حکم کی تعمیل ہو جاتی۔ انہوں نے خواہ مخواہ اور باتیں پوچھنی شروع کر دیں۔ کہ وہ کیسی گائے ہے۔ اس کا رنگ کیسا ہے۔ اور اس طرح کے سوال کر کے اپنے آپ کو اور دقت میں ڈال لیا۔ بہت مسائل پوچھتے رہنا اور باریکیاں نکالتے رہنا اچھا نہیں ہوتا۔

۱۰۔ گذشتہ روحوں کو ثواب:۔

جب میں سندھ میں امیر التبلیغ تھا تو جب کبھی سندھی مجھ سے اپنے مولویوں کے اُکسانے پر سوال کرتا کہ حضرت پیراں پیر کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے گیارہویں شریف دینا جائز ہے کہ نہیں؟ تو میں یہی جواب دیتا کہ جائز ہے مگر دن مقرر نہ کرے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے میں نے یہی سُنا ہوا تھا، چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ مندرجہ ذیل ہے۔

۶ اگست ۱۹۰۷ء ایک شخص کی طرف سے سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی شخص حضرت سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر کھانا پکا کر کھلا دے تو کیا یہ جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ طعام کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ گذشتہ بزرگوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر اگر طعام پکا کر کھلایا جائے تو یہ جائز ہے۔ لیکن ہر ایک امر نیت پر موقوف ہے۔ اگر کوئی اس طرح کھانے کے واسطے کوئی خاص تاریخ مقرر کرلے اور ایسا کھانا کھلانے کو اپنے لئے قاضی الحاجات خیال کرے تو یہ ایک بدعت ہے اور ایسے کھانے کو لینا دینا حرام ہے اور شرک میں داخل ہے۔ تاریخ کی تعیّن میں بھی نیت کا دیکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ملازم ہے اور اُسے مثلاً جمعہ کے دن ہی رخصت مل سکتی ہے۔ تو حرج نہیں کہ وہ اپنے ایسے کاموں کے واسطے جمعہ کا دن مقرر کرے۔ غرض جب تک کوئی ایسا فعل نہ ہو جس میں شرک پایا جائے۔ صرف کسی کو ثواب پہنچانے کی خاطر طعام کھلانا جائز ہے۔

(بدر ۱۸ اگست ۱۹۰۷ء)

۱۱۔ آداب اوراق قرآن شریف:۔

ایک شخص نے عرض کی کہ قرآں شریف کے بوسیدہ اوراق کو اگر بے ادبی سے بچانے کے واسطے جلا دیا جائے تو کیا جائز ہے؟ فرمایا جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی بعض اوراق جلائے تھے۔ نیت پر موقوف ہے۔

۱۲۔ عقیقہ کے واسطے کتنے بکرے مطلوب ہیں:۔

ایک صاحب کا حضرت اقدس کی خدمت میں سوال پیش ہوا۔ کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکا پیدا ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کے عقیقہ پر صرف ایک ہی بکرا ذبح کرے؟ حضرت اقدس نے جواب میں فرمایا کہ عقیقہ میں لڑکے کے واسطے دو بکرے ہی ہیں۔ لیکن یہ اس کے واسطے ہے جو صاحب مقدرت ہے۔ اگر کوئی شخص دو بکروں کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک خرید سکتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ ایک ہی ذبح کرے۔ اور اگر ایسا ہی غریب ہو کہ وہ ایک بھی قربانی نہیں کر سکتا تو اُس پر فرض نہیں کہ خواہ مخواہ قربانی کرے۔ مسکین کو معاف ہے۔

نوٹ:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اور خلافت اُولیٰ میں اور ابتداء خلافت ثانیہ میں اسی پر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۱ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے گھر دو توام لڑکے پیدا ہوئے۔ یعنی محمد اسمٰعیل اور محمد اسحاق۔ تو میں نے مفتی سلسلہ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب اور حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحومین مغفورین کو کہا کہ چار بکروں کی مجھ میں طاقت نہیں۔ ہاں دو دے سکتا ہوں۔ اور ساتھ ہی میں نے عرض کی کہ کیوں نہ ہو کہ میں ایک گائے دونوں کی طرف سے ذبح کر دوں اور اس میں ہم دونوں میاں بیوی بھی شامل ہو جائیں گے۔ تو ہر دو صاحبان نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کے تعامل میں آج تک نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ میں باہر تبلیغ پر جا رہا ہوں میرے آنے تک اس کی تحقیق مکمل کر لیں۔ جاتے ہوئے میں نے اس کا ذکر حضرت مصلح موعود سے بھی کیا۔ تو آپ نے بھی یہی فرمایا کہ عقیقہ کے لئے گائے ذبح کرنا کہیں سے ثابت نہیں۔ غرض جب میں واپس آیا تو ہر دو مفتیان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہی کہا کہ عقیقہ کے لئے گائے ذبح کرنا کہیں سے ثابت نہیں۔ لہذا آپ دونوں بیٹوں کی طرف سے دو بکرے عقیقہ کر دیں۔

۱۳۔ تراویح:۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ ماہ صیام میں نماز تراویح باجماعت سونے سے پہلے پڑھنی چاہیے یا پچھلی رات اُٹھ کر اکیلے گھر میں پڑھنی چاہیئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز تراویح کوئی جدا نماز نہیں۔دراصل نماز تہجد کی آٹھ رکعت کو اول وقت میں پڑھنے کا نام تراویح ہے۔اور یہ ہر دونوں صورتیں جائز ہیں جو سوال میں بیان کی گئی ہیں۔آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر دو طرح پڑھی ہیں۔لیکن اکثر عمل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس پر تھا کہ آپ پچھلی رات کو گھر میں اکیلے یہ نماز پڑھتے تھے۔

(دیکھو اخبار بدر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء)

۱۴۔ تراویح کی رکعات:۔

تراویح کے متعلق عرض کیا گیا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیس رکعت پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے کیونکہ تہجد تو مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت ہیں۔فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت دائمی تو وہی آٹھ رکعتیں ہیں جو آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے۔اور یہی افضل ہے۔مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رات کے پہلے حصہ میں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔بیس رکعت بعد میں پڑھی گئیں۔

(دیکھو بدر ۶ فروری ۱۹۰۸ء)

نوٹ:۔ یہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز تراویح اول وقت میں پڑھنی بھی سُنت ہے۔اس کا ذکر حدیث کی کتاب ترمذی شریف میں آتا ہے۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین رات متواتر اول رات نماز تراویح مسجد میں پڑھائی۔جب چوتھی رات کو لوگ آئے تو آپ نماز پڑھانے کے لئے باہر تسریف نہ لائے۔اور صبح بعد نماز فجر فرمایا کہ میں اس لئے نہیں آیا تھا کہ تا تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے عمل ہوتا آیا ہے۔کہ مسجد اقصیٰ میں عشاء کی نماز کے بعد آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھی جاتی رہی ہے۔اور جو سحری کے وقت پڑھتے وہ اپنے گھر میں پڑھتے۔حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسجد مبارک میں نماز تراویح باجماعت سحری سے پہلے پڑھی جاتی اور حضرت خلیفہ اول بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔خلافت ثانیہ میں بھی مسجد مبارک میں آدھی رات کے وقت یعنی سحری سے پہلے نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی رہی ہے۔اس سے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ جو آج کل فرقہ اہل حدیث کہتے ہیں کہ اول وقت نماز تراویح باجماعت پڑھنی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رواج ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں غلط ہے۔ صحیح وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز تراویح دونوں طرح جائز ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۱۵۔ معاملات تجارت میں سُود:۔

ایک صاحب کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ کہ جب بنکوں کے سود کے متعلق حضور نے اجازت دی ہے کہ موجودہ زمانہ اور اسلام کے حالات کو مدنظر رکھ کر اضطرار کا اعتبار کیا جائے سو اضطرار کا اصول چونکہ وسعت پذیر ہے اس لئے ذاتی۔ ملکی۔ قومی۔ تجارتی وغیرہ اضطرارات بھی پیدا ہو کر سود کا لین دین جاری ہوسکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا۔ اس طرح سے لوگ حرام خوری کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ بنک کا سود بسبب اضطرار کے کسی انسان کو لینا اور کھانا جائز ہے۔ بلکہ اشاعت اسلام اور دینی ضروریات کے لیے اس کا خرچ کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ وہ بھی اُس وقت تک کہ امداد دین کے واسطے روپیہ مل نہیں سکتا۔ اور دین غریب ہو رہا ہے۔ کیونکہ کوئی شئے خدا کے واسطے تو حرام نہیں۔ باقی رہی اپنی ذاتی ' ملکی ' قومی اور تجارتی ضروریات سو ان باتوں کے واسطے سود بالکل حرام ہے۔ وہ جواز جو ہم نے بتلایا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ مثلاً کسی جاندار کو آگ میں جلانا شرعاً منع ہے لیکن اس زمانہ میں اگر کہیں جنگ پیش آوے تو توپ بندوق کا استعمال کرنا مسلمانوں کیلئے جائز ہے۔ کیونکہ دشمن بھی اس کا استعمال کر رہا ہے۔

۱۶۔ سانڈ رکھنا:۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ خالصۃً لوجہ اللہ نسل افزائی کی نیت سے اگر کوئی سانڈ چھوڑ دے تو کیا یہ جائز ہے؟

فرمایا۔ اصل الشی ءِ الا باحۃ۔ اشیاء کا اصل اباحت ہی ہے۔ جنہیں خدا تعالیٰ نے حرام فرمایا وہ حرام ہیں باقی حلال۔ بہت سی باتیں نیت پر موقوف ہیں۔ میرے نزدیک تو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ثواب کا کام ہے۔ عرض کیا گیا کہ قرآن شریف میں جو سانڈ کے متعلق حکم آیا ہے۔ ولا ھام فرمایا۔ میں نے جواب دیتے وقت اسے زیر نظر رکھ لیا ہے۔ وہ تو دیوتاؤں کے نام پر چھوڑتے تھے۔ یہاں خاص خدا تعالیٰ کے نام پر ہے۔ نسل افزائی ایک ضروری بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں انعام وغیرہ کو اپنی نعمتوں میں سے فرمایا ہے۔ سو اس نعمت کی قدر کرنا

چاہیے۔اور قدر میں نسل کا بڑھانا بھی شامل ہے۔پس اگر ایسا نہ ہوتو پھر چار پائے کمزور ہوں گے اور دنیا کے کام بخوبی نہ چل سکیں گے۔اس لئے میرے نزدیک تو حرج کی بات نہیں۔ہر ایک عمل نیت پر موقوف ہوتا ہے۔ایک ہی کام جب کسی غیر اللہ کے نام پر ہوتو حرام ہے اور اگر اللہ کے لئے ہوتو حلال ہوجاتا ہے۔

(بدر یکم اگست ۱۹۰۷ء)

۱۷۔ نماز میں اپنی زبان میں بآواز بلند دُعا کرنا:۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور امام اگر اپنی زبان میں مثلاً اردو میں بآواز بلند دُعا مانگتا جائے اور پچھلے آمین کہتے جائیں تو کیا یہ جائز ہے جبکہ حضور کی تعلیم ہے کہ اپنی زبان میں دعائیں نماز میں کرلیا کرو۔فرمایا۔دعا کو بآواز بلند پڑھنے کی ضرورت کیا ہے۔خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے تضرعاً وخیفة ودون الجهر من القول (۷:۲۰۶)۔عرض کیا کہ دعائے قنوت تو بآواز بلند پڑھ لیتے ہیں۔فرمایا ہاں ادعیہ ماثورہ جو قرآن وحدیث میں آچکی ہیں وہ بے شک پڑھ لی جائیں۔باقی دعائیں جو اپنے ذوق اور حال کے مطابق ہیں وہ دل ہی میں پڑھنی چاہئیں۔

(بدر یکم اگست ۱۹۰۷ء)

نوٹ:۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفہ ثانی کا ہمیشہ یہی عمل رہا ہے۔

۱۸۔ کنوئیں کو پاک کرنا:۔

سوال ہوا کہ یہ جو مسئلہ ہے۔کہ جب چوہا یا بلی یا بکری یا مرغی یا آدمی کنوئیں میں مرجائیں تو اتنے ڈول پانی نکالنے چاہئیں۔اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے۔فرمایا ہمارا تو وہی مذہب ہے جو حدیث میں آیا ہے۔یہ جو حساب ہے کہ اتنے ڈول نکالو اگر فلاں جانور پڑے اور اتنے فلاں جانور پڑے یہ ہمیں تو معلوم نہیں اور نہ ہی ہمارا اس پر عمل ہے۔عرض کیا گیا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ جہاں سُنت صحیحہ سے پتہ نہ چلے وہاں حنفی فقہ پر عمل کرلو۔فرمایا فقہ کی معتبر کتابوں میں بھی کب ایسا تعین ہے۔ہاں نجات المومنین میں لکھا ہے۔سو اس میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ 'سر ٹوٹے وچہ دے کے بیٹھ نماز کرے' کیا اس پر کوئی عمل کرتا ہے۔اور کیا یہ جائز ہے۔جب حیض اور نفاس کی حالت میں نماز منع ہے۔پس ایسا ہی یہ مسئلہ بھی سمجھ لو۔میں تمہیں ایک اصل بتا دیتا ہوں کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔والرجز فاهجر (۷۴:۶)۔پس جب پانی کی حالت اس قسم کی ہوجائے جس سے صحت کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتو صاف کر

لینا چاہیے۔ مثلاً پتے پڑجائیں یا کیڑے وغیرہ۔ باقی یہ کوئی مقدار نہیں ۔جب تک رنگ بُو یا مزہ نجاست سے نہ بدلے وہ پاک ہے۔

(بدر یکم اگست ۱۹۰۷ء)

۱۹۔ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر دینا:۔

۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کو نماز مغرب میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے چونکہ امام کی آواز آخری صفوں تک نہیں پہنچتی تھی ۔اس لئے درمیانی صفوں میں سے ایک شخص حسب معمول بلند آواز سے تکبیر کہتا جاتا تھا۔آخری رکعت میں جب تشہد میں بیٹھے اور التحیات اور دُرود شریف پڑھ چکے اور قریب تھا کہ امام صاحب سلام کہیں مگر ہنوز انہوں نے سلام نہ کہا تھا کہ درمیانی مکبر کو غلطی لگی اور اُس نے سلام کہدیا۔جس پر آخری صفوں کے نمازیوں نے بھی سلام کہدیا اور بعض نے سُنتیں بھی شروع کر دیں کہ امام نے سلام پھیر دیا۔اور درمیانی مکبر نے جو اپنی پہلی غلطی پر آگاہ ہو چکا تھا دوبارہ سلام کہا۔اِس پر اُن نمازیوں نے جو پہلے سے سلام کہہ چکے تھے اور نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔مسئلہ دریافت کیا کہ آیا ہماری نماز ہوگئی یا ہم دوبارہ نماز پڑھیں۔صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب (مصلح موعود) نے جو خود بھی پچھلی صفوں میں تھے اور امام سے پہلے سلام کہہ چکے تھے فرمایا یہ مسئلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت کیا جا چکا ہے ۔حضرت نے فرمایا ہے آخری رکعت میں التحیات پڑھنے کے بعد اگر ایسا ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

(بدر مئی ۱۹۰۷ء)

۲۰۔ ایک مسجد میں دو جمعے:۔

سوال پیش ہوا۔کہ بعض مساجد اس قسم کی ہیں کہ وہاں احمدی اور غیر احمدی کو اپنی جماعت اپنے امام کے ساتھ الگ الگ کرا لینے کا اختیار قانوناً یا باہمی مصالحت سے حاصل ہوتا ہے۔تو ایسی جگہ جمعہ کے واسطے کیا کیا جاوے ۔کیونکہ ایک مسجد میں دو جمعے جائز نہیں ہو سکتے ؟ فرمایا جو لوگ تم کو کافر کہتے ہیں اور تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔وہ تو بہر حال تمہاری اذان اور تمہاری نماز جمعہ کو اذان اور نماز سمجھتے ہی نہیں۔اس واسطے وہ تو پڑھ لیں گے۔اور چونکہ وہ مومن کو کافر کہہ کر بموجب حدیث خود کافر ہو چکے ہیں۔اس واسطے تمہارے نزدیک بھی اُن کی اذان اور نماز عدم وجود برابر ہے۔تم اپنی اذان کہو اور اپنے امام کے ساتھ جمعہ پڑھو۔

(بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۷ء)

۲۱۔ متوفی کا حج دوسرے آدمی کے ذریعہ:۔

ایک مرحوم احمدی کے ورثاء نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا کہ مرحوم کا ارادہ پختہ حج پر جانے کا تھا مگر موت نے مہلت نہ دی۔ کیا جائز ہے اب اُسکی طرف سے کوئی آدمی خرچ دیکر بھیج دیا جاوے۔ فرمایا جائز ہے۔ اس سے متوفی کو حج کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

(بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۷ء)

۲۲۔ غیر احمدیوں کو برادرمن وغیرہ الفاظ لکھنا:۔

غلام محمد افغان کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا۔

"اگر من آں کس را کہ در بیعت داخل نیست چناں الفاظ بنویسم۔ مثلاً اخی مکرم یا مشفق مہربان۔ یا تعظیمات و تسلیمات برائے فلاں کس یا دعا وسلام از طرف من بر فلاں اخی ام برسد وغیرہ ذالک جائز است یا نہ۔ و آنہا نیز ایں الفاظ برائے من مے نویسند۔ غلام محمد افغان بقلم خود قادیان"

جواب:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مکتوب شما بخواندم نزد من ہیچ مضائقہ نیست کہ در خط وکتابت خود نرم الفاظ استعمال کردہ شوند بنی آدم ہمہ برادر یک دیگر اند پس بریں تاویل کسے را برادر نوشتن ہیچ مضائقہ ندارد و مہرباں نوشتن ہم مضائقہ نیست۔ در فطرت ہر نوع انسان قوت مہربانی و ہمدردی مودع است۔ مگر بباعث حجب و پردہ ہا پوشیدہ مے ماند۔ خدا تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام را مے فرماید وقولا لہ قولاً لیناً لعلہٗ یتذکر او یخشٰی۔

مرزا غلام احمد"۔ (بدر ۲ مئی ۱۹۰۷ء)

۲۳۔ غیر کُفو میں نکاح:۔

ایک دوست کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا۔ کہ ایک احمدی اپنی لڑکی غیر کفو میں ایک احمدی کے ہاں دینا چاہتا ہے۔ حالانکہ اپنی کفو میں رشتہ موجود ہے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے۔

فرمایا۔ حسب مراد رشتہ ملے تو اپنی کفو میں کرنا بہ نسبت غیر کفو کے کرنا بہتر ہے۔ لیکن یہ امر ایسا نہیں کہ بطور فرض کے ہو۔ ہر ایک شخص ایسے معاملات میں اپنی مصلحت اور اپنی اولاد کی بہتری کو خوب سمجھتا ہے۔ اگر کفو میں وہ کسی کو اس لائق نہیں دیکھتا تو دوسری جگہ رشتہ دینے میں حرج نہیں۔ اور ایسے شخص کو مجبور کرنا کہ وہ بہر حال اپنی کفو میں اپنی لڑکی دیوے جائز نہیں ہے۔

(بدر ۱۱ اپریل ۱۹۰۷ء)

۲۴۔ جوتا پہن کر نماز پڑھنا:۔

ذکر تھا کہ امیر کابل اجمیر کی خانقاہ میں بُوٹ پہنے ہوئے چلا گیا تھا اور ہر جگہ بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ اور اس بات کو خانقاہ کے کارندوں نے بُرا منایا۔

حضرت نے فرمایا کہ اس معاملہ میں امیر حق پر تھا۔ جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے۔

(بدر ۱۱ اپریل ۱۹۰۷ء)

۲۵۔ معالجہ و ہمدردی:۔

سوال پیش ہوا کہ طاعون کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں طبیب کے واسطے کیا حکم ہے؟

فرمایا۔ طبیب اور ڈاکٹر کو چاہیئے کہ علاج معالجہ کرے اور ہمدردی دکھائے لیکن اپنا بچاؤ رکھے۔ بیمار کے بہت قریب جانا اور مکان کے اندر جانا اس کے واسطے ضروری نہیں ہے۔ وہ حال معلوم کر کے مشورہ دے۔ ایسا ہی خدمت کرنے والوں کے واسطے بھی ضروری ہے کہ اپنا بچاؤ بھی رکھیں اور بیمار کی ہمدردی بھی کریں۔

(بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

۲۶۔ غسل میت:۔

سوال ہوا کہ طاعون زدہ کے غسل کیواسطے کیا حکم ہے؟ فرمایا۔مومن طاعون سے مرتا ہے تو وہ شہید ہے ۔شہید کے واسطے غسل کی ضرورت نہیں۔

(بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

۲۷۔ کفن:۔

سوال ہوا کہ کفن پہنایا جائے یا نہیں؟

فرمایا۔شہید کے واسطے کفن کی ضرورت نہیں۔وہ انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ہاں اس پر ایک سفید چادر ڈالدی جائے تو حرج نہیں۔ (بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

۲۸۔ اسم اعظم:۔

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا۔کہ قرآن شریف میں اسم اعظم کونسا لفظ ہے۔ فرمایا اسم اعظم اللہ ہے۔

(بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

۲۹۔ خواب کا پورا کرنا:۔

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں اپنی بیوی کا خواب لکھا کہ:۔

کسی شخص نے خواب میں میری بیوی کو کہا کہ تمہارے بیٹے پر بڑا بوجھ ہے۔اُس پر سے صدقہ اتارو۔اور ایسا کرو کہ چنے بھگو کر مٹی کے برتن میں رکھ کر اور لڑکے کے بدن کا کرتہ اُتار کر اس میں باندھ کر رات سوتے وقت سرہانے چارپائی کے نیچے رکھ دو۔اور ساتھ چراغ جلا دو۔صبح کسی غیر کے ہاتھ اٹھوا کر چوراہے میں رکھ دو۔یہ خواب لکھ کر حضرت سے دریافت کیا کہ کیا جائز ہے کہ ہم خواب اسی طرح پورا کریں۔

جواب میں حضور نے تحریر فرمایا کہ جائز ہے کہ اس طرح کریں اور خواب کو پورا کریں۔

(بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

۳۰۔ دعا میں صیغہ واحد کو جمع کرنا:۔

ایک دوست کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ میں ایک مسجد میں امام ہوں بعض دعائیں جو صیغہ واحد متکلم میں ہوتی ہیں۔ یعنی انسان کے اپنے واسطے ہی ہو سکتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اُن کو صیغہ جمع میں پڑھ کر مقتدیوں کو بھی اپنی دعا میں شامل کر لیا کروں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

فرمایا۔ جو دعائیں قرآن شریف میں ہیں اُن میں کوئی تغیر جائز نہیں کیونکہ وہ کلام الٰہی ہیں۔ وہ جس طرح قرآن شریف میں ہیں اُسی طرح پڑھنی چاہئیں ہاں حدیث میں جو دعائیں آئی ہیں اُن کے متعلق اختیار ہے کہ صیغہ واحد کی بجائے صیغہ جمع میں پڑھ لیا کریں۔

(بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

۳۱۔ بچہ کے کان میں اذان:۔

حکیم محمد عمر صاحب لدھیانوی نے دریافت کیا کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو مسلمان اس کے کان میں اذان کہتے ہیں۔ کیا یہ امر شریعت کے مطابق ہے یا صرف ایک رسم ہے۔

فرمایا۔ یہ امر حدیث سے ثابت ہے۔ اور نیز اُس وقت کے الفاظ کان میں پڑے ہوئے انسان کے اخلاق اور حالات پر ایک اثر رکھتے ہیں۔ لہذا یہ رسم اچھی ہے اور جائز ہے۔

(بدر ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء)

۳۲۔ نشان کے پورا ہونے پر دعوت:۔

خاں صاحب عبدالمجید صاحب ساکن کپورتھلہ نے حضرت کی خدمت میں ڈوئی کے شاندار نشان کے پورا ہونے کی خوشی میں دوستوں کو دعوت دینے کی اجازت حاصل کرنے کے واسطے خط لکھا۔ حضرت نے اجازتاً فرمایا کہ تحدیث بالنعمت کے طور پر ایسی دعوت کا دینا جائز ہے۔

(بدر ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء)

۳۳۔ سفری تاجر:۔

ایک صاحب کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ کہ میں اور میرا بھائی ہمیشہ تجارت عطریات وغیرہ میں سفر کرتے رہتے ہیں کیا ہم نماز کو قصر کیا کریں؟

فرمایا۔ سفر تو وہ ہے جو ضرورتاً گاہے گاہے ایک شخص کو پیش آئے نہ یہ کہ اس کا پیشہ ہی یہ ہو۔ کہ آج یہاں اور کل وہاں اپنی تجارت کرتا پھرے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ ایسا آدمی اپنے آپ کو مسافروں میں شامل کر کے ساری عمر نماز قصر کرنے میں گذار دے۔

(بدر ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء)

۳۴۔ صنعت کفار سے فائدہ حاصل کرنا:۔

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ جب ریل دجال کا گدھا ہے۔ تو ہم لوگ اس پر کیوں سوار ہوں؟

فرمایا۔ کفار کی صنعت سے فائدہ اُٹھانا منع نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ گھوڑی کو گدھے کے ساتھ ملانا دجل ہے۔ پس ملانے والا دجال ہے۔ لیکن آپ برابر خچر پر سواری کرتے تھے۔ اور ایک کافر بادشاہ نے ایک خچر آپ کو بطور تحفہ بھیجی تھی۔ اور آپ اس پر برابر سواری کرتے رہے۔

(بدر ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء)

۳۵۔ روزہ:۔

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ روزہ دار کو آئینہ دیکھنا جائز ہے؟ فرمایا جائز ہے۔

اسی شخص کا سوال پیش ہوا۔ کہ حالت روزہ میں سر کو یا ڈاڑھی کو تیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا جائز ہے۔

اسی شخص کا سوال پیش ہوا۔ کہ روزہ دار کی آنکھ بیمار ہو تو اس میں دوائی ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا۔ یہ سوال ہی غلط ہے۔ بیمار کے واسطے روزہ رکھنے کا حکم نہیں۔

اسی شخص کا یہ سوال پیش ہوا کہ جو شخص روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو اُسے مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ اس کھانے کی رقم قادیان کے یتیم خانہ میں بھیجنا جائز ہے۔ کہ نہیں؟

فرمایا۔ ایک ہی بات ہے۔ خواہ اپنے شہر میں کسی مسکین کو کھلائے یا یتیم یا مسکین فنڈ میں دیدے۔

۳۶۔ فجر کی اذان کے بعد نوافل:۔

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ فجر کی اذان کے بعد دوگانہ فرض سے پہلے اگر کوئی شخص نوافل ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا۔ نماز فجر کی اذان کے بعد سورج نکلنے تک دو رکعت سُنت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نماز نہیں۔

۳۷۔ کشتۂ بندوقی:۔

ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا۔ بندوق کی گولی سے جو حلال جانور ذبح کرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا۔ گولی چلانے سے پہلے تکبیر پڑھ لینی چاہیے۔ پھر اس کا کھانا جائز ہے۔

۳۸۔ دائمی دورہ:۔

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو شخص بسبب ملازمت کے ہمیشہ دورہ پر رہتا ہے۔ اس کو نمازوں کا قصر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا۔ جو شخص رات دن دورہ پر رہتا ہے اور اسی بات کا ملازم ہے۔ وہ حالت دورہ میں مسافر نہیں کہلا سکتا۔ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

۳۹۔ روزہ دار کا خوشبو لگانا اور آنکھوں میں سرمہ ڈالنا:۔

سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کو خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا جائز ہے۔

سوال پیش ہوا کہ روزہ دار آنکھوں میں سرمہ ڈالے یا نہ ڈالے؟

فرمایا۔مکروہ ہے۔اور ایسی ضرورت ہی کیا ہے کہ دن کے وقت سرمہ لگائے۔رات کو سرمہ لگا سکتا ہے۔

۴۰۔ سیّدزادی سے نکاح:۔

ایک شخص نے حضرت صاحب کی خدمت میں سوال پیش کیا کہ غیر سید کو سیدانی سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے نکاح کے واسطے جو محرمات بیان کئے ہیں ان میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ مومن کے واسطے سیدزادی حرام ہے۔علاوہ ازیں نکاح کے واسطے طیبات کو تلاش کرنا چاہیے اور اس لحاظ سے سیدزادی کا ہونا بشرطیکہ تقویٰ طہارت کے لوازمات اُس میں ہوں افضل ہے۔

(بدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء)

۴۱۔ چہلم:۔

ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ چہلم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا۔یہ رسم سُنت سے باہر ہے۔

(بدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء)

۴۲۔ اخبار کی قیمت:۔

اخبار کی قیمت اگر پیشگی وصول کی جائے تو اخبار کے چلانے میں سہولت ہوتی ہے۔اس کے وصول کرنے کے واسطے بدر کی قیمت مابعد کے نرخ میں ایک روپیہ زائد کیا گیا ہے۔یعنی مابعد دینے والوں سے قیمت اخبار بجائے

تین روپے کے چار روپے وصول کئے جائیں گے۔ یہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کا جواب حضرت صاحب نے مندرجہ ذیل لکھا:۔

السلام علیکم! میرے نزدیک اس سے سود کو کچھ تعلق نہیں۔ مالک کا اختیار ہے کہ جو چاہے قیمت طلب کرے۔ خاص کر بعد کی وصولی میں حرج بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اخبار لینا چاہتا ہے تو وہ پہلے بھی دے سکتا ہے یہ امر خود اُس کے اختیار میں ہے۔ والسلام مرزا غلام احمد (۱۴ فروری ۱۹۰۷ء)

۴۳۔ جان کے خوف میں والدین کی فرمانبرداری:۔

مدّت سے ایک افغان ایک ایسے علاقے کا رہنے والا جہاں اپنے عقیدہ وایمان کا اظہار موجب قتل ہوسکتا ہے اس جگہ قادیان میں دینی تعلیم کے واسطے آیا ہوا ہے۔ حال ہی میں اُس کے والدین نے اس کو اپنے وطن میں طلب کیا ہے۔ اب اُس کو ایک مشکل پیش آئی ہے کہ اگر وطن کو جائے تو خوف ہے کہ مبادا وہاں کے لوگ اس بات سے اطلاع پا کر کہ یہ شخص خونی مہدی اور جہاد کا منکر ہے قتل کے درپے ہوں اور اگر نہ جاوے تو والدین کی نافرمانی ہوتی ہے۔ پس اُس نے حضرت سے پوچھا کہ ایسی حالت میں کیا کروں۔ حضرت صاحب نے جواب میں فرمایا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ چونکہ درقرآن شریف دراں امور کہ مخالف شریعت نباشند حکم اطاعت والدین است لہذا بہتر است کہ ایں قدر اطاعت کنند کہ ہمراہ شاں روند۔ درآنجا چو محسوس شود کہ اندیشہ قتل یا حبس است۔ بلاتوقف باز بیائند۔ چراکہ خود را در معرض ہلاک انداختن جائز نیست۔ ہم چنیں مخالفت والدین ہم جائز نیست۔ پس دریں صورت ہر دو حکم قرآن شریف سجا آوردہ مے شود۔ مرزا غلام احمد

(بدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء)

۴۴۔ قرض پر زکوٰۃ:۔

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو روپیہ کسی شخص نے کسی کو قرض دیا ہوا ہے کیا اس پر اس کو زکوٰۃ دینی لازم ہے؟ فرمایا نہیں۔

(بدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء)

۴۵۔ اعتکاف:۔

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ جب آدمی اعتکاف میں ہو تو اپنے دنیوی کاروبار کے متعلق بات کر سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا سخت ضرورت کے سبب کر سکتا ہے اور بیمار کی عیادت کے لیے اور حوائج ضروریہ کے واسطے باہر جا سکتا ہے۔

۴۶۔ تبرک:۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ پانی میں دم کرانا اور تبرّک لینا جائز ہے؟

فرمایا کہ سُنت سے ثابت ہے۔ مگر کسی صالح سے تبرک لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو جیسا مسیلمہ کذّاب کا تبرک ہوتا تھا جہاں ہاتھ ڈالتا تھا وہ پانی بھی خشک ہو جاتا تھا۔

۴۷۔ فاتحہ خوانی:۔

سوال پیش ہُوا کہ کسی کے مرنے کے بعد چند روز لوگ ایک جگہ جمع رہتے اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں فاتحہ خوانی ایک دُعائے مغفرت ہے پس اس میں کیا مضائقہ ہے؟

فرمایا۔ ہم تو دیکھتے ہیں وہاں سوائے غیبت اور بیہودہ بکواس کے کچھ نہیں ہوتا۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ائمہ عزائم میں سے کس نے یوں کیا۔ جب نہیں تو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ بدعات کا دروازہ کھولنے کی۔ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ اس رسم کی کچھ ضرورت نہیں یہ ناجائز ہے۔ جو جنازہ میں شامل نہ ہو سکیں وہ اپنے طور سے دعا کریں یا جنازہ غائب پڑھیں۔

(بدر ۹ مئی ۱۹۰۷ء)

۴۸۔ غسّال کے پیچھے نماز:۔

ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا۔ کہ غسّال کو نماز کے واسطے پیش امام بنانا جائز ہے؟

فرمایا۔ یہ سوال بے معنی ہے۔ غسّال ہونا کوئی گناہ نہیں۔ امامت کے لائق وہ شخص ہے جو متقی ہو نیکو کار عالم باعمل ہو۔ اگر ایسا ہے تو غسّال ہونا کوئی عیب نہیں جو امامت سے روک سکے۔

(بدر ۲۳ مئی ۱۹۰۷ء)

۴۹۔ نرخ اشیاء:۔

سوال پیش ہوا۔ کہ بعض تاجر جو گلی کوچوں یا بازاروں میں اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ ایک ہی چیز کی قیمت کسی سے کم لیتے ہیں اور کسی سے زیادہ۔ کیا یہ جائز ہے؟

فرمایا۔ مالک شئے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کی قیمت جو چاہے لگائے اور مانگے۔ لیکن وقت فروخت تراضی طرفین ہو۔ اور بیچنے والا کسی قسم کا دھوکا نہ کرے۔ مثلاً ایسا نہ ہو کہ چیز کے خواص وہ نہ ہوں جو بیان کئے جائیں یا اور کسی قسم کا دغا خریدار سے کیا جائے اور جھوٹ بولا جائے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ بچے یا ناواقف کو پائے تو دھوکا دے کر قیمت زیادہ لے لے۔ جس کو اس ملک میں لگا دالگانا کہتے ہیں۔

(بدر ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء)

۵۰۔ نابالغ کے نکاح کا فسخ:۔

سوال پیش ہوا کہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اُس کا ولی کر دے اور ہنوز وہ نابالغ ہی ہو اور ایسی صورت پیش آوے تو کیا طلاق بھی ولی دے سکتا ہے یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا۔ کہ دے سکتا ہے۔

(بدر ۲۵ مئی ۱۹۰۷ء)

۵۱۔ لڑکے کی بسم اللہ:۔

ایک شخص نے بذریعہ تحریر عرض کی کہ ہمارے ہاں رسم ہے کہ جب بچے کو بسم اللہ کرائے۔تو بچے کو تعلیم دینے والے مولوی کو ایک عدد تختی چاندی یا سونے کی اور قلم و دوات چاندی سونے کی دی جاتی ہے۔اگر چہ میں ایک غریب آدمی ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ یہ اشیاء اپنے بچے کی بسم اللہ پر آپ کی خدمت میں ارسال کروں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا۔تختی اور قلم دوات سونے چاندی کی سب بدعتیں ہیں۔ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔اور باوجود غربت کے اور کم جائداد ہونے کے اس قدر اسراف کرنا سخت گناہ ہے۔

(بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۵۲۔ جماعت نماز جمعہ:۔

سوال پیش ہوا کہ نماز جمعہ کے واسطے اگر کسی جگہ صرف ایک دو مرد احمدی ہوں اور کچھ عورتیں ہوں تو کیا یہ جائز ہے کہ عورتوں کو جماعت میں شامل کر کے نماز جمعہ ادا کی جائے؟

حضرت نے فرمایا جائز ہے۔

(بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۵۳۔ دریائی جانور حلال ہیں یا نہیں؟:۔

سوال پیش ہوا۔کہ دریائی جانور حلال ہیں یا نہیں؟

فرمایا۔دریائی جانور بے شمار ہیں۔ان کے واسطے ایک ہی قاعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔کہ جو ان میں سے کھانے میں طیب پاکیزہ اور مفید ہوں اُن کو کھالو۔دوسروں کو مت کھاؤ۔

(بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۵۴۔ ناول نویسی و ناول خوانی:۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک سوال پیش ہوا۔کہ ناولوں کا لکھنا اور پڑھنا کیسا ہے؟

فرمایا کہ۔ ناولوں کے متعلق وہی حکم ہے جو آنحضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اشعار کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ حسنہ حسن و قبیحہ قبیح۔ اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور قبیح قبیح ہے۔ اعمال نیت پر موقوف ہیں ۔مثنوی میں مولوی رومی نے جو قصّے لکھے ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں دراصل واقعات نہیں ہیں۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمثیلوں سے کام لیتے تھے۔ یہ بھی ایک قسم کے ناول ہیں۔ جو ناول نیت صالحہ سے لکھے جاتے ہیں۔ زبان عمدہ ہوتی ہے۔ نتیجہ نصیحت آمیز ہوتا ہے۔ وہ بہرحال مفید ہیں۔ انکو حسب ضرورت وموقع لکھنے میں گناہ نہیں۔

(بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۵۵۔ فاتحہ خلف الامام:۔

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کیا فاتحہ خلف امام پڑھنا ضروری ہے؟

فرمایا۔ ضروری ہے۔

(بدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۵۶۔ رفع یدین:۔

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ کیا رفع یدین ضروری ہے؟

فرمایا کہ ضروری نہیں۔ جو کرے تو جائز ہے۔

(بدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۵۷۔ بدھ کا روزہ:۔

سیالکوٹ سے ایک دوست نے دریافت کیا کہ یہاں چاند منگل کی شام کو نہیں دیکھا گیا بلکہ بدھ کو دیکھا گیا ہے۔ اس واسطے پہلا روزہ جمعرات کو رکھا گیا تھا۔ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کے عوض میں ماہ رمضان کے بعد ایک اور روزہ رکھنا چاہیئے۔

(بدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۵۸۔ جائز نکاح:۔

سوال پیش ہوا کہ ایک لڑکی احمدی ہے۔جس کے والدین غیر احمدی ہیں۔والدین اس کی ایک غیر احمدی سے شادی کرنا چاہتے تھے اور لڑکی ایک احمدی کیساتھ نکاح کرنا چاہتی تھی۔والدین نے اصرار کیا۔عمر اُس کی اسی اختلاف میں بائیس سال تک پہنچ گئی۔لڑکی نے تنگ آکر والدین کی اجازت کے بغیر ایک احمدی سے نکاح کرلیا ۔نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ نکاح جائز ہوگیا۔

(بدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۵۹۔ امام مقتدیوں کا خیال رکھے:۔

سوال پیش ہوا کہ ایک پیش امام ماہ رمضان میں مغرب کے وقت لمبی سورتیں شروع کردیتا ہے۔مقتدی تنگ آجاتے ہیں کیونکہ روزہ کھول کر کھانا کھانے کا وقت ہوتا ہے۔دن بھر کی بھوک سے ضعف لاحق ہوتا ہے۔بعض ضعیف ہوتے ہیں۔اس طرح پیش امام اور مقتدیوں میں اختلاف ہوگیا۔

حضرت نے فرمایا کہ پیش امام کی اس سلسلہ میں غلطی ہے۔اس کو چاہیئے کہ مقتدیوں کی حالت کا لحاظ رکھے اور نماز کو ایسی صورت میں بہت لمبا نہ کرے۔

(بدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۶۰۔ داڑھی اور مونچھ:۔

داڑھی اور مونچھ کے متعلق ذکر آیا کہ نئے نئے فیشن نکلتے ہیں کوئی ڈاڑھی منڈاتا ہے۔کوئی ہر دو داڑھی اور مونچھ منڈاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔مستحسن یہی بات ہے جو شریعت اسلام نے مقرر کی ہے کہ مونچھیں کٹائی جاویں اور داڑھی بڑھائی جاوے۔

(بدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۶۱۔ جوہڑ کے پانی کا استعمال جائز ہے مگر مجبوری نہیں:۔

قادیان کے اردگرد نشیب زمین میں بارش اور سیلاب کا پانی جمع ہو کر ایک جوہڑ سا بن جاتا ہے۔ جس کو یہاں ڈھاب کہتے ہیں۔ جن ایام میں یہ نشیب زمین (ساری یا اس کا کچھ حصہ) خشک ہوتی ہے تو گاؤں کے لوگ اس کو رفع حاجت کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اس میں بہت سی ناپاکی جمع ہو جاتی ہے۔ جو سیلاب کے پانی کے ساتھ مل جاتی ہے۔ آج صبح حضرت اقدس بمعہ خدام جب باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ تو اس ڈھاب کے پاس سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا پانی گاؤں کی صحت کیلئے مضر ہوتا ہے۔ پھر فرمایا۔ اس پانی میں بہت سا گند شامل ہو جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کراہت آتی ہے۔ اگرچہ فقہ کے مطابق اس سے وضو کر لینا جائز ہے کیونکہ فقہاء کے مقرر کردہ دَہ دردَہ سے زیادہ ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص جس نے اس میں گندگی پڑتی دیکھی ہو اگر اس کے استعمال سے کراہت کرے تو اس کے واسطے مجبوری نہیں کہ خواہ مخواہ اُس سے یہ پانی استعمال کرایا جائے۔ جیسا کہ گوہ کا کھانا حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا ہے۔ مگر خود کھانا پسند نہیں فرمایا۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

سعدیا حبِّ وطن گرچہ حدیث است درست
نتواں مرد بہ سختی کہ دریں جا زادم

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۶۲۔ بدامنی کی جگہ پر احمدی کیا کریں:۔

سرحد کے پار علاقہ جات سے ایک جگہ سے چند احمدیوں کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ کہ اس جگہ بدامنی ہے۔ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں کوئی پُرسان نہیں۔ چند ملاں ہم کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم بھی اُن کو قتل کرنے کی کوشش کریں؟

حضرت نے فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ ہر طرح سے اپنی حفاظت کرو لیکن خود کسی پر حملہ نہ کرو۔ تکالیف اٹھاؤ۔ اور صبر کرو۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ تمہارے لئے کوئی انتظام احسن کردے۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۶۳۔ آبکاری کی تحصیلداری:۔

ایک دوست جو محکمہ آبکاری میں نائب تحصیلدار ہیں۔اُن کا خط حضرت کیخدمت میں آیا کہ کیا اس قسم کی نوکری ہمارے واسطے جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ اس وقت ہندوستان میں ایسے تمام امور حالت اضطرار میں داخل ہیں۔تحصیلدار یا نائب تحصیلدار نہ شراب بناتا ہے۔نہ بیچتا ہے نہ پیتا ہے صرف اس کی انتظامی نگرانی ہے۔اور بلحاظ سرکاری ملازمت کے اس کا فرض ہے۔ملک کی سلطنت اور حالات موجودہ کے لحاظ سے اضطراراً یہ امر جائز ہے۔ہاں خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ وہ انسان کے واسطے اس سے بھی بہتر سامان پیدا کرے۔گورنمنٹ کے ماتحت ایسی ملازمتیں بھی ہوسکتی ہیں۔جن کا ایسی باتوں سے تعلق نہ ہو۔اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۶۴۔ ننگوں کے ساتھ میل جول:۔

افریقہ سے ایک دوست نے بذریعہ تحریر حضرت سے دریافت کیا کہ اس جگہ کے اصلی باشندے مرد و زن بالکل ننگے رہتے ہیں۔اور معمولی خورد و نوش کی اشیاء کا لین دین اُن کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔تو کیا ایسے لوگوں سے ملنا جلنا گناہ تو نہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ تم نے تو اُن کو نہیں کہا کہ ننگے رہو۔وہ خود ہی ایسا کرتے ہیں۔اس میں تم کو کیا گناہ۔وہ تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں بعض فقیر اور دیوانے ننگے پھرا کرتے ہیں۔ہاں ایسے لوگوں کو کپڑا پہننے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۶۵۔ ایسے لوگوں کا ملازم رکھنا:۔

ایسے ہی لوگوں کی نسبت یہ بھی سوال کیا گیا۔کہ چونکہ ملک افریقہ میں غریب لوگ بھی ہیں جو نوکری پر باآسانی سستے مل سکتے ہیں۔اگر ایسے لوگوں سے کھانا پکوایا جائے تو کیا یہ جائز ہے۔یہ لوگ حرام حلال کی پہچان نہیں

رکھتے۔

فرمایا۔ اس ملک کے حالات کے لحاظ سے جائز ہے۔ کہ ان کو نوکر رکھ لیا جائے اور اپنے کھانے وغیرہ کے متعلق اُن سے احتیاط کرائی جائے۔

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۶۶۔ ایسی عورتوں سے نکاح:۔

یہ بھی سوال ہوا کہ کیا ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟

فرمایا۔ اس ملک میں اور ان علاقوں میں بحالت اضطرار ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ لیکن صورت نکاح میں اُن کو کپڑا پہنانے اور اسلامی شعار پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۶۷۔ نوٹوں پر کمیشن:۔

حضرت اقدس مسیح موعود کی خدمت میں ایک صاحب کا سوال پیش ہوا کہ نوٹوں کے بدلہ روپیہ لینے یا دینے کے وقت یا پونڈ یا روپیہ توڑانے کے وقت دستور ہے کہ کچھ پیسے زائد لئے یا دئے جاتے ہیں۔ کیا اس قسم کا کمیشن لینا یا دینا جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا۔ یہ جائز ہے اور سود میں داخل نہیں۔ ایک شخص بوقت ضرورت ہم کو نوٹ بہم پہنچا دیتا ہے یا نوٹ لے کر روپیہ دے دیتا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ وہ کچھ مناسب کمیشن اس پر لے لے۔ کیونکہ نوٹ یا روپیہ یا ریز گاری کے محفوظ رکھنے اور تیار رکھنے میں وہ خود بھی دقت اور محنت خرچ کرتا ہے۔

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۶۸۔ فاسقہ کو حق وراثت:۔

ایک شخص نے بذریعہ خط حضرت سے دریافت کیا۔ کہ ایک شخص مثلاً زید نام لاولد فوت ہو گیا ہے۔ زید کی ہمشیرہ تھی جو زید کی عین حیات میں بیاہی گئی۔ بسبب اس کے کہ خاوند سے بن نہ آئی۔ اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی اور وہیں رہی یہاں تک کہ زید مر گیا۔ زید کے مرنے کے بعد اس عورت نے بغیر اس کے کہ پہلے خاوند سے باقاعدہ

طلاق حاصل کرتی ایک اور شخص سے نکاح کر لیا جو کہ نا جائز ہے۔ زید کے ترکہ میں جو لوگ حقدار ہیں کیا اُن کے درمیان اس کی ہمشیرہ بھی شامل ہے۔ یا اس کو حصہ نہیں ملنا چاہیے؟

حضرت نے فرمایا کہ اس کو حصہ شرعی ملنا چاہیئے۔ کیونکہ بھائی کی زندگی میں وہ اس کے پاس رہی۔ اور فاسق ہو جانے سے اس کا حق وراثت باطل نہیں ہوسکتا۔ شرعی حصہ اس کو برابر ملنا چاہیئے۔ باقی معاملہ اُس کا خدا کے ساتھ ہے۔ اس کا پہلا خاوند بذریعہ گورنمنٹ باضابطہ کارروائی کر سکتا ہے۔ اس کے شرعی حق میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۶۹۔ بیوہ کا نکاح کن صورتوں میں ضروری ہے:۔

اسی شخص کا یہ سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ کہ بیوہ کا نکاح کن صورتوں میں فرض ہے۔ اس کے نکاح کے وقت عمر۔ اولاد۔ موجودہ اسباب نان ونفقہ کا لحاظ رکھنا چاہئے یا کہ نہیں۔ یعنی کیا بیوہ باوجود عمر زیادہ ہونے کے یا اولاد بہت ہونے کے یا کافی دولت پاس ہونے کے ہر حالت میں مجبور ہے کہ اس کا نکاح کیا جائے۔

فرمایا۔ بیوہ کے نکاح کا حکم اسی طرح ہے جس طرح باکرہ کے نکاح کا حکم ہے۔ چونکہ بعض قومیں بیوہ کے نکاح کو خلاف عزت خیال کرتی ہیں اور یہ بدرسم بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اس واسطے بیوہ کے نکاح کے واسطے حکم ہوا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہر بیوہ کا نکاح کیا جائے۔ نکاح تو اُسی کا ہوگا جو نکاح کے لائق ہے اور جس کے واسطے نکاح ضروری ہے۔ بعض عورتیں بوڑھی ہو کر بیوہ ہوتی ہیں۔ بعض کے متعلق دوسرے حالات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نکاح کے لائق نہیں ہوتیں۔ مثلاً کسی کو ایسا مرض لاحق ہے کہ وہ قابل نکاح ہی نہیں۔ یا ایک بیوہ کافی اولاد اور تعلقات کی وجہ سے ایسی حالت میں ہے کہ اُس کا دل پسند ہی نہیں کر سکتا کہ وہ اب دوسرا خاوند کرے۔ ایسی صورتوں میں مجبوری نہیں کہ عورت کو خواہ مخواہ جکڑ کر خاوند کرایا جائے۔ ہاں اس بدرسم کو مٹا دینا چاہیے کہ بیوہ عورت کو ساری عمر بغیر خاوند کے جبراً رکھا جاتا ہے۔

(بدر ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۷۰۔ متبنّٰی بنانا حرام ہے:۔

کسی کا ذکر تھا کہ اُس کی اولاد نہ تھی اور اُس نے ایک اور شخص کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر اپنی جائیداد کا وارث کر دیا

تھا۔

فرمایا۔ یہ فعل شرعاً حرام ہے۔ شریعت اسلام کے مطابق دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا قطعاً حرام ہے۔

(۱۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۷۱۔ مسافر اور مریض فدیہ دے سکتے ہیں:۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے شریعت کی بناء آسانی پر رکھی ہے۔ جو مسافر اور مریض صاحب مقدرت ہوں۔ اُن کو چاہیے کہ روزہ کی بجائے فدیہ دیدیں۔ فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(بدر ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۷۲۔ کون سا مریض صرف فدیہ دے سکتا ہے:۔

حوالہ نمبر ۷۱ کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ صرف فدیہ تو شیخ فانی یا اُس جیسوں کے واسطے ہوسکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ ورنہ عوام کے واسطے جو صحت پا کر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھولدیتا ہے۔ جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں۔ اسی طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ میری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں انکو ہی ہدایت دی جاتی ہے۔

(بدر ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۷۳۔ پانچ مجاہدے:۔

فرمایا دین اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے گئے ہیں۔ (1) نماز (2) روزہ (3) زکوٰۃ صدقات (4) حج (5) اسلامی دشمن کا ذب اور دفع۔ خواہ سیفی ہو خواہ قلمی۔ یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان میں کوشش کریں۔ اور اُن کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں۔ بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے ہیں اور ان میں مجاہدے کرتے ہیں۔ ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں۔ یعنی ایسا نہیں چاہیئے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی رکھتا رہے۔ بلکہ ایسا کرنا چاہیئے۔ کہ نفلی روزہ کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے۔

(بدر ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۷۴۔ صدقہ کی جنس خرید کر لینا جائز ہے:۔

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں مرغیاں رکھتا ہوں اور اُن کا دسواں حصہ خدا کے نام پر دیتا ہوں۔اور گھر سے روزانہ تھوڑا تھوڑا آٹا صدقہ کے واسطے الگ کیا جاتا ہے۔کیا یہ جائز ہے۔کہ وہ چوزے اور وہ آٹا خود ہی خرید کر لوں۔اور اس کی قیمت مد متعلقہ میں بھیج دوں۔

فرمایا۔ایسا کرنا جائز ہے۔

نوٹ:۔لیکن اس میں یہ خیال کر لینا چاہئیے کہ اعمال نیت پر موقوف ہیں اگر کوئی شخص ایسی اشیاء کو اس واسطے خود ہی خرید کرے گا کہ چونکہ خرید اور فروخت ہر دو اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔جیسی تھوڑی قیمت سے چاہے خرید لے تو یہ اُس کے واسطے گناہ ہوگا۔

(بدر ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۷۵۔ سفر میں قصر نماز:۔

سوال پیش ہوا۔اگر کوئی شخص تین کوس سفر پر جائے تو کیا نمازوں کو قصر کرے؟

فرمایا ہاں۔مگر دیکھو اپنی نیت کو دیکھ لو۔ایسی تمام باتوں میں تقویٰ کا بہت خیال رکھنا چاہئیے۔اگر کوئی شخص ہر روز معمولی کاروبار یا سیر کے لئے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں۔بلکہ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیت سے اختیار کرے۔اور صرف اس کام کے لئے گھر چھوڑ کر جائے اور عرف میں وہ سفر کہلاتا ہو۔دیکھو یوں تو ہم ہر روز سیر کے لئے دو دو میل نکل جاتے ہیں۔مگر یہ سفر نہیں۔ایسے موقعہ پر دل کے اطمینان کو دیکھ لینا چاہئیے۔اگر وہ بغیر کسی خلجان کے فتویٰ دے کہ یہ سفر ہے تو قصر کرے۔اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ (اپنے دل سے فتویٰ لو) پر عمل چاہئیے۔ہزار فتویٰ ہو۔پھر بھی مومن کا نیک نیتی سے قلبی اطمینان عمدہ شئے ہے۔

عرض کیا گیا۔کہ انسان کے حالات مختلف ہیں۔بعض نو دس کوس کو بھی سفر نہیں سمجھتے۔بعض کے لئے تین چار کوس بھی سفر ہے۔

فرمایا۔شریعت نے ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا۔صحابہ کرام نے تین کوس کو بھی سفر سمجھا ہے۔

عرض کیا گیا۔حضور بٹالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں؟

فرمایاہاں۔کیونکہ وہ سفر ہے۔ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دورہ کئی گاؤں میں پھرتا رہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کر کے اسے سفر نہیں کہہ سکتا۔

(بدر جنوری ۱۹۰۸ء)

۷۶۔ قربانی کا بکرا:۔

سوال پیش ہوا کہ ایک سال کا بکرا بھی قربانی کے لئے جائز ہے؟

فرمایا۔مولوی صاحب سے پوچھ لو۔اہلحدیث وحنفاء کا اس میں اختلاف ہے۔

۷۷۔ جانور قربانی:۔

ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا کہ اگر جانور مطابق علامات مذکورہ درحدیث نہ ملے تو کیا ناقص کو ذبح کر سکتے ہیں؟

فرمایا۔مجبوری کے وقت تو جائز ہے۔مگر آج کل ایسی مجبوری کیا ہے۔انسان تلاش کر سکتا ہے۔اور دن کافی ہوتے ہیں۔خواہ مخواہ حجت کرنا یا تساہل کرنا جائز نہیں۔

(بدر جنوری ۱۹۰۸ء)

۷۸۔ عقیقہ:۔

عقیقہ کی نسبت سوال پیش ہوا کہ کس دن کرنا چاہیئے۔

فرمایا۔ساتویں دن۔اگر نہ ہو سکے تو پھر جب خدا تعالیٰ توفیق دے۔ایک روایت میں ہے۔آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ چالیس سال کی عمر میں کیا تھا۔ایسی روایت کو نیک ظنی سے دیکھنا چاہیئے۔جبتک قرآن مجید واحادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہو۔

(بدر ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء)

۷۹۔ پیل پایوں میں کھڑا ہونا:۔

پیل پایوں کے بیچ میں کھڑے ہونے کا ذکر آیا کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں۔

فرمایا۔اضطراری حالت میں تو سب جائز ہے۔ایسی باتوں کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہیئے۔اصل بات تو یہ ہے کہ خدا کی رضا مندی کے موافق خلوص دل کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔ان باتوں کی طرف کوئی خیال نہیں کرتا۔

(بدر ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء)

۸۰۔ زندگی کا بیمہ کرانا منع ہے:۔

ایک دوست کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پیش ہوا جس میں لکھا تھا:۔

بحضور جناب مسیح موعود مہدی مسعود علیہ السلام

مارچ ۱۹۰۰ء میں میں نے زندگی کا بیمہ واسطے دو ہزار روپیہ کے کرایا تھا۔شرائط یہ تھیں۔کہ اس تاریخ سے تا مرگ میں ۔۔۔ سالانہ بطور چندہ کے ادا کرتا رہوں گا۔تب دو ہزار روپیہ بعد مرگ کے میرے وارثان کو ملے گا۔اور زندگی میں روپیہ لینے کا حقدار نہ ہوں گا۔ابتک میں نے تقریباً مبلغ چھ سو روپیہ کے بیمہ کرنے والی کمپنی میں دے دیا ہے۔اب اگر میں اس بیمہ کو توڑ دوں تو بموجب شرائط اس کمپنی کے صرف تیسرے حصہ کا حق دار ہوں۔یعنی دو صد روپیہ ملے گا۔اور باقی چار صد روپیہ ضائع جائے گا۔مگر چونکہ میں نے آپ کے ہاتھ پر اس شرط کی بیعت کی ہوئی ہے۔کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔اس واسطے بعد اس مسئلہ کے معلوم ہو جانے کے میں ایسی حرکت کا مرتکب ہونا نہیں چاہتا جو خدا اور اس کے رسول کے احکام کے برخلاف ہو۔اور آپ حکم عدل ہیں۔اس واسطے نہایت عجز سے ملتجی ہوں کہ جیسا مناسب حکم ہو صادر فرمایا جاوے تا کہ اس کی تعمیل کی جاوے۔

اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ زندگی کا بیمہ جس طرح رائج ہے اور سُنا جاتا ہے۔اُس کے جواز کی ہم کوئی صورت بظاہر نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ایک قمار بازی ہے۔اگرچہ وہ بہت سا روپیہ خرچ کر چکے ہیں۔لیکن اگر وہ جاری رکھیں گے تو روپیہ اُن سے اور بھی زیادہ گناہ کرائے گا۔اُن کو چاہیئے کہ آئندہ زندگی میں گناہ سے بچنے کے واسطے اس کو ترک کر دیویں اور جتنا روپیہ اب مل سکتا ہے وہ واپس لے لیں۔

(بدر ۹ اپریل ۱۹۰۸ء)

۸۱۔ پٹواریوں کی رقم:۔

ایک شخص نے جو اپنی جماعت میں داخل ہیں۔ اور پٹواری ہیں۔ بذریعہ خط و کتابت حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ پٹواریوں کے واسطے کچھ رسوم گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہیں۔ مگر عام رسم ایسی بڑھ گئی ہے کہ پٹواری بعض باتوں میں اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ بھی لیتے ہیں۔ اور زمیندار بخوشی خاطر خود ہی بغیر مانگے کے دے جاتے ہیں۔ آیا اس کا لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا۔ اگر ایسے لینے کی خبر باضابطہ حکام تک بالفرض پہنچ جائے اور بموجب قانون اس پر فتنہ اُٹھنے کا خوف ہوسکتا ہو۔ تو یہ ناجائز ہے۔ (بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

۸۲۔ فونوگراف میں نظم:۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا جائز ہے۔ کہ حضور کی نظمیں فونوگراف میں بند کر کے لوگوں کو سُنائی جائیں۔

فرمایا۔ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ تبلیغ کی خاطر اس طرح سے نظم فونوگراف میں سُنانا جائز ہے۔ کیونکہ اشعار سے بسا اوقات لوگوں کے دلوں کو نرمی اور رقت حاصل ہوتی ہے۔ (بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

۸۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کا درجہ:۔

۱۹۰۶ء کے جلسہ سالانہ کی واپسی پر خواجہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملنے کے لئے مسجد مبارک میں آئے۔ میں بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت سے عرض کی کہ حقیقۃ الوحی کے حاشیہ پر سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ اُس کا لڑکا نامرد ہے۔ اِس کو کٹوا دیں۔ کیونکہ سعد اللہ مقدمہ کرے تو اس کا ثبوت ہمارے پاس کوئی نہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ میں نے اس کو خدا تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت لکھا ہے۔ میں اس کو نہیں کٹواؤں گا

۔

خواجہ صاحب نے کہا کہ آپ نے خدا کے الہام سے تو نہیں لکھا۔

حضور نے فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ کا طرز میرے ساتھ یہ ہے کہ جو تحریر اُس کی مرضی کے خلاف ہو وہ مجھے روک دیتا ہے۔ چونکہ اس نے روکا نہیں لہذا اس کی مرضی اس میں ہے۔

خواجہ صاحب نے کہا کہ مجھے تو تسلی اُسی وقت ہوگی کہ آپ اس کو کاٹ دیں۔

حضور نے فرمایا۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر سعد اللہ مقدمہ کرے گا تو ہم آپ کو وکیل نہیں کریں گے۔

اس روایت کا مفصل ذکر الحکم جلد ۳۸ میں اور تذکرہ صہ ۶۶۵ پر بھی ہے۔

۸۴۔ ناپاک چیز غیر مسلم کو دیتے وقت مطلع کرنا:۔

ایک سالانہ جلسہ پر شب دیگ جو خواجہ (کمال الدین) صاحب نے پکوائی تھی رات کو کتوں نے چولھے سے گرا کر کچھ کھالیا۔ صبح اس بات میں اختلاف ہوا۔ کہ بھنگی کو دینی جائز ہے یا نہیں۔ میں بھی اس وقت وہاں کھڑا ہوا تھا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت سے دریافت کیا جائے۔ چنانچہ حضور سے دریافت کیا گیا۔

فرمایا۔ بھنگی کو اطلاع کر دینی چاہئیے۔ پھر وہ لیتا ہے تو لے لے۔

۸۵۔ حضرت مسیح موعود کا نور فراست:۔

دسمبر ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ مہمان خانہ میں ایک وحدت وجودی آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میرے دس اعتراض ہیں۔ اگر وہ حل ہو گئے تو میں احمدی ہو جاونگا۔ اور ہم نے بہت پوچھا کہ وہ اعتراض کیا ہیں۔ اُس نے کہا کہ صبح حضرت صاحب کو ہی بتلاوں گا۔ چنانچہ جب صبح حضور سیر کے لئے گاؤں بسراواں کیطرف تشریف لے گئے۔ اُس وقت ہم خدام کوئی پندرہ بیس ہمراہ تھے اور وہ شخص بھی ہمارے ساتھ تھا۔ حضرت اقدس نے خود ہی ایک تقریر شروع کر دی جو واپس گھر آنے تک ختم ہوئی۔ جب ہم مہمانخانہ میں واپس آئے اور ہم نے اُسے کہا کہ اب تو تم ظہر کی نماز کے وقت ہی اگر حضور تشریف لائے۔ تو دریافت کرو گے۔ وہ کہنے لگا۔ کہ میرے دس سوال ہی حضور کی تقریر سے حل ہو گئے ہیں۔ اب تو میں ظہر کے وقت بیعت ہی کرلوں گا۔

۸۶۔ حضرت ابوہریرہؓ کے قول کا مطلب:۔

۱۹۰۶ء کے سالانہ جلسہ کے تین چار دن بعد کا واقعہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ سیر کو تشریف لے گئے۔ ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا۔ کہ یہ جو صوفیوں میں

مشہور ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض باتیں عام لوگوں کو نہیں بتلائیں۔ بلکہ بعض خاص لوگوں کو بتلائی ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

حضور نے فرمایا۔ کہ قرآن شریف سے تو یہی ثابت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب باتیں لوگوں تک پہنچادیں۔ چنانچہ فرمایا۔ **یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک (۶۸:۵)**۔

میں نے عرض کیا کہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ **علمتُ دَ عائین من الرسول** (الحدیث) یعنی میں نے رسول اللہ سے دو برتن علم کے سیکھے ہیں۔ ایک کی تو میں نے تمہارے درمیان اشاعت کردی ہے۔ اور دوسرا برتن علم کا ایسا ہے۔ اگر میں وہ تمہیں بتلاؤں تو میرا گلا کاٹا جائے۔

میں نے عرض کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض باتیں اسلام کی جو گہرے حقائق و معارف ہیں وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کو بتلایا کرتے تھے۔ کیونکہ عام لوگوں کی طبائع اس کی متحمل نہیں ہوتیں۔

حضور نے فرمایا۔ اگر اس کا یہی مطلب ہے تو اس کیلئے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر فقہاء صحابہؓ اہل تھے نہ کہ ابو ہریرہؓ۔ مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات بتلانے والے کی طرف سے تو روک نہیں ہوتی مگر سننے والا اپنی سمجھ میں اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اسی طرح کی یہ بات ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُن لی۔ جو آپ نے بنوامیہ کے متعلق بیان فرمائی۔ اور ابو ہریرہؓ اس کا ظاہر کرنا موجب فتنہ و فساد سمجھتے تھے۔

۸۷۔ وَاُمُّهٗ صِدِّ یقة کا مطلب:۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی قرآن شریف میں تعریف آئی ہے۔ کہ **وَاُمُّهٗ صِدِّ یْقَةٌ (۷۶:۵)**۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا مقصد حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا بطلان ہے۔۔۔ اور اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے ایک پنجابی ضرب المثل سے تشریح بھی فرمائی۔

۸۸۔ آیت کُلُ شَیءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ کے معنے:۔

ایک دفعہ قادیان جاتے ہوئے میں لاہور میں مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی سے ملا۔

انہوں نے دوران گفتگو میں کہا کہ آپ تو کہتے ہیں کہ روح کو بھی بقاء ہے۔ یہ قرآن شریف کی آیت کلّ شیء ھالک الا وجھہٗ (۲۸:۸۹) کے برخلاف ہے۔ قادیان آکر میں نے حضرت مولوی نورالدین صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ھالک کے معنے بالکل نیست ونابود کے نہیں بلکہ حالت نوعیہ کے بدلنے کے ہیں۔ جیسے اھلکت مالا لبدا۔ اس سے میری تسلی نہ ہوئی۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس آیت کے معنے ہیں کہ ہرایک چیز معرض ہلاکت میں ہے۔ سوائے اسکے جس پر اسکی توجہ ہو۔ اِلّا وجھہٗ ای بو جھہٖ.

(سیرۃ المہدی مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)

۸۹۔ مرتد کی سزا کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا ارشاد:۔

جن دنوں امیر حبیب اللہ صاحب والئے کابل ولایت جانے کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ اُن دنوں حضرت صاحبزادہ شاہزادہ عبداللطیف صاحب کے سنگسار کرنے پر مخالفوں نے شائع کیا تھا کہ چونکہ وہ نعوذ باللہ مرتد تھے۔ اس لئے اُن سے یہ سلوک کیا گیا۔ مسجد مبارک میں دوستوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ مرتد کی سزا قرآن شریف میں قتل نہیں آئی۔ اتنے میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ سُن کر فرمایا۔ ہمیں یہ گفتگو نہیں کرنا چاہیئے کہ مرتد کی سزا قتل نہیں۔ بلکہ یہ گفتگو کرنی چاہیے۔ کہ تم شاہزادہ صاحب کو جو مرتد کہتے ہو تو مرتدوں کے کیا صفات ہیں۔ اور کیا حضرت شاہزادہ صاحب ان صفات کے حامل تھے؟ اس طرح ایک تو بات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اور نہ ہی وہم اس طرف جاتا ہے۔ کہ (نعوذ باللہ) ہم جناب شاہزادہ صاحب کے مرتد ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

(الحکم جلد ۳۸)

۹۰۔ رویا صالحہ کی حقیقت:۔

ایک دفعہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ مومن کی رویا صالحہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتی ہے وہ کیا شئے ہے۔

حضور نے فرمایا۔ کہ یہ القاء ملک (فرشتہ) ہے۔ (سیرۃ المہدی)

۹۱۔ حضرت مسیح موعودؑ کا اپنے خدام سے تعارف:۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے جمعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے قریب تشریف فرما ہوئے۔ حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے جلدی سے آ کر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا۔ کہ حضور یہ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری ہیں۔ حضورؑ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بہت دفعہ قادیان آتے جاتے ہیں۔

۹۲۔ اختصار خطبہ جُمعہ:۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے جمعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مع چند احباب میرے قریب تشریف فرما ہوئے اور مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب (مولوی نور الدین صاحبؓ) سے کہہ دیں کہ دوستوں نے بعد نماز جمعہ جانا ہے اس لئے خطبہ مختصر پڑھیں۔ چنانچہ میرے پیغام پہنچانے پر مولوی صاحب نے ایسا ہی کیا۔

۹۳۔ کھانے میں مساوات:۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ سب کو ایک ہی کھانا دیا جائے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے کہا کہ حضور غریب تو دال کو بھی غنیمت سمجھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ دوسرے کو گوشت کھاتے دیکھ کر اُن کے دل میں بھی خواہش ہوتی ہے کہ ہمیں بھی گوشت ملے۔ اس لئے سب کو ایک ہی کھانا دیا جائے۔

۹۴۔ دخل بے جا:۔

جن دنوں حقیقۃ الوحی کے عربی استفتاء کا پروف دیکھا جا رہا تھا میں بھی حاضر خدمت تھا۔ نماز ظہر کے وقت مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور پروف میں فلاں نشان کردہ لفظ تو درست ہے۔ حضورؑ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو نشان نہیں کیا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ پھر کس نے کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ میر مہدی حسن صاحب نے کیا ہوگا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اُن کو کیا حق

ہے۔حضورؑ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔اُن کو بھی ایک حق حاصل ہے۔جسے دخل بے جا کہتے ہیں۔

۹۵۔ اسلام کا زندہ ثبوت حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔

جن دنوں ایڈیٹر اخبار وطن نے مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب سے کہا تھا کہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز بہت عمدہ ہے اگر اس میں حضرت صاحب (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کا ذکر نہ ہو تو ہم اس کی خریداری کو دس ہزار تک پہنچا دیں گے۔مولوی صاحب اِس بات پر رضامند ہو گئے۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر چند صفحات پر بطور ضمیمہ کے چھپوا کر احمدی خریداروں کو بھیج دیا کریں۔اور دوسرے خریداروں کو بغیر اس ضمیمہ کے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علم ہونے پر فرمایا کہ خواجہ صاحب مجھ کو چھپا کر آپ کونسا اسلام دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔اسلام کا زندہ ثبوت تو میں ہوں۔

رسالہ تشحیذ الاذہان کے اجراء کے وقت بطور ایڈیٹوریل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا مضمون شائع ہونے پر مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنّۃ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ہم تو خیال کرتے تھے کہ یہ سلسلہ (حضرت) مرزا صاحب (مسیح موعودؑ) کی زندگی تک ہی رہے گا۔مگر یہ مضمون پڑھ کر معلوم ہوا۔کہ آپ کے بعد آپ کا لڑکا اس گدی کو اچھی طرح چلائے گا۔جب اس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کیطرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔گویا کہ آپ کے لئے دعا فرما رہے ہیں۔خاکسار بھی اس مجلس میں حاظر تھا۔

۹۶۔ جماعت کی تقسیم:۔

ایک ذکر پر فرمایا۔کہ ہماری جماعت میں بھی عجیب کھچڑی ہے۔ایک طاعونی جماعت ہے۔یعنی وہ جماعت جو طاعون کے نشان کو دیکھ کر اس سلسلہ میں داخل ہوئی ہے۔اور یہ جماعت کثرت کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔اور بعض قمری شمسی ہیں۔جو کسوف خسوف کا نشان دیکھ کر ایمان لائے اور ہمارے ساتھ آملے۔ایک گروہ خواب بینوں کا ہے۔کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کے ذریعہ سے ہدایت کی ہے۔یہ گروہ بھی بڑا بھاری گروہ ہے۔بعض عقلی ہیں۔

بعض نقلی۔ کہ انہوں نے نصوص قرآنیہ سے ہی اس سلسلہ کو پہچانا ہے۔ اس طرح پر مختلف طریق سے آئے ہوئے ہیں ۔ (الحکم ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۳ء)

۹۷۔ وجود اعداء ہمارا نقارہ ہے:۔

فرمایا۔ اعداء کا وجود بھی ہمارا ایک نقارہ ہے۔ جو اعلان کا باعث ہو رہا ہے۔ نقارے بھی تو کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک دشمن کا وجود بھی ہے۔ مثنوی رومی میں ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ ایک شخص کسی کے مکان میں نقب لگا رہا تھا۔ اس صاحب مکان کا پڑوسی کہیں ادھر آنکلا۔ اُس نے چور سے پوچھا کہ تو کیا کرتا ہے۔؟ چور نے جواب دیا کہ میں ڈھول بجاتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اس سے آواز نہیں آتی ۔ چور نے کہا کہ کل صبح کو تُو سن لیگا کہ اس سے کیسی آواز آتی ہے۔ اس طرح پر یہ اعداء ہمارے نقارے ہیں اور اعلان کررہے ہیں۔

(الحکم ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۳ء)

۹۸۔ گناہ کا علاج:۔

ایک شخص نے سوال پیش کیا کہ میرے سے گناہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر توبہ کر لیتا ہوں۔ پھر گناہ ہو جاتا ہے۔ کیا علاج کروں؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ پھر توبہ کرلو۔ اس کا اور کیا علاج ہے۔ (یعنی توبہ پکی کرلو)

(الحکم اپریل ۱۹۰۷ء)

۹۹۔ الحمدللہ۔ جزاکم اللہ:۔

جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء پر مکرم میر حامد شاہ صاحب، چوہدری نصر اللہ خاں صاحب، حافظ مولوی محمد فیض الدین صاحب، خاکسار اور جماعت سیالکوٹ کے بعض اور احباب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میر حامد شاہ صاحب نے ایک تھیلی روپوں کی نذرانے میں پیش کی۔ حضور علیہ السلام نے تھیلی اپنے دست مبارک میں لیتے ہوئے فرمایا الحمدللہ اور پھر فرمایا جزاکم اللہ۔

۱۰۰۔ تعویذ کا باندھنا یا دم کرانا:۔

۴جولائی ۱۹۰۳ء۔استفسار۔تعویذ کا باندھنا یا دم کرانا کیسا ہے؟

بجواب حضرت اقدس نے حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کی طرف مخاطب ہوکر پوچھا۔ کہ آپ نے احادیث میں اسکے متعلق کچھ پڑھا ہے؟ عرض کیا کہ حضرت خالد بن ولید جب جنگوں میں جایا کرتے تھے۔تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مؤئے مبارک پگڑی یا ٹوپی میں رکھ لیا کرتے تھے۔اور آگے کی طرف لٹکا لیتے۔اور جب ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے سر منڈوایا تو آدھے سر کے کٹے ہوئے بال ایک شخص کو دیدئے اور دوسرے آدھے حصے کے باقی بال اصحاب کو بانٹ دئے۔آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعض اوقات جُبّہ شریف دھوکر مریضوں کو بھی پلایا کرتے تھے۔اور وہ شفایاب ہو جایا کرتے تھے۔ایسا ہی ایک دفعہ ایک عورت نے آپ کا پسینہ بھی جمع کیا تھا۔

یہ سنکر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ ان تعویذوں اور دموں کی اصل کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ جو خالی از فائدہ نہیں۔میرے الہام میں جو ہے کہ 'بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے' اِس سے بھی تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تو ہوگا جو بادشاہ ایسا کریں گے۔اصل بات یہ ہے کہ اِن باتوں کی بناء محبت واخلاص پر ہے۔صادقوں کی نکتہ چینی کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ بزرگوں کے صغائر پر نظر کرنے سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔

(الحکم ۱۷جولائی ۱۹۰۳ء)

۱۰۰۔ ساس بہو کے تعلقات:۔

ایک لڑکی کی اُس کی ساس کے ساتھ کچھ اچھی طرح نہیں بنتی تھی ۔لڑکی نے بر سبیل شکایت اور گلہ کچھ عورتوں کے سامنے کہا کہ بُرا مقام ہے کہ جس میں میری ساس وغیرہ رہتے ہیں۔آپؑ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے اس کو بہت بُرا منایا کہ شہر تو کوئی برا ہوتا ہی نہیں۔اگر کسی شہر کو بُرا کہا جائے تو اس سے مراد اُسکے شہر والے ہوتے ہیں۔پس نہایت قابل افسوس ہے اُس عورت کی حالت جو ایسا فقرہ اپنی زبان پر لاتی ہے۔اور اس طرح اپنے خاوند اور اس کے والدین کی بُرائی کرتی ہے۔اور اس کے بعد اس عورت کو بہت سمجھایا اور کہا کہ خدا تعالیٰ ایسی باتیں پسند نہیں کرتا۔یہ مرض عورتوں میں بہت کثرت سے ہوا کرتا ہے۔کہ وہ ذراسی بات پر بگڑ کر اپنے خاوند کو بہت کچھ بُرا بھلا

کہتی ہیں۔ بلکہ اپنی ساس اور سُسر کو بھی سخت الفاظ سے یاد کرتی ہیں حالانکہ وہ اس کے خاوند کے بھی قابل عزت بزرگ ہیں۔ وہ اس کو معمولی بات سمجھ لیتی ہیں۔ اور اُن سے لڑنا وہ ایسا ہی سمجھتی ہیں جیسا کہ محلّہ کی اور عورتوں سے جھگڑا کرنا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی خدمت اور رضا جوئی ایک بہت بڑا فرض مقرر کیا ہے۔ یہانتک کہ حکم ہے کہ اگر والدین کسی لڑکے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دیدے تو اُس لڑکے کو چاہیے کہ وہ طلاق دیدے۔ پس جبکہ ایک عورت کو ساس اور سُسر کے کہنے پر طلاق مل سکتی ہے تو اور کونسی بات رہ گئی۔ اس لئے ہر ایک عورت کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے خاوند اور اس کے والدین کی خدمت میں لگی رہے۔ اور دیکھو کہ عورت جو اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے تو اس کا کچھ بدلہ بھی پاتی ہے۔ اگر وہ اسکی خدمت کرتی ہے تو وہ اسکی پرورش کرتا ہے۔ مگر والدین تو بچے سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ تو اس کے پیدا ہونے سے لیکر اسکی جوانی تک اس کی خبر گیری کرتے ہیں اور بغیر کسی اجر کے اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو اس کا بیاہ کرتے اور اس کی آئندہ بہبودی کیلئے تجاویز سوچتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور پھر جب وہ کسی کام پر لگتا ہے اور اپنا بوجھ آپ اٹھانے اور آئندہ زمانے کیلئے کسی کام کے کرنیکے قابل ہو جاتا ہے۔ تو کس خیال سے اسکی بیوی اسکو اپنے ماں باپ سے جدا کرنا چاہتی ہے۔ اور ذرہ سی بات پر سب و شتم پر اُتر آتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا ناپسندیدہ فعل ہے جس کو خدا تعالیٰ اور مخلوق دونوں ناپسند کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ داریاں مقرر کی ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد۔ پھر اسکے دو حصے کئے ہیں یعنی اول تو ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری دوسرے مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال۔ اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس اور سُسر کی خدمت اور اطاعت۔ پس کیا بدقسمت ہے وہ عورت جو ان لوگوں کی خدمت نہ کر کے حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی بجا آوری سے منہ موڑتی ہے۔ حقوق اللہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ اس طرح خدا کے حکم کو بھی ٹالتی ہے۔

(الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۰۱۔ غیر اللہ پر چڑھاوے چڑھانا:۔

ایک بھائی نے عرض کی۔ کہ حضور بکرا وغیرہ جو غیر اللہ تھانوں اور قبروں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ پھر وہ فروخت ہو کر ذبح ہوتے ہیں۔ کیا ان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

”شریعت کی بناء نرمی پر ہے سختی پر نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیرِ اللہ (۲۔۱۷۴) سے

یہ مراد ہے کہ جو ان مندروں اور تھانوں پر ذبح کیا جاوے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاوے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ لیکن جو جانور بیع وشراء میں آجاتے ہیں۔ ان کی حلت ہی سمجھی جاتی ہے۔ زیادہ تفتیش کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو حلوائی وغیرہ بعض اوقات ایسی حرکات کرتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی کراہت اور نفرت پیدا کرتا ہے۔ لیکن ان کی بنی ہوئی چیزیں اکثر کھاتے ہی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ شیرینیاں تیار کرتے ہیں اور میلی کچیلی دھوتی میں بھی ہاتھ مارتے جاتے ہیں۔ اور جب کھانڈ تیار کرتے ہیں۔ تو اس کو پاؤں سے تیار کرتے ہیں۔ چوڑھے چمار گڑ وغیرہ میں بعض اوقات جوٹھے رس وغیرہ ڈال دیتے ہیں۔ اور خدا جانے کیا کیا کرتے ہیں۔ ان سب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح پر اگر تشدّد ہو تو سب حرام ہو جائیں۔ اسلام نے مالا یطاق تکلیف نہیں رکھی ہے۔ بلکہ شریعت کی بناء نرمی پر ہے''۔

(الحکم ۱۰۔ اگست ۱۹۰۳ء)

۱۰۲۔ گرمیوں میں پہاڑوں پر جانا:۔

ایک مخلص نے پہاڑ پر جانے کی اجازت چاہی۔ اس کے متعلق تذکرہ آنے پر فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کے وعدے بالکل سچے ہیں۔ جب کہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی عذاب شدید آنے والا ہے۔ تو اس کا کوئی وقت تو ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اس لئے بڑی احتیاط کرنی چاہیئے۔ پہاڑوں پر کیا ہے۔ ہم تو گرمیاں یہاں ہی بسر کرتے ہیں۔ کوئی ایسی تکلیف تو نہیں ہوتی۔ بلکہ میں ایک مرتبہ ڈلہوزی گیا کسی مقدمہ کی تقریب تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو خلاف عادت دیکھا نہ گرمی ہے نہ پسینہ آتا ہے۔ بارش ہوتی ہے۔ اور بادل گھروں میں اندر گھس آئے۔ ہر وقت اندر بیٹھے رہنا۔ نہ چلنے پھرنے کے لئے موقعہ ملے۔ اگر ہر روز چائے نہ پییں تو اسہال آجائیں۔ ایک دو دن میں نے گزارے پھر سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ اور میں جب تک پٹھان کوٹ نہ پہنچ گیا۔ طبیعت میں نشاط اور انشراح پیدا نہ ہوا۔ ان کو لکھ دو کہ وہ یہاں آجائیں۔ اگر بارش ہوتی رہی تو یہاں بھی موسم اچھا ہے۔ اور ۱۵ ستمبر تک تو امید ہے موسم میں بڑی تبدیلی ہو جائے گی۔

فرمایا:۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ گرمیوں کو بھی روحانی ترقی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ جیسے شہر میں پیدا کیا۔ اور پھر آپ تو ان گرمیوں میں تنہا غار حرا میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ کیسا عجیب زمانہ ہوگا۔ آپ ہی پانی کا ایک مشکیزہ اٹھا کر لے جایا کرتے ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دنیا اور اہل دنیا سے ایک نفرت اور

کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بالطبع تنہائی اور خلوت پسند آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپ اس قدر رفنا ہو چکے تھے۔ آپ اسی تنہائی میں پوری لذت اور ذوق پاتے تھے۔ ایسی جگہ میں نہ کوئی آرام اور نہ راحت کا سامان ہوتا۔ اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو۔ آپ وہاں کئی راتیں تنہا گذارتے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کیسے شجاع اور بہادر تھے۔ جب خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو۔ تو پھر شجاعت بھی آ جاتی ہے۔ اس لئے مومن کبھی بزدل نہیں ہوتا۔ اہل دنیا بُزدل ہوتے ہیں۔ ان میں حقیقی شجاعت نہیں ہوتی۔

(الحکم ۱۰۔ اگست ۱۹۰۵ء)

۱۰۳۔ نام بلانے میں شخص مراد ہوتا ہے نہ کہ وصفی معنی:۔

کسی لڑکی کا نام جنت تھا۔ کسی شخص نے کہا یہ نام اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ بعض وقت انسان آواز دیتا ہے۔ کہ جنت گھر میں ہے۔ اور اگر وہ نہ ہو تو گویا اس سے ظاہر ہے کہ دوزخ ہی ہے۔ یا کسی کا نام برکت ہو اور یہ کہا جائے کہ گھر میں برکت نہیں۔ تو گویا نحوست ہوئی۔

فرمایا۔ ”یہ بات نہیں ہے۔ نام رکھنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی کہے کہ برکت اندر نہیں ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسان اندر نہیں ہے نہ کہ یہ برکت نہیں۔ یا اگر کہے۔ جنت نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت نہیں اور دوزخ ہے“۔ کسی اور نے کہا۔ کہ حدیث میں بھی حرمت آئی ہے۔ فرمایا۔ کہ ”میں ایسی حدیثوں کو ٹھیک نہیں جانتا۔ اور ایسی حدیثوں سے اسلام پر اعتراض ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا کے بتائے ہوئے نام عبداللہ عبدالرحیم، عبدالرحمٰن جو ہیں۔ ان پر بھی بات لگ سکتی ہے۔ کیونکہ جب ایک انسان کہتا ہے۔ کہ عبدالرحمٰن اندر نہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا۔ کہ عبدالشیطان اندر ہے۔ بلکہ یہ کہ وہ شخص جس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ وہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے نام نیک فال کے طور پر رکھے جاتے ہیں۔ تا وہ شخص اس نام کے مطابق ہو“

(الحکم ۲۱ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۰۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکتوب حضرت حکیم الامت کے نام:۔

مخدومی مکرمی اخویم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دوروز سے میں نے شخص معلوم کے لئے توجہ کرنا شروع کیا تھا۔مگر افسوس کہ اس عرصہ میں میرے گھر کے لوگ یک سخت دفعہ علیل ہو گئے۔یعنی تیز تپ ہو گیا۔جس کی وجہ سے مجھے ان کی طرف توجہ کرنی پڑی۔کل ارادہ ہے کہ ان کو مسہل دوں۔ بعد ان کی صحت کے پھر توجہ میں مصروف ہوں گے۔اب مجھے محض آپ کے لئے اس طرف بشدت خیال ہے۔اگرچہ مجھے صحت کامل نہیں۔تاہم افاقہ ہے۔آپ نے جو فتح محمد کے ہاتھ دوا بھیجی تھی۔وہی کھاتا رہا ہوں۔معلوم ہوتا ہے۔واللہ علم کہ اس دوا نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ہے۔پیراندتا کے ہاتھ کوئی دوائی نہیں پہنچی۔اور پیراندتا کہتا ہے۔کہ مجھے مولوی صاحب موصوف نے کوئی دوا نہیں دی ہے۔یعنی اس عاجز کیلئے آپ نے جو کچھ لکھا تھا۔کہ پیراندتا کے ہاتھ دوا بھیجی ہے۔شاید یہ غلطی سے لکھا گیا ہو۔میر عباس علی شاہ صاحب قادیان میں آپ کی دوا کے منتظر ہیں۔براہ مہربانی ضرور توجہ فرما کر دوا بھیج دیں۔آپ کو یہ عاجز دعا میں یاد رکھتا ہے۔اور امیدوار اثر ہے۔گو کس قدر دیر کے بعد ہو۔انسان کے دل پر آزمائش کے طور پر کئی قسم کی حالتیں وارد ہوتی رہتی ہیں۔آخر خدا تعالیٰ سعید روح کی کمزوری کو دور کرا دیتا ہے۔اور پاکیزگی اور نیکی کی قوت بطور موہبت عطا فرما دیتا ہے۔پھر اس کی نظر میں سب باتیں مکروہ ہو جاتی ہیں جو خدا تعالیٰ کی نظر میں مکروہ ہوتی ہیں۔اور وہ سب راہیں پیاری ہو جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں پیاری ہوتی ہیں۔تب اس کو ایک ایسی طاقت ملتی ہے۔جس کے بعد ضعف نہیں۔اور ایک ایسا جوش عطا ہوتا ہے۔جس کے بعد کسل نہیں۔اور ایسی تقویت دی جاتی ہے۔جس کے بعد معصیت نہیں۔اور رب کریم ایسا راضی ہوتا ہے۔جس کے بعد سخط نہیں۔مگر یہ نعمت دیر کے بعد عطا ہوتی ہے۔اول اول انسان اپنی کمزوریوں سے بہت سی ٹھوکریں کھاتا ہے۔اور اسفل کی طرف گرتا ہے۔مگر آخر اس کو صادق پا کر طاقت بالا کھینچ لیتی ہے۔اس کی طرف اشارہ ہے۔جو اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

والذین جا ھد وا فینا لنھد ینّھم سبلنا

اے نثبتھم علی التقویٰ والایمان ولنھد ینّھم سبل المحبة والعرفان وسنریھم لفعل الخیرات و ترك العصیان۔

(الحکم ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

۱۰۵۔مکان وجواہرات پر زکوٰۃ نہیں:۔

خط سے سوال پیش ہوا۔ کہ مکان میں میرا پانچ سوروپے کا حصہ ہے۔اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا۔’’جواہرات ومکان پر کوئی زکوٰۃ نہیں‘‘۔

(الحکم ۲۴فروری ۱۹۰۷ء)

۱۰۶۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل بذریعہ خواب:۔

کسی شخص کا سوال خط سے پیش کیا گیا۔ کہ میں نے ایک بیوہ عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا تھا۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اس کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا۔اس پر عمل کیا جاوے یا نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

’’آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔من رأنی فقد رای الحق۔ لہٰذا اس پر عمل کیا جاوے‘‘

(الحکم ۲۴فروری ۱۹۰۷ء)

۱۰۷۔قربانی کے جانور کی قیمت بجائے دوسری جگہ بھیجنے کے وہاں قربانی کرنا:۔

خط سے سوال پیش ہوا۔ کہ کئی اشخاص نے قربانی کے لئے ایک گائے خریدی تھی۔جن میں سے ایک احمدی تھا۔غیر احمدیوں نے اس کو اس وجہ سے اس گائے کا حصہ قیمت واپس دے دیا کہ اس کا حصہ قربانی میں رکھنے سے ان کی قربانی نہ ہوگی۔اس لئے اس شخص نے لکھا کہ میں اپنی قربانی کا حصہ نقد قادیان میں بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

’’اس کو لکھو کہ قربانی کا جانور وہی اس قیمت سے لیکر وہاں قربانی کر دے‘‘

عرض کی گئی۔ کہ اس کا حصہ قیمت جو گائے کے خریدنے میں تھا۔وہ بہت تھوڑا ہے۔اس سے دنبہ یا بکرا خریدا نہیں جاسکے گا۔

حضرت نے فرمایا:۔’’اس کو لکھو کہ تم نے جیسا کے اپنے اوپر قربانی ٹھیرائی ہے۔اور طاقت ہے۔تو اب تم

پر اس کا دینا لازم ہے اور اگر طاقت نہیں تو پھر اس کا دینا لازم نہیں۔"

(الحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء)

۱۰۷۔ طبیب اور ڈاکٹر کو متقی ہونا چاہیئے :۔

ایک صاحب گھر میں آئے۔ طب کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا۔

"طبیب میں علاوہ علم کے جو اس کے پیشے کے متعلق ہے ایک صفت نیکی اور تقویٰ بھی ہونی چاہیئے۔ ورنہ اس کے بغیر کچھ کام نہیں چلتا۔ ہمارے پچھلے لوگوں میں اس کا خیال تھا۔ اور لکھتے ہیں کہ جب نبض پر ہاتھ رکھے۔ تو یہ بھی کہے لا علم لنا الا ما علمتنا یعنی اے خداوند بزرگ ہمیں کچھ علم نہیں مگر وہ جو تو نے سکھایا۔"

فرمایا کہ "دیکھو! پچھلے دنوں میں مبارک احمد کو خسرہ نکلا تھا۔ اس کو اس قدر کھجلی ہوتی تھی۔ کہ وہ پلنگ پر کھڑا ہو جاتا تھا ۔اور بدن کی بوٹیاں توڑتا تھا۔ جب کسی بات سے فائدہ نہ ہوا۔ تو میں نے سوچا کہ اب دعا کرنی چاہیئے۔ میں نے دعا کی۔ اور دعا سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا۔ کہ میں نے دیکھا کہ کچھ چھوٹے چھوٹے چوہے جیسے جانور مبارک احمد کو کاٹ رہے ہیں۔ اور ایک شخص نے کہا۔ کہ ان کو چادر میں باندھ کر باہر پھینک دو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا جب میں نے بیداری میں دیکھا تو مبارک احمد کو بالکل آرام ہو گیا تھا۔ اسی طرح دست شفا جو مشہور ہوتے ہیں۔ اس میں کیا ہوتا ہے۔ وہی خدا کا فضل اور کچھ نہیں"۔

(الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۰۸۔ دعا کی قبولیت کیلئے دوسرے بزرگ سے دعا کرانی چاہیئے :۔

فرمایا کہ "دعا میں بعض دفعہ قبولیت نہیں پائی جاتی۔ تو ایسے وقت میں اس طرح بھی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ کہ ایک شخص بزرگ سے دعا منگوائیں۔ اور خدا سے دعا مانگیں کہ وہ اس مرد بزرگ کی دعا کو سنے۔ اور بارہا دیکھا گیا ہے۔ کہ اس طرح دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ بھی بعض دفعہ ایسا واقعہ ہوا ہے"۔

(الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۰۹۔ اسباب پرستی شرک ہے :۔

فرمایا کہ "دنیا میں جو اسباب کا سلسلہ جاری ہے۔ بعض لوگ اس حد تک اسباب پرست ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ توحید کی اصل حقیقت تو یہ ہے۔ کہ شرک فی الاسباب کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ خواص الاشیا کی نسبت کبھی یہ یقین نہ کیا جائے کہ وہ خواص ان کے ذاتی (*) ہیں بلکہ یہ ماننا چاہیئے کہ وہ خواص بھی اللہ

تعالیٰ نے ان میں ودیعت رکھے ہیں۔ جیسے تربد اسہال لاتی ہے یا سم الفار ہلاک کردیتا ہے۔ اب یہ قوتیں اور خواص ان چیزوں کے خود بخود نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ نکال لے تو پھر نہ تربد دست آور ہوسکتی ہے۔ اور نہ سنکھیا ہلاک کرنے کی صلاحیت رکھ سکتا ہے۔ اور نہ اسے کھا کر کوئی مر سکتا ہے۔ غرض اسباب کے سلسلے کو حد اعتدال سے نہ بڑھاوے۔ اور صفات وافعال الہٰیہ میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ تو توحید کی روح اس میں متحقق ہوگی اور اسے مؤحد کہیں گے۔ لاکن اگر وہ صفات وافعال الہٰیہ کو کسی دوسرے کیلئے تجویز کرتا ہے۔ تو وہ زبان سے گو کتنا ہی توحید ماننے کا اقرار کرے۔ وہ موحد نہیں کہلا سکتا"۔

(*: خدا کے حکم وعدل نے اشعریوں اور ماتریدیوں کے اختلافات کا فیصلہ کیا ہی خوب فرمایا (مؤلف)

(الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء)

۱۱۰۔ انسان کامل موحد کب بنتا ہے:۔

"غرض یہ توحید تب ہی پوری ہوگی۔ جب اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے وحدہٗ لاشریک یقین کیا جائے اور انسان اپنی

حقیقت کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت سمجھ لے۔ کہ نہ میں اور نہ میری تدابیر اور اسباب کچھ چیز ہیں۔ اس سے ایک شبہ

پیدا ہوتا ہے۔ کہ شاید ہم استعمال اسباب سے منع کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ہم اسباب کے استعمال سے منع نہیں کرتے بلکہ رعایت اسباب بھی ضروری ہے۔ کیونکہ انسانی بناوٹ بجائے خود اس رعایت کو چاہتی ہے۔ لیکن اسباب کا استعمال اس حد تک نہ کرے۔ کہ ان کو خدا کا شریک بنادے۔ بلکہ ان کو بطور خادم سمجھے۔ جیسے کسی کو بٹالہ جانا ہو۔ تو وہ یکہ یا ٹٹو کرایہ کرتا ہے۔ تو اصل مقصد اس کا بٹالہ پہنچنا ہے نہ وہ ٹٹو یا یکہ۔ پس اسباب پر کبھی بھروسہ نہ کرے۔ یا یہ سمجھے کہ ان اسباب میں اللہ تعالیٰ نے کچھ تاثیریں رکھی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ تو وہ تاثیریں بیکار ہوجائیں۔ اور کوئی نفع نہ دیں"۔

(الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء)

۱۱۱۔مقام توحید:۔

''اسی طرح پر بہت سے لوگ ہیں جو شرک اور توحید میں فرق نہیں کر سکتے۔ایسے افعال اور اعمال ان سے سرزد ہوتے ہیں یا وہ اس قسم کے اعتقادات رکھتے ہیں۔جن میں صاف طور پر شرک پایا جاتا ہے۔مثلاً کہہ دیتے ہیں۔کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا۔تو ہم ہلاک ہو جاتے۔یا فلاں کام درست نہ ہوتا۔پس انسان کو چاہیئے۔کہ اسباب کے سلسلہ کو حد اعتدال سے نہ بڑھاوے۔اور صفات اور افعال الٰہیہ میں کسی کو شریک نہ کرے''۔

(الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۱۱۲۔اس زمانہ میں بُت پرستی نہیں بلکہ اسباب پرستی ہے:۔

''یہ زمانہ اب اس قسم کی بت پرستی کا نہیں ہے۔بلکہ اسباب پرستی کا ہے۔اگر کوئی بالکل ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے۔اور سُست ہو جاوے۔تو اس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔لیکن جو اسباب کو خدا بنالیتا ہے۔وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت یورپ دو شرکوں میں مبتلا ہے۔ایک مردہ کی پرستش کر رہا ہے۔اور جو اس سے بچے ہیں اور مذہب سے آزاد ہو گئے ہیں۔وہ اسباب کی پرستش کر رہے ہیں۔اور اس طرح پر یہ اسباب پرستی مرض دق کی طرح لگی ہوئی ہے۔اور یورپ کی تقلید نے اس ملک کے نوجوانوں کو اور نوتعلیم یافتہ لوگوں کو بھی ایسی مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔وہ اب سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ ہم اسلام سے باہر جارہے ہیں۔اور خدا پرستی کو چھوڑ کر اسباب پرستی کے دق میں مبتلا ہو رہے ہیں۔یہ دق دور نہیں ہوسکتی اور اس کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا جب تک انسان میں خُدا کی ایک نالی نہ ہو۔جو اللہ تعالیٰ کے فیض اور اثر کو اس تک پہنچاتی ہے۔اور یہ نالی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان ایک منکسر النفس ہو جاوے۔اور اپنی ہستی کو بالکل فانی سمجھ لے۔جس کو فنا نظری کہتے ہیں''۔

(الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء)

۱۱۳۔حقیقی توحید اسلام ہی کی ہے:۔

فرمایا ''توحید اسلام ہی کی توحید ہے۔اسلام سکھلاتا ہے۔کہ جو زہریلے اثرات انسان کے اندر جا کر خطرناک امراض کا باعث ہو جاتے ہیں۔وہ سب خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت چلتے اور اثر پذیر ہوتے ہیں۔بغیر اذن الٰہی کوئی ذرہ اثر نہیں کر سکتا۔لہذا خدا تعالیٰ کے آگے تضرع وزاری کرنی چاہیئے کہ وہ زہریلے زرات و مواد کے اثر سے محفوظ

رکھے۔اگرزہریلے ذرات ومواد انسان کے اندرخود بخود اثر پذیر ہوتے۔تو پھر ان ذرات کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑتے۔کہ اثر نہ کریں۔مگر ایسا نہیں ہے۔بلکہ کوئی چیز وذرہ خدا تعالیٰ کے حکم واذن کے سوا اثر نہیں کرسکتا''۔

(الحکم ۱۰۔مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۱۴۔رسول عالم الغیب نہیں ہوتا:۔

رسول عالم الغیب ہوتا ہے یا نہیں۔اس پر فرمایا کہ:۔

''اگرآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ زینب کا نکاح زید سے نہ کرتے۔کیونکہ بعد کو جدائی نہ ہوتی۔اوراسی طرح ابولہب سے بھی رشتہ نہ کرتے''۔

(الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء)

۱۱۵۔فنا کی دوقسمیں:۔

''فنا کی دوقسمیں ہیں۔ایک فنا حقیقی ہوتی ہے۔جیسے وجودی مانتے ہیں کہ سب خدا ہی ہیں۔یہ تو بالکل باطل اور غلط ہے۔اور یہ شرک ہے۔لیکن دوسری قسم فناء کی فناء نظری ہے۔اوروہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا شدید اور گہرا تعلق ہو۔کہ اس کے بغیر ہم کچھ چیز ہی نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ہستی ہی ہستی ہو باقی سب ہیچ اور فانی ہو۔یہ فناء اتم کا درجہ توحید کے اعلیٰ مراتب پر حاصل ہوتا ہے۔اور توحید کامل ہی اس درجہ پر ہوتی ہے۔جو انسان اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کچھ ایسا کھویا جاتا ہے کہ اس کا اپنا وجود نیست ونابود ہو جاتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں ایک نئی زندگی حاصل کرتا ہے۔جیسے ایک لوہے کا ٹکڑا آگ میں ڈالا جاوے۔اوروہ اس قدر گرم کیا جاوے کہ سُرخ آگ کے انگارے کی طرح ہو جاوے اس وقت وہ لوہا آگ ہی کی ہم شکل ہو جاتا ہے۔اس طرح پر جب ایک راست باز بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور وفاداری کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر فناء فی اللہ ہو جاتا ہے اور کمال درجہ کی نیستی ظہور پاتی ہے۔اس وقت وہ ایک نمونہ خدا کا ہوتا ہے۔اور حقیقی طور پر وہ اس وقت کہلاتا ہے انت منّی۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو دعا سے ملتا ہے۔

(الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء)

۱۱۶۔دُعا کی قبولیت اورالہام انت منی و انا منک کی حقیقت:۔

''حقیقت میں دعا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ جب تک کہ انسان پورے صدق وصفا کے ساتھ اور صبر واستقلال سے دعا میں نہ لگا رہے۔تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں۔جو دعا کرتے ہیں۔مگر بڑی بے دلی اور عجلت سے چاہتے ہیں کہ ایک ہی دن میں ان کی دعا مثمر بہ ثمرات ہو جاوے۔حالانکہ یہ امر سنت اللہ کے خلاف ہے۔ اس نے ہر کام کے لئے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔اور جس قدر کام دنیا میں ہو رہے ہیں وہ تدریجی ہیں۔اگر چہ وہ قادر ہے کہ ایک طرفۃ العین میں جو چاہے سو کر دے۔اور ایک کُن سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔مگر دنیا میں اس نے اپنا یہی قانون رکھا ہے۔اس لئے دعا کرتے وقت آدمی کو اس کے نتیجے کے ظاہر ہونے کیلئے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ دعا اپنی زبان میں بھی کر سکتے ہو۔ بلکہ چاہیئے کہ مسنون ادعیہ کے بعد اپنی زبان میں آدمی دعا کرے۔ دعا نماز کا مغز اور روح ہے۔اور رسمی نماز جب تک اس میں روح نہ ہو کچھ نہیں۔اور روح کو پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ گریہ وبُکا اور خشوع وخضوع ہو۔اور یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حالت کو بخوبی بیان کرے۔اور ایک اضطراب اور قلق اس کے دل میں ہو۔اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی۔جب تک اپنی زبان میں انسان اپنے مطالب کو پیش نہ کرے۔غرض دعا کے ساتھ صدق اور وفا کو طلب کرے۔اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت میں وفاداری کے ساتھ فنا ہو کر کامل نیستی کی صورت اختیار کرے۔اس نیستی سے ایک ہستی پیدا ہوتی ہے۔جس سے وہ اس بات کا حقدار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کہے۔ انت منی ۔اصل حقیقت انت منی کی تو یہ ہے۔اور عام طور پر ظاہر ہی ہے کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے۔اب اسکے بعد ایک اور حصہ اس الہام کا ہے۔جو انا منک ہے۔ پس اس کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ یاد رکھنا چاہیئے ۔کہ ایسا انسان جو نیستی کے کامل درجہ پر پہنچ کر ایک نئی زندگی اور حیات طیبہ حاصل کر چکا ہے۔اور جس کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ انت منی ۔جو اس کے قرب اور معرفت الٰہی کی حقیقت سے آشنا ہونے کی دلیل ہے۔اور یہ انسان خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت اور جلال کے ظہور کا موجب ہوا کرتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک عینی اور زندہ ثبوت ہوتا ہے۔اس رنگ سے اور اس لحاظ سے گویا خدا تعالیٰ کا ظہور اس میں ہو کر رہتا ہے۔۔اور خدا تعالیٰ کے ظہور کا ایک آئینہ ہوتا ہے۔اس حالت میں جب ان کا وجود خدا نما آئینہ ہو، اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہ کہتا ہے۔ انا منک۔

ایسا انسان جس کو انا منک کی آواز آتی ہے۔اس وقت دنیا میں آتا ہے جب خدا پرستی کا نام دنیا سے مٹ گیا

ہوتا ہے۔اس وقت بھی چونکہ دنیا میں فسق وفجور بہت بڑھ گیا ہے۔اور خدا شناسی اور خدارسی کی راہیں نظر نہیں آتی ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔اور محض اپنے فضل وکرم سے اس نے مجھ کو مبعوث کیا ہے۔تا کہ میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے غافل اور بے خبر ہیں۔اس کی اطلاع دوں۔اور نہ صرف اطلاع بلکہ جو صدق اور صبر اور وفاداری کے ساتھ اس طرف آئیں۔انہیں خدا تعالیٰ کو دکھلا دوں۔اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا انت منی وانا منک

(الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

۱۱۷۔قبر میں سوال وجواب:۔

ایک شخص کا سوال پیش ہوا۔کہ قبر میں سوال وجواب روح سے ہوتا ہے۔یا جسم میں روح ڈالا ہوتا ہے۔
فرمایا:۔ ''اس پر ایمان لانا چاہیئے کہ قبر میں انسان سے سوال وجواب ہوتا ہے۔لیکن اس کی تفصیل اور کیفیت کو خدا پر چھوڑنا چاہیئے ۔یہ معاملہ انسان کا خدا کے ساتھ ہے۔وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔پھر قبر کا لفظ بھی وسیع ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی حالت بعد الموت میں جہاں خدا اس کو رکھتا ہے۔وہی قبر ہے۔خواہ وہ دریا میں غرق ہو جائے ۔خواہ وہ جل جائے ۔خواہ زمین پر پڑا رہے دنیا میں انتقال کے بعد انسان قبر میں ہے۔اور اس سے مطالبات ومواخذات جو ہوتے ہیں۔اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔انسان کو چاہیے کہ اس دن کے واسطے تیاری کرے۔نہ کہ اس کی کیفیت معلوم کرنے کے پیچھے پڑ جائے''۔

(الحکم ۱۷ فروری ۱۹۰۷ء)

۱۱۸۔نکاح ثانی کا سبب:۔

ایک شخص کا سوال پیش ہوا۔کہ میری پہلی بیوی کو جلدی اولاد ہو جاتی ہے۔جس کے باعث وہ کمزور ہوگئی ہے۔کیا میں دوسرا نکاح کرسکتا ہوں یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا ''اس کو بہر صورت اختیار ہے''

(الحکم ۱۰۔فروری ۱۹۰۷ء)

۱۱۹۔ گناہ کا علاج استغفار:۔

ایک شخص کا سوال پیش ہوا۔ کہ مجھ سے گناہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر توبہ کر لیتا ہوں۔ پھر گناہ ہو جاتا ہے۔ کیا علاج کروں؟

آپ نے فرمایا۔ ''پھر توبہ کرے۔ اور اس کا کیا علاج ہے؟''

(الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء)

۱۲۰۔ پہلی بیوی کی موجودگی میں ناطہ دینے کو معیوب جاننا الٰہی اجازت کی خلاف ورزی ہے:۔

سوال پیش ہوا کہ بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ جس کی عورت آگے موجود ہو۔ اس کو ہم ناطہ نہیں دیتے۔

حضرت نے فرمایا ''پھر وہ اس سے مثنیٰ وثلاث ورباع کو بند کرنا چاہتے ہیں''

(الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء)

۱۲۱۔ ہز ہائینس نواب بہاولپور مرحوم کا خاتمہ بالخیر:۔

''نواب صاحب نے جس راہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا وہ ان کی سعادت اور نیکی اور خاتمہ بالخیر کی دلیل ہے۔ اس جوانی کے عالم میں حج بیت اللہ کے لئے نکلنا ایک والیٔ ریاست کے لئے خدا تعالیٰ کے خاص فضل کا نشان ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ نواب صاحب مرحوم اپنی بعض کمزوریوں کے لئے بیت اللہ میں جا کر دعا مانگنے کا عزم کر چکے تھے۔ اور انہوں نے وہاں اور مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت اخلاص سے دعائیں کیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ان دعاؤں کو ایسا شرفِ قبولیت بخشا۔ کہ ہمیشہ کے لئے انہیں نجات دے دی۔ نواب صاحب کا یہ حسنِ خاتمہ والیانِ ریاست اور نوجوانوں کے لئے قابلِ غور ہے۔

حضور حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور آپ کی وفات کا ذکر ہوا۔ تو حضور نے مرحوم نواب خلد آشیاں کے متعلق بہت ہی اعلیٰ درجہ کی رائے ظاہر فرمائی۔ اور ان کے اس حسنِ خاتمہ اور اس عزم بیت اللہ پر اظہار مسرت فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ ''ان کے پیر صاحب جناب خواجہ غلام فرید صاحب قدس اللہ سرّہٗ ہمارے مصدق

تھے۔ اور بہت ہی نیک بزرگ تھے"

(الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۲۲۔ قرآن شریف کس طرح پڑھا جائے:۔

ایک صاحب نے سوال کیا۔ کہ قرآن شریف کس طرح پڑھا جائے۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔" قرآن شریف تدبر و تفکر اور غور سے پڑھنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ رُبَّ قَارِیٍ یَلْعَنُہُ الْقُرْآنُ یعنی بہت ایسے قرآن کریم کے قاری ہوتے ہیں۔ جن پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے۔ جو شخص قرآن پڑھتا اور اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس پر قرآن مجید لعنت بھیجتا ہے۔ تلاوت کرتے وقت جب قرآن کریم کی آیت رحمت پر گذر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جائے۔ اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو۔ تو وہاں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جائے۔ اور تدبر و غور سے پڑھنا چاہیئے۔ اور اس پر عمل کیا جاوے"

(الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۲۳۔ دنیا کے کام کرو مگر خدا کو نہ بھولو:۔

حبیب اللہ خان صاحب مجسٹریٹ الہ آباد جو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے امیر کابل کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ ہم تو چاہتے ہیں۔ کہ ہم دنیا سے کنارہ کش ہو جائیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا" دین اور دنیا جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر جب خدا چاہے تو جمع ہو سکتے ہیں۔ ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ اس نے کئی ہزار کا سودا خریدا۔ اور وہ خدا تعالیٰ سے ایک دم بھی غافل نہ ہوا۔ ہمارا دین اسلام ایسا نہیں ہے۔ کہ رہبانیت سکھاوے۔ اور بیوی بچوں سے کنارہ کش ہو جاویں۔ یہ رہبانیت ہے۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام آیا ہے۔ تجارت کرو۔ نوکری کرو۔ دنیا کے کام کرو۔ مگر خدا تعالیٰ کو نہ بھولو۔ جو لوگ بیوی بچوں اور روزگار دنیا کے تعلقات میں محو ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ وہ نامرد ہوتے ہیں"۔

(الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۲۴۔ دین کے ساتھ دنیا جمع نہیں ہو سکتی:۔

''میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ دین کے ساتھ دنیا جمع نہیں ہو سکتی۔ ہاں خدمت گار کے طور پر تو بے شک ہو سکتی ہے۔ لیکن بطور شریک کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ کبھی نہیں سنا گیا۔ کہ جس کا تعلق صافی اللہ تعالیٰ سے ہو وہ ٹکڑے مانگتا پھرے اللہ تعالیٰ تو اس کی اولاد پر بھی رحم کرتا ہے۔ جب یہ حالت ہے۔ تو پھر کیوں ایسی شرطیں لگا کر ضدین جمع کرتے ہیں۔ ہماری جماعت میں وہی شریک سمجھنے چاہئیں۔ جو بیعت کے موافق دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص اس عہد کی رعایت رکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف حرکت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو طاقت دیتا ہے۔ صحابہؓ کی حالت کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک صاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو دیکھو۔ کہ آخر وہ اسلام میں آ کر کیسے تبدیل ہوئے۔ اس طرح ہمیں کیا خبر ہے۔ کہ ہماری جماعت میں وہ کون سے لوگ ہیں۔ جن کے ایمانی قویٰ ویسے ہی نشو و نما پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے کہ اگر ایسے لوگ نہ ہوں جن کے قویٰ نشو و نما پا کر ایک جماعت قائم کرنے والی ہوں۔ تو پھر سلسلہ چل کیسے سکتا ہے۔ مگر خوب یاد رکھو۔ کہ جس جماعت کا قدم خدا تعالیٰ کے لئے نہیں۔ اس سے کیا فائدہ؟''

(الحکم ۱۰۔ اگست ۱۹۰۵ء)

۱۲۵۔ دنیا جس سے بچنا چاہیئے کیا ہے؟

''انسان کو خدا تعالیٰ نے دل تدبر و تفکر کرنے کے لئے دیا ہے۔ لوگ تدبر و تفکر سے کام نہیں لیتے۔ اس سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔ جن قویٰ کو استعمال نہ کیا جاوے وہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی جن قویٰ سے کام لیا جائے وہ قویٰ تیز ہو جاتے ہیں۔ دنیا کیا ہے۔ دنیا اس چیز کا نام ہے کہ دنیا کے کام کو دین پر مقدم رکھا جائے۔ جب دین کو دنیا پر مقدم نہ رکھا جائے تو پھر باقی دنیا ہی رہتی ہے۔ بہت سے نادان لوگ ایسے ہیں۔ جنہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ کہ بیوی بچوں وغیرہ تعلقات دنیا کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ غلطی ہے۔ بلکہ دنیا کو خادم دین سمجھنا چاہیئے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ فقیر بن کر ایک گوشہ میں بیٹھ رہنا کمزوری کی نشانی ہے''

(الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۲۶۔ وعظ اور اعمال صالحہ کا فائدہ کب ہوتا ہے؟

آج صبح حضرت مسیح موعودؑ سیر کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ تو پہلے ایک نو مسلم بھائی نے دعا کے لئے عرض کی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا۔ کہ حضور یہ شخص اپنی قوم میں واعظ بھی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ ''وعظ و اعمال کا فائدہ تب ہی ہوتا ہے۔ کہ محض خدا کے لئے ہو۔ اس میں کوئی غرض نہ ہو۔ ریائی عمل کو خدا تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ اگر عمل میں کسی اور کو شریک سمجھا جائے تو خدا کئے ہوئے عمل کو رد کر دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کہ جس کے لئے تم نے یہ عمل کیا ہے۔ اس کا اس سے ثواب بھی لو''۔

(الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۲۷۔ مشکلات و مصائب کا علاج:۔

مفتی محمد صادق صاحب نے ایک شخص کا خط پیش کیا۔ کہ وہ پوچھتا ہے کہ مشکلات اور مصائب کے وقت کیا کرنا چاہیئے۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ ''استغفار بہت پڑھے۔ اور اپنے قصوروں کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے''

(الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء)

۱۲۸۔ مشاعرہ:۔

ایک جگہ بعض شاعرانہ مذاق کے دوست ایک باقاعدہ انجمن مشاعرہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق حضرت سے دریافت کیا گیا۔

فرمایا۔ ''یہ تضیع اوقات ہے کہ ایسی انجمنیں قائم کی جائیں اور لوگ شعر بنانے میں مستغرق رہیں۔ ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شخص ذوق کے وقت کوئی نظم لکھے اور اتفاقی طور پر کسی مجلس میں سنائے۔ یا کسی اخبار میں چھپوائے۔ ہم نے اپنی کتابوں میں کئی نظمیں لکھی ہیں۔ مگر اتنی عمر ہوئی آج تک کبھی کسی مشاعرہ میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی شاعری میں اپنا نام پیدا کرنا چاہے۔ ہاں اگر حال کے طور پر نہ صرف قال کے طور پر اور جوش

روحانی سے نہ خواہش نفسانی سے کبھی کوئی نظم جو مخلوق کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ لکھی جائے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر یہی پیشہ کر لینا ایک منحوس کام ہے۔''

(بدر ۲۷ جون ۱۹۰۷ء)

۱۲۹۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہیں:۔

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس وقت خدا تعالیٰ کا پاک اور خوش نما چہرہ دنیا کو نظر نہیں آتا تھا۔ اور اب وہ مجھ میں ہو کر نظر آئے گا۔ اور آ رہا ہے۔ کیونکہ اس کی قدرتوں کے نمونے اور عجائبات قدرت میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ جن کی آنکھیں کھلی ہیں وہ دیکھتے ہیں۔ مگر جو اندھے ہیں وہ کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس امر کو محبوب رکھتا ہے کہ وہ شناخت کیا جائے۔ اور اس کو شناخت کی یہی راہ ہے کہ مجھے شناخت کرو۔ یہی وجہ ہے کہ میرا نام اس نے خلیفۃ اللہ رکھا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت آدم اس میں آدم میرا نام رکھا ہے۔ یہ حقیقت اس الہام کی ہے۔ اب اس پر بھی کوئی اعتراض کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خود دکھا دے گا کہ وہ کہاں تک حق پر ہے۔''

(الحکم ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۱۳۰۔ مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہنے کی ضرورت اور قیام جلسہ کی غرض:۔

''تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے۔ کہ دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آ جائے۔ اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے۔ جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ تا اگر خدا تعالیٰ چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے۔ سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے۔ اور دعا کرنا چاہیئے۔ کہ خدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے۔ اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے۔ کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہو گی۔ اور چونکہ ہر ایک کیلئے بباعثِ ضعفِ فطرت یا کمی مقدرت یا بعد مسافت یہ میسر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت

میں آ کر رہے۔ یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعالِ شوق نہیں کہ ملاقات کیلئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو روا رکھ سکیں۔ لہذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جن میں تمام مخلصین اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ بشرط صحت وفرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہوسکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے۔ یعنی آج کے دن کہ جو ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء ہے۔ آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آجاوے۔ تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للّٰلہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی۔ اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی۔ کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے''

(آسمانی فیصلہ صہ ا۔ ب تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

۱۳۱۔ مسیح موعود علیہ السلام پر انعامات الہیہ:۔

''میں ایک مرد ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ اور اپنے خاص خزانہ سے مجھے تعلیم دیتا ہے۔ اور اپنے ادب سے میری تادیب کرتا ہے۔ وہ اپنی مجھ پر وحی بھیجتا ہے۔ میں اس کی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ ایسی صورت میں مجھے ایسی کونسی ضرورت ہے۔ کہ میں اس کی راہ کو ترک کر کے دوسری متفرق راہیں اختیار کروں۔ جو کچھ آج تک میں نے کہا ہے۔ اس کے امر سے کہا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں ملایا۔ اور نہ اپنے خدا پر کوئی افترا باندھا ہے۔ مفتری کا انجام ہلاکت ہے۔ پس اس کاروبار پر تعجب کرنے کا کونسا مقام ہے۔ اس قادر مطلق خدا کے کاروبار پر تعجب نہ کرو۔ کیونکہ اس نے تو زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اس سے پوچھے کہ یہ کیا کیا؟ میرے پاس خدا تعالیٰ کی بہت سی شہادتیں ہیں۔ اس نے میرے لئے بڑے بڑے نشان دکھلائے ہیں۔ اور اس کی وحی کردہ غیبی خبروں میں جو اس نے مجھے دیں۔ ایسے ایسے راز ہیں کہ انسان کی عقل کو ان تک رسائی نہیں ہے''

(ڈائری حضرت امام الزماں الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء)

۱۳۲۔ اگر کے لفظ کے تعمیل بہت کم لوگ کرتے ہیں:۔

ایک دفعہ میں (یعنی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری (مرتب)) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ دوران گفتگو حضور نے فرمایا۔

''اگر کا لفظ دنیا میں کثرت سے بولا جاتا ہے۔ لیکن جب اس کے استعمال کا وقت آتا ہے۔ تو بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ مثلاً ایک طالب علم جب دیکھتا ہے۔ کہ استاد اس کی طرف پوری توجہ نہیں کرتا۔ تو وہ کہتا ہے۔ اگر میں استاد ہوا تو پوری توجہ اور تندہی سے طالب علموں کو پڑھاؤں گا۔ لیکن جب وہ استاد بنتا ہے۔ تو وہ اپنے شاگردوں کی طرف استاد جتنی بھی توجہ نہیں کرتا۔ ایسا ہی جب ایک شخص ڈاکٹر کو دیکھتا ہے کہ وہ مریضوں کے علاج میں ہمدردی نہیں کرتا۔ تو یہ کہتا ہے۔ کہ اگر میں ڈاکٹر ہوا تو نہایت ہمدردی سے علاج کرونگا۔ لیکن جب اسے اللہ تعالیٰ ڈاکٹر بناتا ہے۔ تو وہ بھی مریضوں کے علاج میں کوئی توجہ نہیں دیتا۔

اسی طرح انسان جب گذشتہ نبیوں کے حالات پڑھتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ ان کے ہم عصر اکثر مخالف رہ کر ایمان سے نہ صرف محروم رہے۔ بلکہ طرح طرح کی انہیں ایذائیں پہنچانے میں بھی کوئی کمی نہیں کی تو اس کے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں ان انبیاء کا زمانہ پاتا۔ تو ایمان لانے میں سبقت کرتا۔ اور ان کی اعانت ونصرت میں لگ کر ان کے کام میں ہاتھ بٹاتا۔ مگر آج جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ یہی مسلمان جو پہلے بڑی بے تابی سے امام مہدی اور مسیح کی آمد کے منتظر تھے۔ اور اس شوق میں تھے کہ اگر وہ ہماری زندگی میں آ گیا تو ہم ان کے انصار و مددگار بن کر اس کا جھنڈا اٹھائیں گے۔ بلکہ بعض تو مرتے وقت اپنی اولاد اور دوستوں کو وصیت بھی کر گئے کہ عنقریب وہ معبوث ہونے والا ہے۔ جب وہ آئیں تو ان کی بیعت ضرور کرنا۔ لیکن جب میں نے دعویٰ کیا۔ تو انہوں نے میرے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو ان سے پہلوں نے اپنے وقت کے رسولوں کے ساتھ کیا تھا۔ اور اس وقت انہوں نے اپنے اگر کا کوئی خیال نہ کیا۔''

۱۳۳۔ پاک اور بے طمع ہو کر خدا کی محبت میں ترقی کرو:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

''دیکھو! ایمان جیسی کوئی چیز نہیں۔ ایمان سے عرفان کا پھل پیدا ہوتا ہے۔ ایمان تو مجاہدہ اور کوشش کو چاہتا

ہے۔اور عرفان اللہ تعالیٰ کی موہبت اور انعام ہوتا ہے۔عرفان سے مراد کشوف اور الہامات جو ہر قسم کی شیطانی آمیز ش اور ظلمت سے مبرا ہوں۔اور نور اور خدا کی طرف سے ایک شوکت کے ساتھ ہوں۔وہ مراد ہیں۔

اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی طرف سے موہبت اور انعام ہوتا ہے۔یہ چیز کچھ کسبی چیز نہیں۔مگر ایمان کسبی چیز ہوتا ہے۔اسی واسطے اوامر ہیں کہ یہ کرو۔غرض ہزاروں احکام ہیں۔اور ہزاروں نواہی ہیں۔ان پر پوری طرح سے کار بند ہونا ایمان ہے۔غرض ایمان ایک خدمت ہے جو ہم بجالاتے ہیں۔اور عرفان اس پر ایک انعام اور موہبت ہے۔انسان کو چاہیے کہ خدمت کئے جاوے۔آگے انعام دینا خدا کا کام ہے۔یہ مومن کی شان سے بعید ہونا چاہیے کہ وہ انعام کے واسطے خدمت کرے۔مکاشفات اور الہامات کے ابواب کے کھلنے کے واسطے جلدی نہ کرنی چاہیے۔اگر تمام عمر بھی کشوف اور الہامات نہ ہوں۔تو گھبرانا نہ چاہیئے۔اگر یہ معلوم کرلو کہ تم میں ایک عاشق صادق کی سی محبت ہے۔جس طرح وہ اس کے ہجر میں اس کے فراق میں بھوکا مرتا ہے۔پیاس سہتا ہے۔نہ کھانے کا ہوش نہ پانی کی پرواہ۔نہ اپنے تن بدن کی کچھ خبر۔اسی طرح تم بھی خدا کی محبت میں ایسے محو ہو جاؤ کہ تمہارا وجود ہی درمیان سے گم ہو جاوے۔پھر اگر ایسے تعلق میں انسان مر بھی جاوے تو بڑا ہی خوش قسمت ہے۔ہمیں تو ذاتی محبت سے کام ہے۔نہ کشوف سے غرض نہ الہام کی پرواہ۔دیکھو جس طرح ایک شرابی جام کے جام پیتا ہے۔اور لذت اٹھاتا ہے۔اسی طرح تم اس کی ذاتی محبت کے جام بھر بھر پیو۔جس طرح وہ دریا نوش ہوتا ہے۔اسی طرح تم بھی کبھی سیر نہ ہونے والے بنو۔جب تک انسان اس امر کو محسوس نہ کرلے کہ میں محبت کے ایسے درجے کو پہنچ گیا ہوں کہ اب عاشق کہلا سکوں۔تب تک پیچھے ہرگز نہ ہٹے قدم آگے ہی آگے رکھتا جاوے۔اور اس جام کو منہ سے نہ ہٹائے۔اپنے آپ کو اس کے لئے بیقرار اور شیدا اور مضطرب بنالو۔اگر اس درجہ تک نہیں پہنچے۔تو کوڑی کے کام کے نہیں۔ایسی محبت ہو کہ خدا کی محبت کے مقابل پر کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔نہ کسی قسم کے طمع کے مطیع بنو۔اور نہ کسی قسم کے خوف کا تمہیں خوف ہو۔چنانچہ کسی کا شعر ہے کہ

آنکہ ترا شناخت جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ بر دو جہاں راچہ کند

میں تو اگر اپنے فرزندوں کا ذکر کرتا ہوں۔تو نہ اپنی طرف سے بلکہ مجھے تو مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔کیا کروں۔اگر اس

کے انعامات کا ذکر نہ کروں تو گنہگار ٹھیروں۔ چنانچہ ہر لڑکے کے پہلے اسی نے خود اپنی طرف سے بشارت دی۔ اب میں کیا کروں۔ غرض انسان کا اصل مدعا تو صرف یہی ہونا چاہیئے کہ کسی طرح خدا کی رضا مل جائے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

مدار نجات صرف یہی امر ہے کہ سچا تقویٰ اور خدا کی خوشنودی اور خالق کی عبادت کا حق ادا کیا جاوے۔ الہامات و مکاشفات کی خواہش کرنا کمزوری ہے۔ مرنے کے وقت جو چیز انسان کو لذت دہ ہوگی وہ صرف خدائے تعالیٰ کی محبت اور اس سے صفائی معاملہ اور آگے بھیجے ہوئے اعمال ہونگے۔ جو ایمانِ صادق اور ذاتی محبت سے صادر ہوئے ہوں گے۔ من کان للہ کان اللہ لہٗ۔ اصل میں جو عاشق ہوتا ہے، آخر کار ترقی کرتے کرتے وہ معشوق بن جاتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کی توجہ بھی اس کی طرف پھرتی ہے۔ اور آخر کار ہوتے ہوتے کشش سے وہ اُس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور عاشق معشوق کا معشوق بن جاتا ہے۔ جب جسمانی اور مجازی عشق و محبت کا یہ حال ہے کہ ایک معشوق اپنے عاشق کا عاشق بن جاتا ہے تو کیا روحانی رنگ میں جو اس سے زیادہ کامل ہے، ایسا ممکن نہیں کہ جو خدا سے محبت کرنے والا ہو، آخر کار خدا اس سے محبت کرنے لگے اور وہ خدا کا محبوب بن جاوے؟ مجازی معشوقوں میں تو ممکن ہے کہ معشوق کو اپنے عاشق کی محبت کا پتہ نہ لگے۔ مگر وہ خدا تعالیٰ تو علیم بذات الصدور ہے۔ اس سے انسان مظہرِ کراماتِ الٰہی اور موردِ عنایاتِ ایزدی ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی چادر میں مخفی ہو جاتا ہے۔ ان مکاشفات اور رؤیا اور الہامات کی طرف سے توجہ پھیر لو اور ان امور کی طرف تم خود بخود جرأت کر کے درخواست نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جلد بازی کرنے والے ٹھہرو۔

اکثر لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا ورد وظیفہ بتا دو کہ جس سے ہمیں الہامات اور مکاشفات آنے شروع ہو جائیں۔ مگر میں ان کو کہتا ہوں کہ ایسا کرنے سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔ شرک یہی نہیں کہ بتوں کی پوجا کی جائے۔ بلکہ سخت شرک اور بڑا مشکل مرحلہ تو نفس کے بُت کو توڑنا ہوتا ہے۔ تم ذاتی محبت خرید و اور اپنے اندر وہ قلق وہ سوزش وہ گداز وہ رقت پیدا کرو۔ جو ایک عاشق صادق کے اندر ہوتی ہے۔ دیکھو کمزور ایمان جو طمع یا خوف کے سہارے پر کھڑا ہو وہ کام نہیں آتا۔ بہشت کی طمع یا دوزخ کا خوف وغیرہ امور پر اپنے ایمان کا تکیہ نہ لگاؤ۔ بھلا کبھی کسی نے کوئی عاشق دیکھا ہے کہ وہ معشوق سے کہتا ہو۔ کہ میں تجھ پر اس واسطے عاشق ہوں کہ تو مجھے اتنا روپیہ یا فلاں شئی دے دے۔ ہرگز نہیں۔ دیکھو ایسی طبعی محبت پیدا کر لو جیسے ایک ماں کو اپنے بچے سے ہوتی ہے۔ ماں کو نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنے بچے سے کیوں محبت کرتی ہے۔ اس میں ایک طبعی کشش اور ذاتی محبت ہوتی ہے۔ دیکھو اگر کسی

ماں کا بچہ گم ہو جائے اور رات کا وقت ہو تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔ جوں جوں رات زیادہ ہوگی اور اندھیرا بڑھتا جائے گا اس کی حالت دگرگوں ہوتی جائے گی۔ گویا زندہ ہی مرگئی ہے۔ جب اچانک اسے اپنا فرزند مل جائے تو اس کی وہ حالت کیسی ہوتی ہے۔ ذرا مقابلہ کر کے دیکھو۔ پس صرف ایسی محبت ذاتی اور ایمان کامل سے ہی انسان دارالامان میں پہنچ سکتا ہے۔ سارے رسول اللہ تعالیٰ کو اس لئے پیارے نہ تھے کہ ان کو الہامات ہوتے ہیں۔ ان کے واسطے مکاشفات کے دروازے کھولے گئے ہیں یا نہیں۔ بلکہ ان کی ذاتی محبت کی وجہ سے وہ ترقی کرتے کرتے خدا کے معشوق اور محبوب بن گئے تھے۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ نبی کی نبوت سے اس کی ولایت افضل ہے"

(الحکم ۳۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۳۴۔ عالم آخرت کے اجسام کیسے ہوں گے؟

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ عالم آخرت میں کیا یہی اجسام و مکانات وغیرہ جو یہاں ہیں ہونگے یا اور؟

حضرت نے فرمایا کہ "خدا تعالیٰ نے جو کچھ مجھے قرآن شریف کا علم دیا ہے وہ یہی ہے کہ وہ عالم اس عالم سے بالکل علیحدہ ہے۔

ما رأت عین وما سمعت اذن وماشم ریحۂ قلب ۔ ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ وہ دوسرا عالم بالکل اسی عالم سے الگ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ بہشت کی تمام چیزیں ایسی ہوں گی۔ کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں۔ اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی دل میں گذریں۔ بلکہ حشر اجساد میں بھی ہمارا یہی مذہب ہے۔ کہ وہ عالم بھی ایک دوسرا عالم ہے۔ اجسام ہونگے مگر وہ نورانی اجسام ہوں گے۔ نہ یہ تاریک اور زوال پذیر اجسام۔ اس جگہ کی حویلیاں اور مکانات جو اینٹ پتھر کی ہیں بہشت میں نہیں جائیں گی۔ واللہ اعلم"۔

(بدر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء)

۱۳۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مستورات کو نصیحت:۔

"یہ مرض عورتوں میں بہت کثرت سے ہوا کرتا ہے کہ وہ ذرا سی بات سے بگڑ کر اپنے خاوند کو بہت کچھ بُرا

بھلا کہتی ہیں۔ بلکہ اپنی ساس اور سُسر کو بھی بہت سخت الفاظ سے یاد کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے خاوند کے بہت ہی قابل عزت بزرگ ہیں۔ وہ اس کو ایک معمولی سی بات سمجھ لیتی ہیں۔ اور اان سے لڑائی وہ ایسی ہی سمجھتی ہیں۔ جیسا کہ محلّہ کی اور عورتوں سے جھگڑا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی خدمت اور رضا جوئی ایک بہت بڑا فرض مقرر کیا ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ اگر والدین کسی لڑکے کو مجبور کریں تو وہ اپنی عورت کو طلاق دیدے۔ پس جب کہ ایک عورت کی ساس اور سُسر کے کہنے پر اس کو طلاق مل سکتی ہے تو اور کون سی بات رہ گئی ہے۔ اس لئے ہر عورت کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنے خاوند اور اس کے والدین کی خدمت میں لگی رہے۔ اور دیکھو عورت جو کہ اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے تو اس کا کچھ بدلہ بھی پاتی ہے۔ اگر وہ اس کی خدمت کرتی ہے۔ تو وہ اس کی پرورش کرتا ہے۔ مگر والدین تو اپنے بچہ سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ تو اس کے پیدا ہونے سے لے کر اس کی جوانی تک خبر گیری کرتے ہیں۔ اور بلا کسی اجر کے اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اور جب وہ جوان ہوتا ہے۔ تو اس کا بیاہ کرتے اور اس کی آئندہ بہبودی کے لئے تجاویز سوچتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور پھر جب وہ کسی کام پر لگتا ہے اور اپنا بوجھ آپ اُٹھانے اور آئندہ زمانہ کے لئے کسی کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو کس خیال سے اس کی بیوی اس کو اپنے ماں باپ سے جُدا کرنا چاہتی ہے۔ یا کسی ذراسی بات پر سب وشتم پر اُتر آتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا ناپسند فعل ہے۔ جس کو خدا اور مخلوق دونوں ناپسند کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ داریاں مقرر کی ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دوسری حقوق العباد۔ پھر اس کے دو حصے کئے ہیں۔ اول تو ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور پھر دوسری مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال۔ اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس سسر کی خدمت اور اطاعت۔ پس کیا بدقسمت ہے وہ جوان لوگوں کی خدمت نہ کر کے حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی بجا آوری سے منہ موڑتی ہے۔ حقوق اللہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ اس طرح خدا تعالیٰ کے حکم کو بھی ٹالتی ہے۔"

(الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء)

بابِ پنجم

خلافتِ احمدیہ کے اہم چشمدید واقعات پر مشتمل

صدر انجمن احمدیہ کی ابتدائی تاریخ

اور

اس کے بعض ممبران کا مسلکِ صحیح سے اِنحراف

ا۔ ۱۹۰۵ء کے آخری ایام میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات کے متعلق تواتر سے وحی ہوئی۔تو آپ نے ایک قبرستان کی بنیاد ڈالی جسے مقبرہ بہشتی کہتے ہیں۔اور اپنی طرف سے اپنی ملکیت کی زمین میں سے ایک قطعہ بطور چندہ دیا۔اس کے ابتدائی اخراجات کے لیے چندے کی تحریک کی اور فرمایا کہ بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہیے۔لیکن اگر خدا نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہیگا۔اس صورت میں ایک انجمن چاہیے۔کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا۔اعلائے کلمہ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کریں۔آگے چل کر حضور لکھتے ہیں۔''اور یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہے گی۔اور وہ باہمی مشورے سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لیے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کریں گے'' (رسالہ الوصیت صفحہ۱۹)۔اس انجمن کا نام حضور نے ''انجمن کارپرداز مصالح قبرستان'' رکھا (ضمیمہ رسالہ الوصیت صفحہ۲۳)۔انجمن کے فرائض میں سے یہ فرض بھی قرار دیا کہ قانونی اور شرعی طور پر ہر وصیت کردہ مضمون کی نسبت اپنی پوری تسلی دیکھ کر وصیت کنندہ کو ایک سٹوفکیٹ اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ دیدے اور جب قواعد مذکورہ بالا کی رو سے کوئی میّت اس قبرستان میں لائی جائے تو ضروری ہوگا۔کہ وہ سٹوفکیٹ انجمن کو دکھلایا جائے اور انجمن کی ہدایت اور موقع نمائی سے وہ میّت اس موقع میں دفن کی جائے جو انجمن نے اس کے لیے تجویز کیا ہے۔

انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہوگا۔اس کو اختیار نہیں ہوگا کہ بجز اغراض سلسلہ عالیہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے اور ان اغراض میں سے سب سے مقدم اشاعت اسلام ہوگی اور جائز ہوگا۔کہ انجمن باتفاق

رائے اس روپے کو تجارت کے ذریعے ترقی دے۔

چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لیے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلّی پاک رہنا ہوگا۔ اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔ جائز ہوگا کہ انجمن کی تائید اور نصرت کے لیے دور دراز ملکوں میں اور انجمنیں ہوں جو اس کی ہدایت کی تابع ہوں۔

یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے۔ (ضمیمہ الوصیت صفحہ ۲۴۔۲۵)۔

۳۱۔ جنوری ۱۹۰۶ء کو مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کے لیے بعض قواعد مرتب کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پیش کئے۔ حضور نے ان قواعد کی منظوری دی اور مندرجہ ذیل احباب کو مجلس معتمدین کے رکن اور عہدیدار مقرر فرمایا:۔

۱۔ حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب بھیروی پریذیڈنٹ
۲۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی سیکرٹری
۳۔ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیفکورٹ پنجاب قانونی مشیر
۴۔ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب
۵۔ مولوی سیّد محمد احسن صاحب امروہی
۶۔ خان صاحب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ
۷۔ سیٹھ عبدالرحمن صاحب مدراس
۸۔ مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور
۹۔ میر حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ عدالت ضلع سیالکوٹ
۱۰۔ شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر مالک انگلش ویئر ہاؤس لاہور
۱۱۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن
۱۲۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن
۱۳۔ ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن

۱۴۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن

نئے قواعد کی رو سے جو مولوی محمد علی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور پیش فرمائے صدر انجمن احمدیہ قادیان کے کام کی نوعیت، وسعت اور اختیارات میں توسیع کی گئی۔ اور مجلس کارپرداز مصالح قبرستان صدر انجمن احمدیہ قادیان کی منجملہ دیگر شاخوں کے ایک شاخ قرار دی گئی۔ جس کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کے ماتحت قرار پایا۔ ان قواعد میں ایک خاص بات جو قابل نوٹ نظر آتی ہے یہ ہے کہ قاعدہ نمبر ۳۰ کی رو سے ہر ایک معاملہ میں صدر انجمن احمدیہ اور اس کے ماتحت مجالس اور اس کی کل شاخہائے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حکم قطعی اور ناطق قرار دیا گیا۔ دوسری بات جو نوٹ کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ مجلس معتمدین کے ممبروں میں سب سے چھوٹی عمر کے ممبر صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ہی تھے جن کی عمر اس وقت ۱۷ سال کی تھی۔ لیکن چونکہ اُن کی نامزدگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک سے ہوئی تھی اس لیے کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش بھی نہ تھی۔ گو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ممبران مجلس معتمدین کو یہ بات ناگوار گذری لیکن وہ اس کا اظہار نہ کر سکے۔ مگر جلد ہی ایسے واقعات ظہور میں آئے جن کی رو سے اس ناپسندیدگی کا اظہار نمایاں ہوتا گیا۔

۲۔ اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کا اختلاف صاحبزادہ صاحب سے بڑھتا ہی گیا۔ مجھے یاد ہے ایک موقعہ پر خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت خلیفہ اوّلؓ سے کہا تھا کہ صاحبزادہ صاحب کو احمدی جماعتوں میں نہ بھجوایا جائے کیونکہ لوگ صاحبزادہ صاحب کے ساتھ پیروں والا سلوک کرتے ہیں۔

۳۔ جب مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اس وقت انجمن نے باہر جماعتوں کو جو خطوط لکھے اُن کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

"اطلاع از جانب صدر انجمن احمدیہ:

یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم

الامتہ خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بذاتِ خود یا بذریعہ تحریر حاضر ہو کر بیعت کریں۔

(خواجہ کمال الدین پلیڈر سیکرٹری انجمن احمدیہ)‘‘

۲۔ جون ۱۹۰۸ء کے بدر میں صفحہ ۶ پر جو خط درج ہے اس کے فقرے بھی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

’’الحمد للہ رب العلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خاتم النبیّن محمد المصطفیٰ

وَعلیٰ عبدہ المسیح الموعود خاتم الاولیاء. امّابعد.

مطابق فرمان حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اول المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں اعلم واتقی ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اسوہ حسنہ قرار فرما چکے ہیں جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک زِ اُمت نوردیں بودے

ہمیں بودے اگر ہر یک پُر از نورِ یقین بودے

سے ظاہر ہے کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کا تھا‘‘۔

(اس کے نیچے معتمدین صدر انجمن وغیرہم کے دستخط ہیں)

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر لینے کے بعد میں اکثر قادیان میں رہا کرتا تھا۔ اپنے آبائی گاؤں بقاپور کبھی کبھی جایا کرتا تھا۔ مئی ۱۹۰۸ء جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آخری ایام میں لاہور تشریف لے گئے اتفاق ایسا ہوا کہ میں بقاپور گیا ہوا تھا۔ یہ سُن کر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک لیکچر لاہور میں ہونے والا ہے میں بقاپور سے روانہ ہو کر ۲۲۔ مئی ۱۹۰۸ء کو بروز جمعہ لاہور پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ لیکچر ۳۱۔ مئی بروز

اتوار ہوگا۔ اس لیے خاکسار نے ۲۴۔ مئی اتوار کے دن حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تقریر کے لیے پھر حاضر ہو جاؤں گا مجھے اجازت دیجئے۔ حضور نے فرمایا کیا بقاپور یہاں سے نزدیک ہی ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ حضور نے مجھے اجازت دی۔ لیکن منگل کے دن ۲۶ مئی کو حضور کا انتقال ہوگیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ مجھے اپنے گاؤں بقاپور میں اس وقت پتہ چلا جب حضور کو قادیان میں سپرد خاک کر دیا گیا تھا اور حضرت مولوی نورالدین خلیفہ منتخب ہو چکے تھے۔

۵۔ گو خلافت اولیٰ کے زمانے میں مَیں مہینہ میں ایک دو دفعہ قادیان ہو آیا کرتا تھا مگر اتنی کثرت سے نہیں جتنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں۔ جب قادیان میں آتا تو خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی کی باتیں اکثر صاحبزادہ صاحب کے خلاف ہی ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ انجمن نے جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء کا پروگرام طبع کرایا جس میں سب مقررین کے لیے ایک ایک گھنٹہ تقریر کے لیے مقرر کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ؓ کے لیے دو گھنٹے مقرر کئے۔

لیکن ظہر وعصر کے بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے تقریر شروع کی تو بجائے دو گھنٹے کے شام تک تقریر کرتے رہے اور وقت مقررہ سے تجاوز فرما کر سورج غروب ہونے سے دس پندرہ منٹ پہلے ختم کی اور فرمایا چونکہ فلاں شخص نے مجھے کہا ہے کہ میں نے بھی چند منٹ کے لیے کچھ عرض کرنا ہے اس لیے یہ دس پندرہ منٹ میں ان کے لیے چھوڑتا ہوں۔ اس پر مولوی سیّد محمد احسن صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ خلیفہ کی ہتک ہے کہ ان کا وقت مقرر کیا گیا اور عام لوگوں کی طرح ان کے لیے وقت کی تعیین کی گئی ہے۔ اس پر خواجہ صاحب نے ذرا کھسیانے ہو کر کہا کہ حکیم الامتہ صاحب کے مشورہ سے پروگرام بنایا گیا تھا مگر بات ظاہر ہوگئی اور لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ یہ لوگ خلیفہ کی اس طرح اطاعت نہیں کرتے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کرتے تھے۔

جلسہ خیر وخوبی سے ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ مگر یہاں قادیان میں یہ چرچا ہونے لگا کہ انجمن خلیفہ کی مطاع ہے یا خلیفہ انجمن کا مطاع ہے۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے اس طرح کے تین سوال لکھے کہ انجمن اور خلیفہ دونوں میں کون مطیع ہے اور کون مطاع؟ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ؓ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ علماء سلسلہ سے اس کے متعلق فتویٰ لیا جائے۔

جب ہفتہ عشرہ تک فتویٰ آ گیا تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے ۳۱۔جنوری ۱۹۰۹ء کا دن مقرر فرما کر مختلف جماعتوں سے نمائندگان بلائے۔فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے سورۂ بروج تلاوت فرمائی اور جب آیت اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ ۔پڑھی تو سب پر رقت طاری ہو گئی۔نماز کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ تو گھر چلے گئے اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ آپ کے صاحبزادہ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کو لکھا تب یہ بات پیدا ہوئی۔لیکن حضرت نانا جان یہی کہتے تھے کہ اچھا ہوا اس طرح بات صاف ہو جاوے گی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کس قسم کی ہے۔صبح کے وقت مسجد مبارک کی چھت پر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے تقریر فرمائی اور اس بات پر روشنی ڈالی کہ انجمن میری تابع ہے اور جو خلافت انجمن کے تابع ہو میں اُس پر تھوکتا بھی نہیں اور جو سمجھتا ہے کہ خلیفہ انجمن کے تابع ہے یا ہونا چاہیے اس کی بیعت ٹوٹ گئی۔

حضور نے اِسی تسلسل میں بعض اشخاص کے نام لے کر فرمایا کہ اُن کی بیعت ٹوٹ گئی ہے وہ دوبارہ بیعت کریں مجھے یاد ہے مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ کا نام حضور نے لیا تھا۔چنانچہ انہوں نے دوبارہ بیعت کی تھی۔اس کے بعد لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی کہ خلیفہ کے مقابلے میں انجمن کی پوزیشن کیا ہے۔لیکن تعجب کہ حضرت مولوی سرور شاہ صاحب مرحوم نے مجھے بتلایا کہ جب یہ لوگ دوبارہ بیعت کرنے کے بعد روتے ہوئے مسجد مبارک کی چھت سے نیچے مولوی محمد علی صاحب کی کوٹھڑی میں آئے اور میں اُن کو عربی پڑھانے کے لیے آیا تو خواجہ صاحب بھی نیچے اُترے کہنے لگے کہ آج تو اس بڈھے نے ہمیں بڑا بے عزت کیا ہے۔مولوی محمد علی صاحب کہنے لگے میں تو یہاں نہیں رہوں گا لاہور چلا جاؤں گا۔خواجہ صاحب نے کہا چپ رہو کام تو ہم نے ہی کرنا ہے وغیرہ۔

۶۔ لیکن خلافت اور انجمن کا یہ اختلاف بجائے گھٹنے کے بڑھتا ہی گیا جیسا کہ سلسلہ کے اخبارات سے واضح ہے۔ایک دفعہ میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی خدمت میں چند لوگوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ حضور نے اِن بعض افراد کی کمزوریاں جو خلافِ حق تھیں اور فتنہ پیدا کرنے کا موجب تھیں ذکر کیا اور اس پر اظہار افسوس کیا تو میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ حضور ایسے لوگوں کو جماعت سے نکال کیوں نہیں دیتے تا کہ فتنہ دور ہو جائے۔اس پر حضور

خفا ہوئے اور فرمایا کہ تم ملّاں لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہو۔ میں خاموش ہو رہا اور حضور کے چہرہ پر ایک دو دن اس کا اثر بھی رہا۔

حُسنِ اتفاق سے ہفتہ عشرہ ہی گزرا ہوگا کہ حضرت قاضی امیر حسین صاحب مرحوم و مغفور کے سامنے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے انہیں لاہوری حضرات کا ایک نیا شگوفہ سُنا کر اظہار افسوس کیا اور فرمایا یہ منافقوں کا فتنہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب ایک تو بھیرہ کے رہنے والے حضور کے ہم وطن تھے۔ ہم عمر تھے۔ اور میری نسبت اُن سے زیادہ بے تکلّف تھے اور جرأت بھی مجھ سے زیادہ رکھتے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ سے کہنے لگے۔ ''اوئے نیک بختا خدا نے جیہڑا تینوں خاص اختیار دِتّا اے اوہنوں کیوں نہیں ورتدا''۔ یعنی جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص اختیار دیا ہے اُسے استعمال میں کیوں نہیں لاتے۔

غرض اس طرح کی باتیں ہوتی رہتی تھیں اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کو اس بات کا بڑا غم تھا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایک دن حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خواجہ صاحب کو فرمایا کہ خواجہ صاحب میاں محمود سے تم دشمنی چھوڑ دو۔ اگر تم جیت بھی گئے تب بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یزید نے امام حسینؓ کو شہید کر کے بھی کچھ نہ پایا۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ نے جولائی ۱۹۱۲ء میں احمدیہ بلڈنگس لاہور کی مسجد میں جو تقریر فرمائی اس میں مَیں بھی موجود تھا اور مجھے آج تک وہ الفاظ یاد ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

''میں اس مسجد میں قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اور خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے پیر بننے کی ہرگز خواہش نہیں اور نہ تھی خدا تعالےٰ کے منشاء کو کون جان سکتا ہے۔ اس نے جو چاہا کیا تم سب کو پکڑ کر میرے ہاتھ پر جمع کر دیا۔ اور اس نے آپ، نہ تم میں سے کسی نے، مجھ کو خلافت کا کرتہ پہنا دیا۔ میں اس کی عزت اور ادب کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ باوجود اس کے میں تمہارے مال اور تمہاری کسی بات کا بھی روادار نہیں۔ اور میرے دل میں اتنی بھی خواہش نہیں کہ کوئی مجھے سلام کرتا ہے یا نہیں۔ تمہارا مال جو میرے پاس نذر کے رنگ میں آتا تھا۔ اس سے پہلے اپریل تک میں اسے مولوی محمد علی صاحب کو دے دیا کرتا تھا۔ مگر کسی نے اس کو غلطی میں ڈالا اور اس نے کہا کہ یہ ہمارا روپیہ ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔ تب میں نے خدا کی رضا کے لئے اس روپیہ کو دینا بند کر دیا کہ میں دیکھوں یہ کیا کر سکتے ہیں۔ ایسا کہنے والے نے غلطی کی۔ نہیں بے ادبی کی۔ اُسے چاہیے کہ وہ توبہ کر لے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ وہ

توبہ کرلے۔اب بھی توبہ کرلیں۔ایسے لوگ اگر توبہ نہ کریں گے تو اُن کے لیے اچھا نہ ہوگا۔"

(بدر یکم فروری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

یہ تقریر سُن کر میں واپس بقاپور چلا گیا۔لیکن مجھے بڑا ہی افسوس ہوا کہ انجمن جس کی حضور اقدس علیہ السلام نے یہ حیثیت رکھی تھی کہ مال کی حفاظت کرے اور صحیح طریقے پر خرچ کرے وہ خلیفہ کا مقابلہ کرتی ہے۔حالانکہ غلطی اس وجہ سے لگی ہے۔کہ ان کو شریعت کا علم نہیں۔اُن کے سامنے لادینی انجمنیں ہیں۔اس لیے یہ اپنا نمونہ اُن جیسا بنانا چاہتے ہیں۔

اس پر بھی تعجب آیا کہ یہ لوگ میاں محمود ایدہ اللہ الودود سے خواہ مخواہ حسد کر رہے ہیں۔اور اس کا مجھے اس طرح علم ہوا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی بات ہے کہ صاحبزادہ صاحب نے ایام جلسہ میں سورۃ لقمان رکوع ۲ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ پر وعظ فرمایا اور وہ اس قدر حقائق اور معارف سے بھرا ہوا تھا کہ میں نے کبھی ایسے معارف نہیں سُنے تھے۔ہم چند دوست جوں جوں سُنتے تھے خوشی سے سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے جاتے تھے۔ہمارے پاس خواجہ صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔کہنے لگے کیوں نہ ایسے معارف ہوں حضرت حکیم الامۃ کے شاگرد جو ہوئے۔مجھے غصہ آیا کہ ہم تو ہمیشہ حکیم الامۃ کے درس سنتے ہیں مگر ایسے حقائق ہم نے کبھی نہیں سُنے۔

خدا تعالیٰ کی قدرت جب یہ تقریر ختم ہوئی تو جھٹ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ بھی صاحبزادہ صاحب کے پاس آگئے اور آپ کے کان پر اُنگلی رکھ کر فرمانے لگے۔میاں ہمارے ملک میں ایک کہاوت ہے "اُٹھ چالی بوتہ بیتالی"۔یعنی اونٹ کی قیمت اگر چالیس روپیہ ہو تو اُس کے بچہ کی قیمت بیالیس روپیہ ہوتی ہے۔یعنی آپ کے حقائق و معارف حضرت مسیح موعود علیہ السلام جیسی شان رکھتے ہیں۔پھر مجھے مولوی صاحب فرمانے لگے کیوں مولوی صاحب میرا بھی آپ درس سُنتے ہیں۔مگر اس طرح کے حقائق و معارف تو انہی کا حق ہے میں نے خواجہ صاحب کی طرف نظر کی تو انہوں نے نظر نیچی کر لی۔

انجمن انصار اللہ کی ابتداء

ے۔ ۱۹۱۱ء کے اوائل میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی اجازت سے

ایک ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی جس کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ اس کے ممبر وہ لوگ ہو سکتے تھے جو استخارہ کر کے اس میں شامل ہوں۔ چنانچہ حضرت مولوی سیّد سرور شاہ صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل اور دیگر لوگ اس کے ابتدائی ممبر تھے۔ اس انجمن نے ایام خلافت اولیٰ اور خلافت ثانیہ کے شروع میں قابل قدر خدمات انجام دیں مثلاً جب انجمن انصار اللہ نے دیکھا کہ خواجہ صاحب ولایت میں سلسلہ کی تبلیغ نہیں کر رہے۔ کیونکہ وہ لکھتے تھے کہ یہاں یورپ میں اسلام کی فرقہ بندی کا ذکر کرنا سم قاتل ہے تو اس انجمن نے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو اپنے انتظام کے تحت ولایت میں سلسلہ حقّہ کی تبلیغ کے لیے بھیجا وغیرہ۔

میں قادیان میں آکر ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء میں بعد استخارہ مجلس انصار اللہ میں داخل ہوا اور کام کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب لاہور سے ایک ٹریکٹ ''اظہارِ حق'' کے دو نمبر شائع ہوئے جس میں خلافت احمدیہ کا انکار کیا گیا تھا اور ٹریکٹ اخبار پیغام صلح کے ذریعے شائع ہوا۔ تو اس کے جواب میں جماعت انصار اللہ میں سے چالیس آدمیوں نے ہر دو نمبر اظہار حق کا جواب بنام ''خلافتِ احمدیہ'' و ''اظہارِ حقیقت'' دو نمبروں میں دیا۔ جس میں بفضلہٖ تعالیٰ خلافتِ احمدیہ کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے دیا گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارا پورا پورا پروپیگنڈا بذریعہ اخبار الحکم اور بدر میں شائع نہیں ہو سکتا۔ تو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ سے ایک اخبار بنام پیغام صلح لاہور سے شائع کرنے کی اجازت لے لی۔ جب اس کے دو چار نمبر شائع ہوئے تو صاحبزادہ صاحب نے اس کے جواب میں اخبار الفضل کی منظوری لے لی۔ غرض اس کے بعد وہ تیسرا نمبر نہ نکال سکے۔

مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب پیغام صلح کو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے دیکھ کر فرمایا کہ لوگوں کے لیے تو پیغامِ صلح ہوگا لیکن ہمارے لیے تو پیغام جنگ ہے۔

جوں جوں ہم حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب مدظلہ العالی کا نمونہ اخلاقی اور روحانی دیکھتے تھے۔ بلکہ آپ کی اخلاقی اور روحانی باتوں سے ہم سمجھتے تھے۔ کہ یہ کوئی عظیم الشان انسان ہے۔ اور اس کے مقابل پر ان منکرانِ خلافت کا حاسدانہ روّیہ دیکھتے تو افسوس ہوتا کہ یہ کیا وجہ ہے۔ لیکن حضرت صاحب کی حیثیت اور ان کی قدر و منزلت صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِن الہامات سے ہی نہیں ہوتی تھی۔ جو حضرت صاحبزادہ صاحب کے متعلق پائے جاتے تھے۔ بلکہ ایک دن حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے فرمایا

کہ فلاں لڑکے کے رشتے کے متعلق لڑکی کے باپ سے میری طرف سے سفارش کرو۔ میں اور بعض اور آدمی لڑکی کے باپ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت میاں صاحب نے لڑکی کے باپ سے اس لڑکے کی سفارش کی اور اس نے رشتہ دینا منظور کر لیا۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ کرو کہ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی جماعت میں کیا شان تھی۔

خلافت احمدیہ ہر دو نمبروں کے اشتہار جو الفضل جلد اول ۱۰۔ دسمبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

خلافتِ احمدیہ:۔ بجواب اظہارِ حق نمبر اول انجمن انصار اللہ نے شائع کیا ہے۔ جس میں یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ خلیفۃ اللہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ انسان کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ جو لوگ اس سے یا خلافتِ مسیحؑ سے انکاری ہیں اُن کے واسطے یہ مسئلہ بہت اچھی طرح سے بلکہ واضح طور سے حل ہو گیا ہے۔ قرآن کریم واحادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب سے حوالجات درج کر کے دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ہر ایک کے پاس ہونا نہایت ضروری ہے۔ رفاہِ عام کے واسطے اس کی قیمت بہت کم رکھی گئی ہے۔ صرف ۱/ آنہ کے ٹکٹ آنے پر رسالہ مذکور مل سکتا ہے۔

(مینجر الفضل)

اظہار حقیقت:۔ بجواب اظہار حق نمبر ۲ انجمن انصار اللہ نے شائع کیا ہے۔ جن احباب نے اظہار حق نمبر ۲ پڑھا ہے اُن کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ وہ اظہار حقیقت کا مطالعہ فرماویں۔ اس کی خوبیاں پڑھنے پر معلوم ہوں گی۔ قیمت ۱/ آنہ۔ یعنی دونوں ٹریکٹ ۳/ کے ٹکٹ پر مل سکتے ہیں۔ خلافت احمدیہ اور اظہار حقیقت ہر دو ٹریکٹ جن چالیس ممبران انجمن انصار اللہ کی طرف سے شائع ہوئے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) حافظ روشن علی صاحب سیکرٹری انجمن انصار اللہ

(۲) وزیر محمد صاحب جائنٹ سیکرٹری انجمن انصار اللہ

(۳) سید سرور شاہ صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ احمدیہ

(۴) محمد اسمٰعیل صاحب منشی فاضل ومولوی فاضل

(۵) غلام محمد صاحب بی۔اے (۶) غلام رسول صاحب راجیکی

(۷) غلام نبی صاحب مولوی عالم (۸) چراغ الدین صاحب پنشنر لاہور

(۹) حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ لاہور (۱۰) شیخ عبدالرحیم تاجر چرم لاہور

(۱۱) نظام الدین صاحب کلرک دفتر ریلوے لاہور

(۱۲) مرزا برکت علی صاحب کلرک ٹریفک مینجر لاہور آئی ایچ سیکشن

(۱۳) مستری محمد موسیٰ صاحب تاجر بائیسکل لاہور (۱۴) محبوب عالم صاحب لاہور

(۱۵) عبدالعزیز صاحب تاجر عزیز ہاؤس انارکلی لاہور (۱۶) محمد سعید صاحب تاجر عزیز ہاؤس انارکلی لاہور

(۱۷) خدا بخش صاحب کلرک سول اینڈ ملٹری گزٹ۔لاہور۔

(۱۸) سید عبدالستار صاحب افغان مہاجر (۱۹) امام الدین صاحب گولیکی

(۲۰) محمد ابراہیم صاحب بقاپوری (چک ۹۹) شمالی سرگودھا۔

(۲۱) قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔اے (۲۲) محمد مبارک اسمٰعیل صاحب بی۔اے

(۲۳) شیخ محمد حسین صاحب بی۔اے انسپکٹر ڈاکخانہ جات

(۲۴) جلال الدین صاحب کھریپڑ (۲۵) برکت علی صاحب رُمل

(۲۶) سید احمد نور صاحب تاجر کابلی مہاجر (۲۷) فقیر اللہ صاحب قادیان

(۲۸) سید محمد رشید صاحب گوجرانوالہ (۲۹) عبدالرحمٰن صاحب قادیانی قادیان

(۳۰) صادق حسین صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ اٹاوہ مختار عدالت

(۳۱) حاکم علی صاحب نمبردار سفید پوش چک پنیار (۳۲) عبداللہ داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ

(۳۳) سید نذیر حسین صاحب گھٹالیاں (۳۴) حکیم محمد دین صاحب گوجرانوالہ

(۳۵) عبدالخالق صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ مظفرنگر (۳۶) عبدالعزیز صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ سہارنپور

(۳۷) عبداللہ خاں صاحب بہلوں پور ۱۲۷ رکھ برانچ لائل پور
(۳۸) فضل احمد صاحب راولپنڈی (۳۹) مولا بخش صاحب ریڈر عدالت سیالکوٹ
(۴۰) برکت علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ شملہ

ان ممبران نے رسالہ خلافت احمدیہ کے آخر پر چند سوالات بھی صدر انجمن کی خدمت میں کیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ آپ صاحبان نے خلافت کے متعلق جو اعلان کیا تھا۔ اُسی اعلان کے ساتھ اب تک متفق ہیں یا نہیں ؟

۲۔ حضرت اقدس کی تحریر جو انجمن کے اجتہاد کو کافی قرار دیتی ہے۔ کیا آپ صاحبان اس کے یہی معنے سمجھتے ہیں کہ بجائے ایک خلیفہ کے انجمن جماعت کی حاکم اعلیٰ ہے؟

۳۔ کیا آپ صاحبان الوصیت میں جو بیعت لینے والوں کا ذکر ہے۔ اُن کی نسبت خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں بہت ہونے بھی جائز ہیں۔ اور جہاں جس پر چالیس آدمی متفق ہو جاویں وہ خلیفہ ہوگا یا قوم میں ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ ہونا ضروری ہے؟

۴۔ آپ کے نزدیک حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خلافت الوصیت کے مطابق ہے یا مخالف؟ اور اس تحریر کے بھی مطابق ہے یا مخالف جس میں حضرت صاحبؑ نے لکھا ہے کہ میرے بعد انجمن کا اجتہاد ہر امر میں قطعی ہوگا؟

۵۔ انجمن پر کسی ایسے خلیفہ کی جو جماعت کا امام قرار پائے اطاعت لازم ہے یا نہیں؟

۶۔ اس وقت جو انجمن حضرت جناب مولوی نورالدین صاحب کی اطاعت کرتی ہے تو بحیثیت ایک بزرگ اور پاک انسان ہونے کے کرتی ہے یا بحیثیت خلیفہ ہونے کے؟

۷۔ جس طرح یہ منافق انسان لکھتا ہے۔ انجمن حضرت خلیفۃ المسیح کی جو اتباع کرتی ہے۔ وہ آپ سے یا جماعت سے دب کر کرتی ہے یا آپ لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خلیفہ مطاع ہے اور انجمن مطیع ہے؟

۸۔ جو آپ نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کی تھی تو اس خیال سے کہ جماعت بغیر خلیفہ کے قائم نہیں رہ سکتی علیٰ وجہ البصیرۃ کی تھی یا حضرت صاحب کی وفات سے گھبرا کر یا مجبوراً کی تھی؟

۹۔ کیا حضرت مولوی نورالدین صاحب نے آپ لوگوں کے سامنے یا کسی اور شخص کے سامنے خلیفہ بنایا جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یا درخواست کی تھی یا اشارۃً کنایۃً ذکر کیا تھا۔ یا جماعت کے سربرآوردگان نے خود بالحاح بار بار آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ منصب خلافت کے سنبھالنے کے قابل اس جماعت میں آپ کے سوا کوئی نہیں ۔اسلئے آپ شیرازۂ قومی کو محفوظ رکھنے کے لئے اِس عہدہ کو قبول فرمائیں؟

۱۰۔ کیا بوقت بیعت حضرت خلیفۃ المسیح نے خوب کھول کھول کر واضح طور پر اپنی پہلی تقریر میں بیعت سے پہلے سینکڑوں آدمیوں کے سامنے جو مختلف جماعتوں کی طرف سے حضرت اقدسؑ کے جنازہ میں شامل ہونے کے لئے آئے تھے یہ نہیں کہہ دیا تھا۔ کہ اگر میری بیعت کرنا چاہتے ہو تو بیعت کے بعد کامل طور سے بلا چون و چرا میرے ہر ایک حکم کی فرمانبرداری کرنی تم پر لازم ہوگی۔ کیا اِس تقریر کے بعد آپ لوگوں نے بطیّب خاطر بیعت نہیں کی تھی؟

۱۱۔ کیا آپ لوگ اپنے علم اور واقفیت کی بناء پر شہادت دے سکتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنے ایامِ خلافت میں کسی رنگ یا کسی طریق سے جماعت میں پیر پرستی کے رواج دینے یا پھیلانے کی کوشش کی ہے یا جماعت میں پیر پرستی کے بیج بوئے جاتے دیکھ کر اس پر چشم پوشی سے کام لیا ہے؟

۱۲۔ یا جماعت احمدیہ کے کسی ممبر پر بلاوجہ اور ناحق ناراض ہو کر اس کے اخراج کا فتویٰ دیا ہے۔ یا کسی ممبر جماعت احمدیہ کے خلاف کوئی ایسا فتویٰ جس سے ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کے حقوق کا اتلاف ہو یا جو فتویٰ شرع کے خلاف ہو یا کسی کی ایذادہی متصور ہو یا کسی کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہو یا بلاوجہ کسی کو ذلیل وخوار کرنے کا ارادہ کیا گیا ہو یا جس فیصلہ پر سکھا شاہی کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ دیا ہے؟

اِن سوالات کے جوابات شائع ہو جانے پر قوم کو ان فتنہ پردازیوں کی اطلاع ہو جاوے گی اور پھر کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ آپ لوگوں نے دوٹوک فیصلہ کرنے میں کوئی کمی باقی رکھی ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ لوگ مندرجہ بالا سوالات کا جواب فرداً فرداً ہر ایک سوال درج کر کے اس کے مقابل پر تحریر فرما کر ہم مشتہران کو ارسال فرمائیں گے۔ تاکہ قوم کو فتنہ سے بچانے کے لئے عام طور سے شائع کر دئے جائیں۔ چونکہ کل سوالات کا اکٹھا جواب دینے سے شریروں کو مختلف معانی نکالنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اس لئے براہ مہربانی ہر ایک سوال کا جواب الگ الگ اور صاف اور مفصل ہو۔ تا یہ معاملہ ہمیشہ کیلئے طے پا جائے۔ ان سوالات کے جواب میں سکوت کو قوم اس بات پر محمول کریگی کہ جواب نہ دینے والے بزرگان بھی اس ٹریکٹ کے ساتھ متفق ہیں ۔اور الوصیت کے وہی معنے کرتے ہیں جو صاحب ٹریکٹ نے کئے ہیں ۔اور مسئلہ خلافت سے اختلاف رکھتے ہیں۔

۲۳۔ نومبر ۱۹۱۳ء

(خلافت احمدیہ صفحہ ۳۲۔۳۳)

اس کا جواب صدر انجمن نے کچھ نہ دیا سوائے اس کے کہ مولوی محمد علی صاحب نے ایک ''نہایت ضروری اعلان'' کے نام سے ایک ٹریکٹ پوشیدہ چھپوا کر اس دن شائع کیا۔ جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے وفات پائی۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۸۔ اس کے بعد صدر انجمن احمدیہ کے بعض ممبر جو خفیہ طور پر خلافت کے خلاف تھے ظاہراً بھی اس کے متعلق مجلس میں گفتگو کرنے لگے۔ اُن کی تحریریں ''پیغام صلح'' میں شائع ہوتی تھیں اور انجمن انصار اللہ کی ''الفضل'' میں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب انجمن انصار اللہ کی تائید میں تھے اور کھُلا کھُلا ان کو خلافت کا مقام سمجھاتے تھے۔ کچھ ایک دو مہینہ کے لئے بظاہر یہ فتنہ مدہم پڑ گیا۔ آخر ۱۹۱۳ء میں حضرت خلیفہ اوّل گھوڑے سے گر کر بیمار ہو گئے ۔(بظاہر مولوی صاحب کو غلطی لگی ہے کیوں کہ گھوڑے سے گرنے کا واقعہ ۱۹۱۰ء کا ہے۔ مرتب ثانی) اور مرکزی انجمن انصار اللہ نے اپنے ذمہ یہ ڈیوٹی لے لی کہ جہاں جہاں ممبران انصار اللہ ہیں۔ اُن کو ہر روز آپ کی طبیعت سے مطلع کیا جائے۔ چنانچہ ۲۷۔ اگست ۱۹۱۳ء کو الفضل میں مندرجہ ذیل رپورٹ شائع ہوئی:

''حضرت خلیفۃ المسیح اول کی طبیعت اس ہفتہ علی العموم اچھی رہی۔ ۲۳ راگست کو عشاء کے بعد پسلی میں درد رہا۔ صبح سے آرام ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی فیوضات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق بخشے۔''

الفضل ۱۰۔ دسمبر ۱۹۱۳ء میں یوں ہے: ''حضرت خلیفۃ المسیح اول خیر و عافیت سے ہیں۔''

۱۴۔جنوری ۱۹۱۴ء میں یوں ہے: ''ایوان خلافت ۔حضرت خلیفۃ المسیح اول نے درس میں حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند

جوانانِ سعادت مند سرہند پیر دانا را

پیر تو میں ہوں ہی اور اب تو یہ حال ہے کہ بہت رات گذرے پیشاب کے لئے اٹھا تو سینہ کے بل دھڑام سے گر پڑا۔ میرے مولا ہی نے میری حفاظت کی اور اُسی نے مجھے طاقت بخشی اور میں بہت دیر کے بعد زمین سے اٹھنے کے قابل ہوا پھر ابھی مجھے قے ہو چکی ہے۔اس حالت میں بھی تمہیں قرآن سنانے کے لئے روز آتا ہوں یعنی مسجد اقصیٰ میں آتا ہوں ۔قدر کرو یعنی عمل کرو۔اور غنیمت سمجھو۔دانا اِس لئے ہوں کہ قرآن خوب سمجھتا ہوں۔۔یہاں کچھ چوریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔میں نے اپنے مولا سے دعا کی ۔کہ اگر کوئی احمدی چور ہے۔تو پھر افسوس ہے اُس پر بھی اور مجھ پر بھی اور میری تعلیم پر بھی ۔ مجھے اپنے کرم سے آگاہ کر دے کہ چور کن میں سے ہے۔الحمدللہ کہ آج اِن چیزوں کے چور عجیب طور پر خود بخود حاضر ہو گئے اور وہ دونوں چور غیر احمدی ہیں۔''

الفضل ۲۱۔جنوری ۱۹۱۴ء میں مذکور ہے:

ایوان خلافت: حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت اب خدا کے فضل سے نسبتاً اچھی ہے۔ضعف بہت رہا۔ کیونکہ ایک دانت نکلوایا تھا۔مسوڑھے پر ورم ہو گیا اُسے بھی چیرا دیا گیا۔

۱۷۔جنوری ۱۹۱۴ء کو پیر منظور محمدؐ صاحب نے صحن میں درس قرآن مجید و بخاری شریف دیا۔

الفضل ۲۸۔جنوری:

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت اس ہفتے علی العموم ناساز رہی۔کھانسی کی شکایت ہے اور ضعف بہت ہے۔

الفضل ۱۱۔فروری:

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت اس ہفتہ علیل رہی۔خفیف حرارت ہے۔ضعف بھی بہت ہے۔

الفضل ۴۔مارچ:

اس ہفتہ حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت بدستور علیل رہی۔ضعف بھی بہت ہے۔حرارت بھی ہو

جاتی ہے۔کھانسی رات کے وقت زیادہ ہوتی ہے۔حضور کو تین القاء ہوئے:

(۱) اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ.

(ترجمہ: یقیناً وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے۔ضرور تجھے لوٹائے گا۔اصل لوٹنے کی جگہ پر ۔مرتب)

(۲) الحُمّٰی مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ فَاَطْفِؤُهَا بِالْمَآءِ.

(ترجمہ:۔بخار جہنم کی آگ ہے۔اسے پانی سے بجھاؤ۔مرتب)

(۳) بتایا گیا کہ اکثر بیماریوں کا علاج ہوا، پانی اور آگ سے۔اور دردوں کا آگ اور پانی سے۔

پھر فرمایا:

''بہت حکمتیں رکھی ہیں انشاء اللہ طبیعت اچھی ہو جانے پر بتاؤنگا۔''

پس ہوا اور پانی سے علاج کرنے کے واسطے تبدیلی آب وہوا کی تجویز ہوئی۔اور بعض دوستوں کی رائے کے مطابق دارالعلوم کے بورڈنگ ہاؤس کی بالائی منزل خالی کرائی گئی۔اس کے درمیانی کمرہ میں ایک دیوار کھڑی کی گئی تھی۔اُسے نکال دیا گیا۔اوپر چڑھانے کے واسطے میزوں کی سیڑھی بنائی گئی۔لیکن بعد از نماز جمعہ نواب محمد علی صاحب کی مکرر درخواست کی بناء پر حضور کو نواب صاحب کی کوٹھی (دارالسلام)میں پہنچایا گیا۔راستہ میں بورڈرز صف بستہ کھڑے عرض کر رہے تھے،'السلام علیک یا امیر المومنین'۔ حضور نے ڈولی ٹھہرانے کا حکم دیا۔اُن کیلئے باچشم پُرآب دُعا کی۔اور مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا:'' انہیں نصیحت کر دینا۔'' آپ کے اہل وعیال بھی آپ کے ساتھ ہیں۔وہاں کا منظر آپ کو پسند ہے۔ دوراتیں یعنی اتوار اور سوموار کی رات کو بے چینی بہت رہی۔آج رات دو بجے تک بے آرامی تھی۔میاں شریف احمد صاحب کو جو پسلی کے درد کے سبب آپ کو نکور کر رہے تھے۔فرمایا کہ آپ کی مہربانی سے اب کچھ افاقہ ہے۔اور پانچ بجے کے قرب آرام فرمایا۔ٹمپریچر سوموار کی صبح کو ایک سو درجہ تھا اور منگل کی صبح ۹۷ تھا۔طبیعت میں کمزوری بہت ہے۔

فروری ۱۹۱۴ء سے ہر روز باقاعدہ ایک کارڈ ہمیں چک نمبر ۹۹ شمالی سرگودھا کے پتہ پر حافظ روشن علی صاحب سیکرٹری انجمن انصار اللہ کے دستخط سے مل جاتا جس سے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی حالت سے مطلع کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ[1] ۴۔ مارچ ۱۹۱۴ء کی حالت لکھی ہوئی جو کارڈ کے ذریعے معلوم ہوئی اس میں یہ فقرہ بھی تھا۔ کہ اب حضرت خلیفہ صاحب کی حالت ایسی نڈھال ہوگئی ہے جو تشویشناک ہے۔ احباب کرام جو حضور کی آخری زیارت کرنا چاہیں وہ ہفتہ عشرہ کے اندر اندر آجائیں۔ اس خبر کے پہنچتے ہی مجھے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کا نظارہ یاد آ گیا تو مَیں چک شمالی سرگودھا سے نماز جمعہ پڑھا کرے تاریخ سیالکوٹ پہنچا وہاں مجھے چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم نے فرمایا۔ کہ آپ قادیان جا رہے ہیں اور وہاں خلافت کے متعلق دو پارٹیاں ہیں۔ ایک حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب اور دوسرے مولوی محمد علی صاحب کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ غرض جب میں ۱۱ تاریخ بروز بدھ قادیان پہنچا اور سیدھا نواب صاحب کی کوٹھی پر گیا تو اس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے حضرت خلیفہ صاحب کو میرے سامنے دہی پلایا جو آپ نے قے کر دی۔ اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ جو کھاتے پیتے تھے قے کر دیتے تھے۔ ویسے حضور کے ہوش و حواس قائم تھے۔ ویسے سلام کا جواب بھی دیا اور خیر و عافیت بھی پوچھی۔ وہاں سے میں کوٹھی کے اس کمرے میں گیا جہاں حضرت صاحبزادہ صاحب قیام پذیر تھے اور حضرت خلیفہ اوّلؓ نے ان کو امام الصلوٰۃ مقرر کیا ہوا تھا۔ میں نے آپ سے مصافحہ کیا ہی تھا کہ مولوی فضل دین صاحب وکیل نے وہ کاغذ صاحبزادہ صاحب کو واپس دیا جو آپ نے مولوی محمد علی صاحب کے پاس لکھ کر بھیجا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ تمام جماعت احمدیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہمارے اہل قادیان کے درمیان خلیفہ کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ ہمارا خلیفہ ابھی ہمارے درمیان زندہ موجود ہے۔ خدا تعالےٰ اس کی عمر لمبی کرے۔ یہ ایک افواہ ہے اور جھوٹی افواہ ہے کہ فلاں خلیفہ ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک فلاں خلیفہ ہو گا جس کے یہ معنے ہیں کہ نعوذ باللہ خلیفہ وقت کی موت چاہتے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس کاغذ کے لکھنے کے بعد مولوی محمد علی صاحب کو زبانی پیغام دیا تھا کہ میں نے نیچے دستخط کر دئے ہیں آپ بھی کر دیں۔ ایک نقل آپ اخبار پیغام صلح میں چھپوا دیں اور دوسری نقل میں الفضل میں شائع کروا دیتا ہوں۔ مولوی فضل دین صاحب نے دونوں نقلیں واپس دیکر کہا کہ مولوی محمد علی صاحب کہتے ہیں کہ یہ اختلاف قادیان میں ہی ہے باہر اسکی کوئی خبر نہیں۔ اس طرح بے خبروں کو خبردار کرنا ہے۔ ہم اخبار میں شائع نہیں کرتے۔ یہاں ہی عصر کے بعد ہم دونوں تقریر کر دیں یہی کافی ہوگا۔ میں نے یہ سُن کر حضرت صاحبزادہ

صاحب سے عرض کی کہ میں سیالکوٹ سے سنکر آیا ہوں کہ وہاں جماعت احمدیہ میں اس بات کا بہت چرچا ہے کہ قادیان میں خلیفہ کے متعلق اختلاف ہے۔

یہ سنکر دوبارہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے مولوی فضل دین صاحب کو بھیجا کہ جا کر کہیں کہ مولوی بقا پوری صاحب سیالکوٹ سے آئے ہیں اور وہ اس طرح اختلاف کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب نے اس کو نہ مانا اور عصر کی نماز کے بعد ہر دو صاحبان نے تقریریں کیں۔ جمعرات کے دن حضرت خلیفہ اوّلؓ کی حالت بہت ہی نڈھال ہوگئی اور جمعہ کے دن ایک بجے کے قریب آپ اپنے حقیقی مولا سے جا ملے۔ انّا لِلّٰہِ وَ انّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

([1] اسی تاریخ ۴؍مارچ کو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے عصر کے وقت وصیت فرمائی جس پر حضور کے اپنے اور معتمدین صدر انجمن کے دستخط تھے اور نواب صاحب کے پاس سربمہر محفوظ رکھوائی گئی ۔ یہ وصیت دو اخباروں (الحکم اور بدر) میں چھپ گئی تھی۔ اور پھر الفضل ۱۱۔ مارچ ۱۹۱۴ء میں بھی اس کا اندراج ہو گیا۔ جو یہاں لکھی جاتی ہے:۔

(الفاظ وصیت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ علیٰ رسولہ الکریم

خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحمد رسول اللہ. میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر میں مال نہیں۔ اُن کا اللہ حافظ ہے۔ ان کی پرورش یتامٰی و مساکین سے نہیں۔ کچھ قرضہ حسنہ جمع کیا جائے۔ لائق لڑکے ادا کریں۔ یا کتب جائداد وقف علی الاولادہو ۔ میرا جانشین متقی ہو۔ ہر دل عزیز۔ عالم باعمل۔ حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی، درگذر کو کام میں لاوے۔ میں سب کا خیر خواہ تھا۔ وہ بھی خیر خواہ رہے۔ قرآن وحدیث کا درس جاری رہے۔ والسلام   (نقل نور الدین ۴؍مارچ ۱۹۱۴ء))

۹۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کا انتقال پُر ملال اور مسئلہ خلافت کے متعلق اختلافات:

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے انتقال سے جو صدمہ جماعت احمدیہ کو پہنچا وہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے صدمہ سے کم نہ تھا۔ کیونکہ مخالفین یہ سمجھتے تھے کہ یہ سارا انتظام مولوی نورالدین صاحب کی وجہ سے تھا۔ مولوی صاحب کی قابلیت کی وجہ سے سلسلہ کا کام چل رہا تھا۔ اب آپ کے فوت ہونے پر یہ سلسلہ (نعوذ باللہ) ختم ہو جائے گا۔ اور جماعت کے جو بڑے بڑے لوگ تھے اُن کو ایک خفیہ ٹریکٹ کی وجہ سے جو مولوی محمد علی صاحب کا لکھ کر بھجوایا ہوا تھا ابتلاء آ گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ لوگ نماز جمعہ پڑھتے ہی نواب صاحب کی کوٹھی کی طرف چلے گئے اور مولوی محمد علی صاحب نے بحیثیت سیکرٹری ہونے کے اپنے موافق دوستوں کو تاریں دلوا دیں اور صاحبزادہ صاحب نے بھی بعض مناسب جماعتوں کو تاریں بھجوائیں۔ عصر کی نماز پڑھانے کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک مختصر تقریر کی جس میں آپ نے فرمایا کہ یہ دِن احمدیہ جماعت کے لیے مصیبت اور ابتلاء کا دن ہے۔ احباب کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر رات بھر دعا کریں اور صبح کو روزہ رکھ کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ منصبِ خلافت کے لیے اُس شخص کو چنے اور اُس شخص کو کھڑا کرے جو اس سلسلہ کے لیے مفید اور بابرکت ہو اور اس کی رضا کی راہ پر چلنے چلانے والا ہو ۔وغیرہ۔

لوگوں میں ایک ہیجان سا تھا اور غم کا ایک پہاڑ گر پڑا تھا۔ لوگ روتے تھے اور اپنے اپنے مذاق کے مطابق بعض میں سرگوشیاں بھی ہونے لگیں۔ یہ تقریر کرنے کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کو جاتے ہوئے دیکھ کر مولوی محمد علی صاحب آپ کے پیچھے دوڑے اور آواز دے کر کھڑا کر لیا۔ دونوں نے وہاں کچھ دیر تک باتیں کیں۔ پھر رات کو حضرت صاحبزادہ صاحب نے نواب محمد علی خان صاحب، میر ناصر نواب صاحب اور صاحبزادگان کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ مولوی محمد علی صاحب ہمارے خلیفہ ہو جائیں تو میں اُن کی بیعت کر لوں گا۔ آپ بھی کر لیں تا کہ جماعت کا اتحاد قائم رہے۔ گو ہم اس خبر کو سن کر مولوی محمد علی صاحب کی طبیعت کو جانتے ہوئے نہیں چاہتے تھے کہ مولوی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ لیکن چونکہ ہم جماعت انصار اللہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے ماتحت دینی کام کرتے تھے اس واسطے ہم بھی اس بات پر راضی ہو گئے۔ غرض اس طرح رات بھر دعائیں کرتے رہے۔ صبح روزہ رکھا اور دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت

صاحبزادہ صاحب نے نماز فجر پڑھانے کے بعد مجھے فرمایا کہ آپ چالیس احباب کو میرے کمرے میں جمع کریں میں نے اُن سے مشورہ کرنا ہے۔ اُن کی تعداد چالیس ہونی چاہیے۔ میں نے لوگوں کو بُلایا اور دروازے پر مکرم شیخ یعقوب علی صاحب کو گننے پر مقرر کیا اور جب چالیس آدمی پورے ہو گئے تو شیخ صاحب نے یہ کہہ کر کہ چالیس آدمی جو میرے آقا نے کہا ہے پورے ہو گئے ہیں۔ دروازہ بند کر لیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے مختصر سی تقریر میں فرمایا کہ میں نے آپ چالیس لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ الوصیت میں جو لکھا ہے کہ جس پر چالیس آدمی متفق ہوں وہ خلیفہ اور بیعت لینے کا مجاز ہے تو آپ چالیس آدمی یہ بتلائیں کہ خلیفہ انجمن کا مطیع ہوگا یا انجمن خلیفہ کی مطیع ہے اور وہ مطاع ہے۔ نیز یہ بتلائیں کہ وہ ہر ایک نئے یا پُرانے احمدی سے بیعت لے گا یا صرف اُس کی جو آئندہ احمدی ہوگا۔ وغیرہ؟ ہم سب نے بالاتفاق یہ کہا کہ خلیفہ مطاع ہوگا۔ اور انجمن مطیع ہوگی اور خلیفہ کی بیعت سب نئے اور پُرانے احمدیوں کو کرنی ہوگی جیسا کہ ہم سب نے جنہوں نے مسیح موعودؑ کی بیعت کی ہوئی تھی خلیفہ اوّلؓ کی بھی بیعت کی۔

اُس وقت مکرم شیخ یعقوب علی صاحب نے مجھے کہا کہ آپ حضرت صاحبزادہ صاحب سے کہیں کہ ہم آپ کو خلیفہ مانتے ہیں۔ آپ ہماری بیعت لیں۔ میں نے کہا آپ کہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے سن کر فرمایا میں اس طرح خفیہ بیعت نہیں لیتا اور نہ میں نے بیعت کے لیے آپ لوگوں کو بلایا ہے۔ اب آپ جائیں اور کاغذ پنسل لے کر آنے والے لوگوں سے بھی دریافت کریں کہ خلیفہ کیسا ہونا چاہیے اور بیعت کس کو کرنی چاہیے۔ چنانچہ کچھ آدمی مقرر کیے گئے اور میں نے خود بھی کاغذ پنسل لے کر بعض آنے والوں سے دریافت کیا جو چالیس پچاس کے قریب تھے۔ غرض تمام آنے والے جن سے مختلف دریافت کرنے والوں نے دریافت کیا جن کی تعداد ڈھائی ہزار کے قریب ہوگی۔ سب نے بالاتفاق لکھ کر دستخط کیے کہ خلیفہ مطاع ہونا چاہیے انجمن اس کی تابع ہو اور ہم سب پر خلیفہ کی بیعت ضروری ہے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کو عشاء کے قریب غسل دے کر خوشبو اور کافور وغیرہ لگا کر رکھ دیا ہوا تھا۔

مولوی محمد علی صاب کا ٹریکٹ کہ خلافت نہیں ہونی چاہیے!

رات کے دو بجے کے قریب جبکہ میں چوہدری حاکم علی صاحب پنیار کے مکان میں سویا ہوا تھا وہاں دو تین آدمی لاہور کی جماعت سے آئے اور اُن کے ہاتھ میں ایک ٹریکٹ تھا جو ان کو ۹ بجے رات کی گاڑی میں (

بٹالہ۔مرتب) اسٹیشن پر تقسیم ہوتے ہوئے ملا تھا۔ جب ہم نے ڈہ ٹریکٹ دیکھا تو وہ مولوی محمد علی صاحب کا تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے ایام بیماری ہی میں لکھ کر اور طبع کرا کر اور اس کے پیکٹ بنا کر اُن پر پتے لکھ کر بعض کو ڈاک کے ذریعے بھیج دیا گیا تھا اور بعض کو دستی دیا گیا۔ اور مجھے جو ٹریکٹ بذریعہ ڈاک بھجوایا ہُوا ملا اس پر ڈاکخانہ راولپنڈی کی مہر ۱۴۔ مارچ ۱۹۱۴ء کی لگی ہوئی ہے۔ جو شخص اس کی تصدیق چاہے وہ آکر دیکھ سکتا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب اس ٹریکٹ کے شروع میں لکھتے ہیں:۔

"برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے یہ چند سطریں ایسے وقت میں لکھی ہیں کہ اس وقت مجھے قطعاً یہ بھی علم نہیں کہ کون شخص حضرت خلیفۃ المسیح کا جانشین منتخب ہوگا" (صہ ۱)

میں نے جونہی یہ ٹریکٹ پڑھوایا جو فتنہ ڈالنے والا اور فساد کا بھرا ہُوا تھا مجھے بہت ہی افسوس ہوا کہ کیسی بزدلی سے کام لیا گیا ہے اِس میں سے میں چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

ٹریکٹ "ایک نہایت ضروری اعلان" کے اقتباسات

"پس سب سے پہلی بات جو میں چاہتا ہوں آپ یاد رکھیں یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی تحریک اس مضمون کی پہنچے کہ فلاں شخص کے ہاتھ پر چالیس ۴۰ احمدیوں نے بیعت کر لی ہے یا اُس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ لوگوں سے بیعت لے۔ تو حضرت مسیح موعود کی وصیت کے ماتحت وہ بے شک اس بات کا تو مجاز ہے کہ ان لوگوں سے جو سلسلہ میں داخل نہیں سلسلہ میں داخل کرنے کے لیے۔ مسیح موعودؑ کے نام پر بیعت لے۔ مگر اس سے زیادہ کوئی مرتبہ اس کا سلسلہ میں تسلیم نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اس زبانی شہادت کے علاوہ اس عبارت کے اپنے الفاظ بھی قابل غور ہیں جن سے اسبات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں یہ فرمایا کہ "وہ میرے نام پر بیعت لے" جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ وہ بیعت صرف سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لیے ہے نہ کسی اور غرض کے لیے۔ پھر جماعت کے بزرگوں کو جب بیعت لینے کے لیے کہا تو یہ فرمایا کہ اس کی غرض یہ ہے کہ "سب لوگوں کو دین واحد پر جمع کیا جاوے"۔ اس سے بھی صاف مفہوم سلسلہ میں داخل کرنے کا نکلتا ہے۔ نہ بیعت توبہ کا۔ (صہ ۷)

"پس دوسری بات جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں ان کو بار بار از سرِ نو کسی شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں۔" (صہ ۱۳۔۱۴)

''تیسری بات جو میں ضروری طور پر آپ کو پہنچانی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے قائم کیا۔ اپنی وصیت میں اُسے اپنا جانشین قرار دیا اس کے لیے دعائیں کیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس کو قائم کرنے کے پونے دو سال بعد اور اپنی وفات سے صرف آٹھ نو ماہ پیشتر یہ تحریر اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی کہ اس انجمن کے فیصلے آپ کے بعد بالکل قطعی ہوں گے اور سلسلہ کے لیے قابل عمل درآمد ہونگے۔ اور آپ کی زندگی میں صرف بعض دینی امور کو مستثنےٰ کیا کہ شاید کوئی ایسا امر ہو جس میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے اطلاع ملے ورنہ باقی امور کو انجمن کے سپرد کیا۔ اس انجمن کو توڑنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے ابتدائی ایام خلافت میں بڑی بڑی کوششیں کی گئیں اور آخری کوشش بڑے زور وشور سے یہ کی گئی کہ قواعد میں اس امر کو درج کیا جائے کہ جو کوئی خلیفہ ہوا کرے اس کے تمام فیصلے انجمن کے لئے قابل تعمیل ہوں اور وہ انجمن کے ممبروں میں سے جس کو چاہے نکال دیا کرے اور جسے چاہے داخل کر لیا کرے۔ جو دراصل انجمن توڑنے کے ہم معنی ہے۔ میں قوم کو اس خطرناک عنصر کے ارادوں اور منصوبوں سے صفائی سے اطلاع دیتا ہوں کہ اگر اس بات کو اب پھر اٹھایا جائے تو ساری قوم کا فرض ہے کہ اس کا زور سے مقابلہ کرے۔ یہ سلسلہ پر وہ حملہ ہوگا جو اس کو بنیادوں تک صدمہ پہنچائے گا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودے کو جڑوں سے اکھیڑ دے گا۔'' (صہ ۱۴۔۱۵)

''چوتھی بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مسئلہ کفر و اسلام میں خدا سے ڈر کر منہ سے لفظ نکالو۔'' (صہ ۱۵۔۱۶)

''پانچویں بات جو میں آخر کار آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ فرما دیا ہے کہ اُن کا کوئی جانشین ہو۔ جو متقی۔ عالم باعمل اور ہر دلعزیز ہو۔ اس لئے صرف اس فرمان کی تعمیل کے لئے تم کسی شخص کو ضرورت کے وقت اس غرض کے لئے منتخب کر لو۔ کہ وہ ہماری قوم میں سب پر ممتاز ہو۔ تم اس کے حکموں کی قدر کرو۔ بلا کسی سخت ضرورت کے اس سے اختلاف نہ کرو۔ مگر قومی مشورہ سے اُسے طے کرو۔ چالیس انصار اللہ کے فیصلے کو احمدی قوم کا فیصلہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ انصار اللہ کا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کو بھی مدنظر رکھو۔ اگر

کہو کہ جانشین کے معنے یہ ہیں کہ جو کچھ حضرت خلیفۃ المسیح کرتے ہیں۔ وہ بھی وہی کرے۔ تو دیکھو تم الوصیت میں لکھا ہوا پڑھتے ہو اور یہ ماموں من اللہ کا کلام ہے جس پر وہ اپنی وفات تک قائم رہا کہ:

انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔

مگر کیا تم ان معنوں میں انجمن کو جانشیں مانتے ہو کہ جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کرتے تھے۔ وہی انجمن بھی کرے۔ انجمن کہاں بیعت لیتی ہے۔ حالانکہ حضرت صاحب لیتے تھے۔ پس اگر وہاں جانشین کے معنے کچھ اور کر سکتے ہو تو یہاں بھی وہی معنے لفظ جانشین کے کرلو۔ ہاں ایک شخص کو ممتاز حیثیت دے دو مگر قومی مشورہ سے۔ جلدی میں نہیں۔ تا حضرت خلیفۃ المسیح کا منشا بھی پورا ہو جاوے ۔مگر ایسا شخص اس بات کا ہرگز مجاز نہیں کہ احمدیوں سے بیعت لے۔ اور دوسرے اُس میں وہ باتیں موجود ہونی چاہئیں یعنی متقی ہو۔ ہر دلعزیز ہو۔ عالم باعمل ہو۔ حضرت صاحب کے احباب سے نرمی اور درگذر سے کام لے۔ ہاں میں بلا کسی ڈر کے یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے والے تقویٰ سے الگ راہ پر قدم مارتے ہیں۔ اور ہر دل عزیزی کی صفت بھی انہیں حاصل نہیں ہو سکتی''۔

۱۰۔ صبح بروز ہفتہ قریباً ۸ بجے دیکھا کہ پیر عبد العلی صاحب مرحوم نے اپنی طرف سے ایک اشتہار قلمی لکھ کر دو چار جگہ پر چسپاں کر دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ کون خلیفہ ہونا چاہیے۔ دوست مجھ سے دریافت نہ کریں کہ وہ کون ہے۔ میں خود ہی وقت پر بتلاؤں گا۔ بقیہ ممبر صدر انجمن بھی باہر سے آ گئے اور ایک بند کمرے میں خلیفہ کے متعلق فیصلہ ہونے لگا کہ خلیفہ ہونا چاہیے یا نہیں۔ اور اگر ہو تو کس طرح کا ہو۔ جو خلافت کے قائل تھے وہ کہتے تھے کہ خلیفہ ہو اور مطاع ہو۔ دوسرا فریق کہتا تھا کہ خلیفہ ہونا ہی نہیں چاہیے۔

بڑی کوشش کی گئی کہ اتفاق سے ایک خلیفہ مقرر کر لیا جائے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ پہلے خلیفہ کے قائل ہو جائیں۔ جب آپ قائل ہو جائیں گے تو اگر مولوی محمد علی صاحب کو ہی خلیفہ بنا لیں گے تو ہم بھی بیعت کر لیں گے۔ لیکن انہوں نے یہی کہا کہ آپ لوگ خلیفۃ المسیح اوّلؓ کو دفن کر لیں۔ اس کے بعد کوئی تاریخ مقرر کر لیں گے۔ جس دن خلیفہ کا انتخاب ہوگا۔

لیکن چونکہ خلیفہ کے دفنانے سے پہلے ہی دوسرا خلیفہ مقرر کر لینا چاہیے جو اس کی نماز جنازہ پڑھائے۔ اس لئے انہوں نے مجبوراً ہمیں یہ کہہ دیا کہ تم کوئی خلیفہ مقرر کر لو۔ ہم ابھی بیعت نہیں کرتے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی آخری وصیت اور انتخاب خلیفہ

عصر کی نماز کے بعد نواب محمد علی خاں صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ احباب کرام! یہ ایک امانت حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی میرے پاس ہے وہ آپ کو میں سُنانا چاہتا ہوں وہ آپ سُن لیں۔ یہ وہ وصیت ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے اپنی وفات سے سات آٹھ دن پہلے مولوی محمد علی صاحب سے لکھوا کر اور اُن سے پڑھوا کر فرمایا تھا کہ کیوں مولوی صاحب یہ وصیت ٹھیک ہے؟ اور مولوی محمد علی صاحب نے کہا تھا۔ جی ٹھیک ہے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا تھا کہ یہ وصیت نواب محمد علی خان صاحب کو دے دی جاوے اور فرمایا تھا کہ نواب صاحب یہ میری امانت ہے جو میرے مرنے کے بعد احباب کرام کو سُنا دیویں۔

نواب صاحب اٹھے اور سُنایا۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے لکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد میرا جانشین متقی پرہیز گار حضرت مسیح موعودؑ کے نئے اور پُرانے اصحاب سے نیک سلوک اور چشم پوشی کرنیوالا اور ہر دل عزیز ہو وغیرہ۔

یہ وصیت سُنانے کے بعد نواب صاحب نے بلند آواز سے فرمایا کہ دوستو! اب آپ جس کو اس وصیت کا اہل سمجھیں اسکو منتخب کر لیں۔ اس پر مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل اٹھے اور انہوں نے کہا کہ میں حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد کا نام پیش کرتا ہوں۔ (تاریخ احمدیت میں ہے کہ مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی نے تقریر کی تھی اور حضرت عرفانی صاحب نے کہا تھا کہ ہمارے آقا حضور ہماری بیعت قبول فرمائیں۔ دیکھئے تاریخ احمدیت جلد۳ صفحہ ۵۱۷۔ مرتب ثانی)۔ یہ سنتے ہی سوائے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے تمام حاضرین نے اس کی تصدیق عاشقانہ رنگ میں کی۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب مسجد کے ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور حاضر احباب نے جو مسجد نور میں موجود تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

پیر عبدالعلی صاحب کو کہا گیا کہ آپ اٹھ کر بتلائیں لیکن وہ بول نہ سکے۔ سب لوگوں نے خوشی سے میاں صاحب کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ اُس وقت مولوی محمد علی صاحب بھی اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور کچھ کہنا چاہا۔ لیکن کسی نے اُن کی نہ سُنی۔ مولوی صدرالدین صاحب نے اُن کا کُرتہ پکڑ کر کہا آپ بیٹھ جائیں۔

بیعت ہوئی اور بیعت ہونے کے بعد لمبی دعا ہوئی جو آہ وبکا کی گونجوں کے ساتھ ختم ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اٹھے۔ حضرت خلیفہ اول ؓ کا جنازہ مسجد نور کے صحن کے باہر رکھا ہوا تھا۔ لوگوں کو صف بندی کا حکم دیا گیا۔ صاحبزادہ صاحب تشریف لائے اور نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اُس وقت وہ لوگ جنہوں نے بیعت نہ کی تھی مولوی محمد علی صاحب کے ارد گرد تھے۔ اور وہ چند آدمی تھے۔ وہ بھی جنازے میں شریک ہوئے اور دفنانے کے لئے قبرستان تک گئے اور وہاں کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ تجہیز وتدفین کا کام ختم ہو گیا۔

ہفتہ کی شام بلکہ عشاء تک دفنانے سے فارغ ہوئے۔ اتوار کے دن جبکہ مولوی محمد علی صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ قادیان کی رہائش کو چھوڑ کر لاہور جا رہے ہیں تو خان صاحب فرزند علی صاحب اور خاکسار اور چوہدری حاکم علی صاحب مرحوم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر مولوی محمد علی صاحب کو سمجھانے کے لئے گئے۔ کہ آپ قادیان ہی رہیں لاہور نہ جائیں۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف انشاء اللہ تعالیٰ نہیں ہوگی۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ پیغام مولوی محمد علی صاحب کو بذریعہ خان صاحب فرزند علی صاحب سنایا گیا اور دلداری بھی کی گئی تو مولوی محمد علی صاحب نے کہا۔ جی میں قادیان نہیں چھوڑ سکتا۔ میں تو صرف دو چار دن کے لئے لاہور جا رہا ہوں۔ یہ کسی نے جھوٹ بولا ہے کہ میں قادیان چھوڑ چلا ہوں۔ قادیان کی محبت ہمارے دلوں سے نہیں نکل سکتی۔

مجھے وہ بھی لفظ یاد ہیں جو سیٹھ رحمت اللہ صاحب مرحوم نے خانصاحب فرزند علی صاحب کو کہے کہ ہم بھی میاں صاحب کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہیں جانتے۔ میاں صاحب ہی خلیفہ ہونے کے لائق تھے۔ ہمیں کسی نے پوچھا نہیں۔ غرض اس طرح کی باتیں ہونے کے بعد جب خان صاحب نے واپس آکر حضرت صاحب کو یہ باتیں سنائیں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خود بنفس نفیس اُن کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ اور السلام علیکم کہہ کر اُن کی طرف متوجہ ہوئے تو مولوی محمد علی صاحب بجائے آپ کے سلام کا جواب اور آپ کی طرف متوجہ ہونے کے میاں بگا کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے ساتھ باتیں کرنے لگ گئے۔ آخر آپ تشریف لے آئے۔ اور مولوی محمد علی صاحب قرآن مجید کا ترجمہ جو انہوں نے انجمن کے خرچ سے تیار کیا تھا وہ بھی اور دیگر اس سے متعلقہ کتابیں اپنے ہمراہ لے کر انجمن کے اسباب کے بہانے راتوں رات لاہور تشریف لے گئے۔ مگر انہوں نے وہ اسباب کتابیں اور قرآن مجید کا ترجمہ نہ تو خود واپس کیا اور نہ ہم نے مقدمہ کر کے لیا۔

مولوی صدرالدین صاحب کے پاس بھی نصیحت کرنے کی خاطر میں ایک دو دوستوں کے ہمراہ گیا۔

انہوں نے کہا۔اب ہم تو جارہے ہیں۔اور ہمارے ذریعے ہی چندہ آتا تھا۔خزانے میں اب کچھ آنے پائیاں ہی ہیں۔گرانٹ بند ہو جائیگی۔اب یہاں عیسائی آئیں گے اور اپنا مشن چلائیں گے۔غرض یہ لوگ بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ اب یہ قادیان والے برباد ہو جائیں گے۔ان کو کوئی نہیں پوچھے گا۔

ان دنوں خواجہ کمال الدین صاحب لندن میں مقیم تھے وہ پیغام صُلح والوں کی طرف سے وہاں مبلغ مقرر تھے۔اور انصار اللہ کی طرف سے چوہدری فتح محمد صاحب سیال مقرر تھے۔لیکن ادھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو پورا پورا یقین اس سلسلہ کی ترقی پر تھا جو مندرجہ ذیل عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔جبکہ سلسلہ احمدیہ ایک نہایت نازک دور میں سے گذر رہا تھا۔حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے ایک دو مہینہ بعد آپ نے یہ اعلان جاری کیا جو آپ کے اللہ تعالےٰ پر پورا پورا بھروسہ اور کامل توکل کی شہادت دیتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کا اعلان شکریہ جماعت کے نام

غموں کا ایک دن اور چار شادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الا
عادی

یہ اعلان شکریہ کاتب کو دینے سے پہلے میں نے عصر کے بعد درس قرآن کے وقت جماعت قادیان کو سنا دیا تھا تا وہ بھی اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو جائیں۔سو اللہ تعالےٰ نے قادیان کی غریب جماعت کے دلوں میں وہ اخلاص اور جوش بھر دیا اور اُن کے دل اپنے خالق اور رازق کے نام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ایسے بے تاب ہو گئے کہ دوسرے دن ہی جمعہ کی نماز کے بعد انہوں نے ایک عام جلسہ کیا اور تین ہزار روپیہ کے قریب چندہ کے وعدے لکھوائے گئے۔اور ابھی تک برابر کوشش ہو رہی ہے۔اور قادیان کے دوست چاہتے ہیں کہ اول تو میری اعلان کردہ رقم یعنی بارہ ہزار روپیہ کُل کا کُل ضلع گورداسپور کیطرف سے پیش کیا جائے یا کم از کم نصف یعنی چھ ہزار تو ضرور وہ مہیا کریں۔اور میں اللہ تعالےٰ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے گا۔اور وہ دونوں رقموں میں سے ایک کو ضرور جمع کر لینگے۔اس وقت تک پانچ سو روپیہ سے زائد وصول بھی ہو چکا ہے اور ہر روز چندہ میں ترقی ہو رہی ہے۔قادیان کی غریب جماعت کا یہ نمونہ ایک ایسا نمونہ ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ باہر کی جماعتیں بھی اس

نمونہ پر چلیں گی۔ میں نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے اپنی کُل کی کُل زمین تبلیغ اسلام کے لئے دے دی۔ اور بعض نے اپنا کُل اندوختہ اس کام کے لئے نذر کر دیا۔ میں اس ایثار کو دیکھ کر اس بات سے باز نہیں رہ سکتا کہ اپنے مولا کا پھر شکریہ ادا کروں جس نے اپنے فضل سے میری تحریر میں اس قدر اثر رکھا کہ ابھی وہ شائع بھی نہیں ہوئی کہ مطلوبہ رقم کے چوتھائی حصہ کے وعدے پہلے ہی ہو گئے اور صرف ایک ضلع کے لوگ اس کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور پھر اس کام کے کرنے والی وہ جماعت ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ روٹیوں کے لئے قادیان میں آپڑے ہیں۔ کاش اس ایثار کے لوگ اور بھی کثرت سے ہوں تا سلسلہ احمدیہ جلد جلد ترقی کی شاہراہ پر قدم مارے۔

میرے پیارے رب نے اس وقت مجھے ایک سبق دیا ہے اور وہ یہ کہ میں نے جماعت کے فتنہ کو دیکھ کر خوف کیا تھا کہ بارہ ہزار روپیہ بھی وہ دے سکے گی یا نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ جب اس کام کے ہم ذمہ دار ہیں تو فتنہ کا ہونا یا نہ ہونا کیا اثر رکھتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ ہم چندہ بند کر دیں گے۔ اور خود بخود یہ سب کام آپ بند ہو جائیں گے۔ اور بعض نے اعلان کر بھی دیا کہ قادیان میں کوئی چندہ نہ بھیجا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کا جھوٹ ثابت کرے اور وہ ہمیں اپنی بے انتہاء قدرت کا ایک روشن نشان دکھانا چاہتا ہے۔ مبارک وہ جو اس سے فائدہ اٹھائے۔

دنیاوی حکومتوں کی ساکھ اُن کے قرضہ سے پتہ لگتی ہے۔ کیونکہ جب ان میں ضعف پیدا ہو جائے تو ان کو قرضہ مشکل سے ملتا ہے لیکن جب وہ طاقت ور ہوں تو وہ اگر ایک کروڑ کا اعلان کرتی ہیں تو اُن کے دس کروڑ روپیہ دینے کو لوگ تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اُس وقت بھی جب کہ اس الٰہی سلسلہ کی ساکھ پر لوگ معترض تھے اور کہتے تھے کہ اب یہ سلسلہ گیا۔ اور بعض اپنے لوگ ہی اس بات کے مدعی تھے کہ ہمارے علیٰحدہ ہوتے ہی سب کام تباہ ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ اس جماعت کی ساکھ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور اس غریب جماعت کے ہاتھوں سے جسے نادان اور جاہل اور کم فہم کہہ کر ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ اپنی شان دکھانی چاہتا ہے۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ جماعت کے دلوں میں تحریک کر دیگا اور میری اعلان کردہ رقم سے بھی پانچ چھ گنا زیادہ روپیہ فراہم کر دے گا۔ اور میرا ارادہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ زائد رقم سے ہم تبلیغ کے کام کو اور بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر جاری کریں اور اُسے غیر مترقبہ ضروریات کے لئے علیٰحدہ کر دیں۔ اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اُمید ہے کہ بارہ ہزار روپیہ سالانہ سے بھی زیادہ کا انتظام بغیر کسی زائد بوجھ کے ہو جائے گا۔ مگر میں اس امر کی تفصیل کہ کس طرح چندوں میں سے یہ کام بھی پورا ہو

جائے گا، یا صرف ایک قلیل رقم زائد کرنی پڑے گی، جس سے انشاء اللہ تعالےٰ سب کام چل جائیں گے، کسی آئندہ وقت شائع کروں گا۔ہاں اس وقت صرف اتنا کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس سلسلہ کا حامی ہے اور وہ ہماری سب ضروریات کا کفیل ہوگا۔ ہمارے بعض دوست ہم سے الگ ہوئے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ ہم کوئی روپیہ نہ دیں گے۔مگر وہ یادرکھیں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں نئے آدمی دے گا جو یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ والی جماعت ہوگی۔اور وہ اس باغ میں ایک درخت کے بدلے ہزار درخت لگائے گا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔جن کے پھل ان مقطوعہ درختوں کے پھلوں سے بہت زیادہ شیریں ہوں گے۔

آخر میں بطور تحدیث نعمت یہ بھی لکھ دینا چاہتا ہوں کہ مردوں کے علاوہ قادیان کی عورتوں نے بھی اس تحریک میں خاص حصہ لیا ہے۔قریباً پچیس روپیہ ماہوار کے وعدے کئے ہیں۔جو اُمید ہے اور بھی زیادہ ترقی کریں گے۔آئندہ بارہ ہزار کی سالانہ رقم میں سے علاوہ اس یکمشت چندہ کے جو ضلع گورداسپور کی جماعت انشاء اللہ قریباً اس سال دے گی۔قریباً اڑھائی ہزار روپیہ سالانہ وہ ہمیشہ ادا کرتی رہے گی۔اور جماعت کی ترقی پر یہ رقم بھی زیادہ ہوتی رہیگی۔انشاء اللہ تعالےٰ۔والسلام

خاکسار خادم سلسلہ احمدیہ مرزا محمود احمد"

(شکریہ اور اعلان ضروری صہ ۱۱۔۱۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر

۱۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۱۴۔مارچ ۱۹۱۴ء کو بیعت لینے کے وقت کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل تقریر کی جبکہ ہزاروں آدمیوں نے آپ کو خلیفہ چنا ہے:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له واشهد ان محمداعبدهٗ ورسوله.

سنو! دوستو! میرا یقین اور کامل یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔میرے پیارو! میرا پھر یقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔میرا یقین ہے کہ آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آسکتا جو آپ کی دی ہوئی شریعت میں سے ایک شوشہ بھی منسوخ کر سکے۔

میرے پیارو! میرا وہ محبوب آقا سیدالانبیاء ایسی عظیم الشان شان رکھتا ہے کہ ایک شخص اس کی غلامی میں داخل ہو کر کامل اتباع اور وفاداری کے بعد نبیوں کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایسی شان اور عزت ہے کہ آپ کی سچی غلامی میں نبی پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے اور پورے یقین سے کہتا ہوں -

پھر میرا یقین ہے کہ قرآن مجید وہ پیاری کتاب ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور خاتم الکتب اور خاتم شریعت ہے۔

پھر میرا یقین کامل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہی نبی تھے۔ جس کی خبر مسلم میں ہے اور وہی امام تھے جس کی خبر بخاری میں ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ شریعت اسلامی میں کوئی حصہ اب منسوخ نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال کی اقتدا کرو۔ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور کامل تربیت کا نمونہ تھے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا اجماع جو ہوا۔ وہ وہی خلافت حقہ راشدہ کا سلسلہ ہے۔ خوب غور سے دیکھ لو اور تاریخ اسلام میں پڑھ لو کہ جو ترقی اسلام کی خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئی، جب وہ خلافت محض حکومت کے رنگ میں تبدیل ہو گئی، تو گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اب جو اسلام اور اہل اسلام کی حالت ہے تم دیکھتے ہو۔ تیرہ سو سال کے بعد اللہ تعالےٰ نے اس منہاج نبوۃ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کے موافق بھیجا۔ اور انکی وفات کے بعد پھر وہی سلسلہ خلافت راشدہ کا چلا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح مولانا مولوی نورالدین صاحب (اُن کا درجہ اعلیٰ علیّین میں ہو۔ اللہ تعالےٰ کروڑوں کروڑ رحمتیں اور برکتیں اُن پر نازل کرے۔ جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت اُن کے دل میں بھری ہوئی اور رگ و ریشہ میں جاری تھی جنت میں بھی اللہ تعالےٰ اُنہیں پاک وجودوں اور پیاروں کے قرب میں آپ کو اکٹھا کرے)۔ اس سلسلہ کے پہلے خلیفہ تھے اور ہم سب نے اُسی عقیدہ کے ساتھ اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پس جب تک سلسلہ چلتا رہے گا اسلام مادی اور روحانی طور پر ترقی کرتا رہے گا۔ اس وقت جو تم نے پکار پکار کر کہا ہے کہ میں تمہارے آگے اپنے عقیدہ کا اظہار کروں۔

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک خوف ہے اور اپنے وجود کو بہت ہی کمزور پاتا ہوں

۔حدیث میں آیا ہے کہ تم اپنے غلام کو وہ کام مت بتاؤ جو وہ کر نہیں سکتا۔تم نے مجھے اس وقت غلام بنانا چاہا ہے تو وہ کام مجھے نہ بتانا جو میں کر نہ سکوں۔ میں جانتا ہوں میں کمزور اور گنہگار ہوں، میں کس طرح دعویٰ کرسکتا ہوں کہ دنیا کی ہدایت کرسکوں گا۔حق اور راستی کو پھیلاسکوں گا۔ہم تھوڑے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم اور غریب نوازی پر ہماری اُمیدیں بے انتہا ہیں۔تم نے یہ بوجھ مجھ پر رکھا ہے۔تو سنو!اِس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے میری مدد کرو اور وہ یہی ہے کہ خُدا تعالیٰ سے فضل اور توفیق چاہو اور اللہ تعالیٰ کی رضاء اور فرمانبرداری میں میری اطاعت کرو۔

میں انسان ہوں اور کمزور انسان۔مجھ سے کمزوریاں ہوں گی تو تم چشم پوشی کرنا۔تم سے غلطیاں ہوں گی۔ میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کرتا ہوں کہ میں چشم پوشی اور درگذر کروں گا۔اور میرا اور تمہارا متحد کام اس سلسلہ کی ترقی اور اس سلسلہ کی غرض وغایت کو عملی رنگ میں پیدا کرنا ہے۔پس اب جو تم نے میرے ساتھ ایک تعلق پیدا کیا ہے ۔اس کو وفاداری سے پورا کرو۔تم مجھ سے اور میں تم سے چشم پوشی خدا کے فضل سے کرتا رہوں گا۔تمہیں امر بالمعروف میں میری اطاعت اور فرمابرداری کرنی ہوگی۔اگر نعوذ باللہ کہوں کہ خدا ایک نہیں تو اُسی خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے قبضہ وقدرت میں ہم سب کی جان ہے جو وحدہ لاشریک اور لیس کمثلہ شیئے ہے۔کہ میری بات ہرگز نہ ماننا۔

اگر میں تمہیں نعوذ باللہ نبوت کا کوئی نقص بتاؤں تو مت مانیو!اگر قرآن کریم کا کوئی نقص بتاؤں تو پھر خدا کی قسم دیتا ہوں۔مت مانیو۔حضرت مسیح موعودؑ نے جو خدا تعالیٰ سے وحی پاکر تعلیم دی ہے۔اُس کے خلاف کہوں تو ہرگز ہرگز نہ ماننا۔ہاں میں پھر کہتا ہوں کہ امر معروف میں میری خلاف ورزی نہ کرنا۔اگر اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لوگے اور اس عہد کو مضبوط کرو گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا فضل ہماری دستگیری کریگا اور ہماری متحدہ دعائیں کامیاب ہوں گی۔

اور میں اپنے مولا کریم پر بہت بڑا بھروسہ رکھتا ہوں۔مجھے یقین کامل ہے کہ میری نصرت ہوگی۔پرسوں جمعہ کے روز میں نے ایک خواب سنایا تھا کہ میں بیمار ہوگیا اور مجھے ران میں درد محسوس ہوا اور میں نے سمجھا کہ شاید طاعون ہونے لگا۔تب میں نے اپنا دروازہ بند کرلیا اور فکر کرنے لگا کہ یہ کیا ہونے لگا ہے۔میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ سے وعدہ کیا تھا۔ انی احافظ کل من فی الدار ۔ یہ خدا کا وعدہ آپکی زندگی میں پورا ہوا شاید خدا کے مسیح کے بعد یہ وعدہ نہ رہا ہو۔کیونکہ وہ پاک وجود ہمارے درمیاں نہیں۔اِسی فکر میں میں کیا دیکھتا ہوں

۔یہ خواب نہ تھا بیداری تھی۔میری آنکھیں کھلی تھیں۔میں درودیوار کو دیکھتا تھا۔کمرے کی چیزیں نظر آرہی تھیں۔میں نے اِسی حالت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ ایک سفید اور نہایت چمکتا ہوا نور ہے۔نیچے سے آتا ہے اور اوپر چلا جاتا ہے۔نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہاء۔اُس نور میں سے ایک ہاتھ نکلا جس میں ایک سفید چینی کے پیالہ میں دودھ تھا جو مجھے پلایا گیا۔جس کے بعد معاً مجھے آرام ہوگیا۔اور کوئی تکلیف نہ رہی۔اس قدر حصہ میں نے سُنایا تھا۔اس کا دوسرا حصہ اس وقت میں نے نہیں سُنایا۔اب سُناتا ہوں۔وہ پیالہ جب مجھے پلایا گیا تو معاً میری زبان سے نکلا:

میری اُمت بھی کبھی گمراہ نہ ہوگی

میری اُمت کوئی نہیں۔تم میرے بھائی ہو۔مگر اس نسبت سے جو آنخضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح موعود کو ہے یہ فقرے نکلے۔جس کام کو مسیح موعود نے جاری کیا،اپنے موقعہ پر وہ امانت میرے سپرد ہوئی ہے ۔پس دعائیں کرو اور قادیان آنے کی کوشش کرو اور بار بار آؤ۔میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنا اور بار بار سُنا کہ جو یہاں بار بار نہیں آتا اندیشہ ہے کہ اس کے ایمان میں نقص ہو۔اسلام کا پھیلانا ہمارا پہلا کام اہے۔مل کر کوشش کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور فضلوں کی بارش ہو۔میں پھر تمہیں کہتا ہوں۔پھر کہتا ہوں۔اور پھر کہتا ہوں۔اب جو تم نے بیعت کی ہے۔اور میرے ساتھ ایک تعلق حضرت مسیح موعودؑ کے بعد قائم کیا ہے۔اس تعلق میں وفاداری کا نمونہ دکھاؤ اور مجھے اپنی دُعاوں میں یاد رکھو۔میں ضرور تمہیں یاد رکھوں گا۔ہاں یاد رکھتا بھی رہا ہوں۔کوئی دعا میں نے آج تک ایسی نہیں کی جسمیں میں نے سلسلہ کے افراد کے لئے نہ کی ہو۔مگر میں اب آگے سے بھی بہت زیادہ یاد رکھوں گا۔مجھے کبھی پہلے بھی دعا کے لئے کوئی ایسا جوش نہیں آیا جس میں احمدی قوم کے لئے دعا نہ کی ہو۔پھر سُنو کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عہد شکن کیا کرتے ہیں۔ہماری دعائیں یہی ہوں کہ ہم مسلمان جئیں اور مسلمان مریں۔آمین۔ (الفضل ۲۱۔مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۔۳)

اس کے بعد حضور نے بیعت لی۔

اس کے ساتھ میں یہ لکھنا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ مولوی محمد علی صاحب کا وہ ٹریکٹ جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی وصیت کو پڑھ کر لوگوں کو سُنا کر جب نواب محمد علی خاں صاحب کو دی تو بجائے اس کے کہ حضرت خلیفہ اول کو کہتے کہ اس میں یہ یہ نقص ہیں اسکے برخلاف خلیفۃ المسیح اولؓ کو تو کہا ٹھیک ہے۔اور خفیہ ٹریکٹ اس

وصیت کے برخلاف لکھ کرانتظار کرنے لگے کہ کب خلیفہ اولؓ کی وفات ہو اور میں اس کو شائع کروں۔ اِس کو پڑھ کر میں نے ہی بُرا نہیں منایا تھا بلکہ جہاں جہاں یہ ٹریکٹ گیا مولوی صاحب پر اظہار افسوس کیا گیا۔ چنانچہ انکے تاثرات کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:۔

''آج (۲۰۔ مارچ ۱۹۱۴ء) کی ڈاک کا خلاصہ۔ بیعت کے چند خطوط۔ حضرت میر المومنین کے حضور بیعت کے خطوط کثرت سے آرہے ہیں جن میں مولوی محمد علی صاحب کے ٹریکٹ سے بیزاری اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ قومی آواز بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جماعت کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اُسے ضائع ہونے سے ضرور محفوظ رکھے گا۔ اگلی اشاعت میں کسی قدر تفصیل سے فہرستیں دی جاویں گی۔ سردست آج کی ڈاک کا مختصر خلاصہ دیتا ہوں۔ (ایڈیٹر)

(۱) ہمارے برادران کے اشتہار بابت خلافت وغیرہ کے آئے اور پیغام صلح نے بھی اس غلط فرض کو خوب ہی ادا کیا۔ مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ جناب کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

(شیر زمان احمدی نائب تحصیلدار صوابی۔ ضلع پشاور)

(۲) اس عاجز کو اپنے خادموں میں شمار فرما کر بیعت منظور فرما دیں۔

(مستری احمد دین بھیرہ)

(۳) جناب کی خلافت قوم کیلئے موجب برکات وترقی درجات کرے۔

(مولوی حافظ غلام رسول وزیر آبادی)

(۴) میں آپ کے ہاتھ پر اپنی بیعت کو از سر نو تازہ کرتا ہوں۔ دیری کی وجہ ابتلا تھی۔

(محمد زمان ماسٹر میانوالی)

(۵) خدا تعالیٰ نے جناب کو قوم کا امام اور اس کشتی کا ناخدا مقرر فرمایا ہماری آنکھیں حضرت خلیفۃ المسیح کے بعد کسی امام اور امقتدا کی متلاشی تھیں۔ تو وہ جناب پر ہی جا سکتی تھیں۔ میں اور میرا تمام کنبہ جناب کو اپنا امام اور مرشد تسلیم کرتا ہے۔

(حبیب الرحمٰن ومحبّ الرحمٰن از پھگواڑہ)

(۶) حضور کی بیعت صدق دل سے قبول کرتا ہوں۔

(وزیر خاں کپورتھلہ)

(۷) مولوی محمد علی صاحب کا ٹریکٹ ملا۔ تعصب اور ضد انسان کو کیسے اندھا کر دیتی ہے۔ بیعت منظور

فرمائی جاوے۔

(غلام نبی مدرس بیرم پور)

(۸) کل بذریعہ پیام اور ایک اعلان کے لاہور سے افسوسناک خبر آئی۔ یہ عاجز بمع اِن احباب اور مستورات کے بیعت کی درخواست کرتا ہے منظور فرمائی جاوے۔

(مولوی کرم داد خاں دوالمیال ضلع جہلم مع ۶۰ کس)

نوٹ:۔ صرف آج کی ڈاک میں ۷۶ اس طرح کے خطوط ہیں۔"

۱۲۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی وفات کے بعد کے واقعات میں سے ایک واقعہ

اس بات کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی میں بھی بعض ہمارے احباب کو خلافت کے متعلق ابتلاء پیش آیا۔ اور نہ ایک بار۔ بلکہ کئی بار۔ لیکن چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کا یہ ارشاد معرفت اور یقین سے بھرا ہوا تھا کہ خلیفہ بنانا خدا ہی کا کام ہے۔ اس لئے ہمارے وہ احباب خلافت کے رسن سے الگ نہیں ہو سکتے تھے۔ اس باطل نے حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی کے آخری چند مہینے پیشتر پھر لاہور سے سر نکالا۔ اور جماعت کے خیالات کو پراگندہ کرنا چاہا۔ یہ ایسا دُکھ تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ اپنے بستر مرگ پر بھی اُسے نہیں بھولے۔ جو الفاظ حضرت نے فرمائے وہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور بعض دیگر لاہوری احباب مثل میاں معراج الدین صاحب وغیرہ کو خوب یاد ہیں۔ ہم وہ دہرانا نہیں چاہتے۔ مگر افسوس سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس لاہوری تحریک نے نہ معلوم کیونکر ہمارے مکرم بھائی مولوی محمد علی صاحب کو بھی انہی خیالات میں آلودہ کر دیا۔ مولوی محمد علی صاحب نے "ایک نہایت ضروری اعلان" کے نام سے اکیس ۲۱ صفحے کا ایک رسالہ لکھا اور اس کو چھپوا کر اسی غرض سے رکھ چھوڑا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کا واقعہ ہو تو اسکو فوراً پھیلا دیا جائے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے عمل سے ظاہر کیا۔

۱۳۔ مارچ ۱۹۱۴ء کو وفات ہوئی اور اسی روز شام کو یہ ٹریکٹ تقسیم کر دیا گیا۔ اور بذریعہ ڈاک اس کی روانگی کا انتظام شروع ہوا۔ پیکٹ تیار رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ رسالہ بند پیکٹوں کی صورت میں عموماً تقسیم ہوا۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ اگر مولوی محمد علی صاحب یا اُن کے ہم خیال بعض احباب لاہور کی رائے میں

وہ خیالات قابل لحاظ تھے یا اُن میں صداقت اور حق تھا تو کیوں اُسے حضرت خلیفۃ المسیح مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ کی زندگی میں آپ کی تصدیق سے شائع نہیں کیا گیا؟ حدِ تقویٰ جس کا وعظ کیا جاتا ہے اس موقعہ پر ضرور مد نظر رہنی چاہئے تھی۔ اگر حضرت خلیفۃ المسیح اس کی تصدیق کر دیتے تو جماعت فتنہ سے محفوظ ہو جاتی۔ اور انہیں اپنی زندگی میں بقائمی حواس اپنے جانشین کیلئے وصیت کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ وصیت لکھ دینے کے بعد پوچھا کہ اور امر تو باقی نہیں رہا؟ جس پر مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں۔ اگر ان کے مذہب و اعتقاد میں انجمن ہی خلیفہ تھی اور گذشتہ چھ سال کا تعامل اور حضرت خلیفۃ المسیح کی خلافت ایک فرضی اور وہمی بات تھی تو انہیں مومنانہ غیرت اور جرأت سے کہنا چاہئے تھا کہ یہ وصیت آپ کی درست نہیں۔ لیکن اِسی رسالہ کے صفحہ ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت کی وصیت کے بعد لکھا ہے۔ یہ اور بھی تقویٰ کے خلاف ہے کہ حضرت کی وصیت کو آپ ہی پڑھا اور تین بار سُنایا اور اُسے الوصیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف پا کر بھی اُنکی زندگی میں ۹ دن کے اندر اُن سے ذکر نہیں کیا جاتا۔ غریب انصار اللہ کی جماعت (جن میں حضرت خلیفۃ المسیح بھی شامل تھے) کو تو خلافت محمود کے لئے سازش کرنے والے کہا جاتا ہے۔ مگر خدا کے لئے غور کرو کہ اس سے بڑھ کر خوفناک سازش کیا ہوسکتی ہے؟ کہ حضرت صاحب کی وفات کے بعد یہ یقین کر کے کہ خلافت کا مستحق عام طور پر محمود سمجھا جاوے گا اس کو توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور حضرت امام کے سامنے اس کو پیش نہ کیا جاوے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اُن کی طبیعت ناساز تھی تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے نوٹ سُنانے کے لئے تو آپ کی طبیعت کی ناسازی کی پروانہ کی جاوے اور ایک امر خطیر جو جماعت میں فتنہ کا موجب ہو اور جس کا مصالحہ مولوی صاحب اس ٹریکٹ کی صورت میں تیار کر رہے تھے۔ دریافت نہ کیا جاوے؟ ہم ذی فہم پبلک کے سامنے اس سوال کو رکھتے ہیں کہ یہ فعل کہاں تک صداقت اور ایمان کے معیار پر پورا اترتا ہے اور تقوے کی کن باریک راہوں پر عمل کا نتیجہ ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح نے الوصیت کے جو معنے سمجھے اور جو اُس وقت مولوی صاحب اور آپ کے خاص احباب نے سمجھے وہ یہی تھے کہ ایک امام منتخب ہو اور وہ بیعت لے۔ اور ہم نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی چھ سال تک کسی کو یاد نہ آیا کہ ہم نے کیوں بیعت کی۔ یہ الوصیت کے خلاف تھا؟ اور عورتوں نے بھی بیعت کی۔ اُس وقت تمام تاریخیں بھول چکی تھیں اور سلسلہ کی تمام بھلائیاں اور امانتیں یاد سے جاتی رہی تھیں۔ اور باوجودیکہ خلافت کے ساتھ کئی دفعہ اظہار وفاداری کی ضرورت پیش آئی مگر یہ نکتہ معرفت کبھی یاد نہ آیا اور آیا تو اُس وقت جب حضرت خلیفۃ المسیح

کی علالت موت کی شکل میں نظر آئی۔اورانہوں نے ایک جانشیں کی وصیت کردی۔اس رسالہ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں اگر ہو تو کسی احمدی کو بیعت کی ضرورت نہیں۔اوروہ خلیفہ ایسا ہو جو انجمن کے ماتحت ہو۔نعوذ باللہ من ذالک۔باوجودیکہ یہ رسالہ پہلے سے چھپوا کر رکھا گیا تھا اور ریویو آف ریلیجنز اردو کے خریداروں کی چٹیں اس کی روانگی کے لئے حاصل کی گئی تھیں جو کسی خاص کی ملکیت نہ تھیں۔بلکہ وہ کل احمدی قوم کی امانت تھی۔اوراس کو عین وفات کی خبر سننے پر شائع کیا گیا۔پھر بھی لاہوری پیغام کہتا ہے۔کہ انصاراللہ نے سازش کر رکھی تھی اوراس کا ثبوت کیا عمدہ دیا ہے کہ حافظ روشن علی صاحب نے حضرت کی علالت کی خبر احباب کو دی۔اس خوش فہمی اورحسن ظنی کی داد نہ دینا غلطی ہوگی۔انصاراللہ کی طرف سے ہر دوسرے روز حضرت کی علالت کی خبر اور صحت کی حالت کی اطلاع دی جاتی تھی۔جو کام تھا صدرانجمن کا جس نے اس پہلو سے فروگذاشت کی۔اگر حضرت کی علالت اور صحت کے حالات سے اطلاع دینا سازش ہوسکتا ہے۔تو بتایا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے جو اپنی صحت کا اعلان کروایا تھا اور احباب کو آنے جانے سے روکا تھا۔اس کی کیا وجہ تھی؟ کس تحریر نے احباب کو قادیان بلایا تھا۔پھر ہم پوچھیں گے کہ اُسے کیا کہا جاوے؟

حافظ صاحب کا یہ لکھنا کہ جس سے بجائے دنوں کے اب عمر کا اندازہ گھنٹوں میں کیا جاتا ہے۔آئندہ کا یہی خوف ہے۔تو پیغام کے سلیم الفطرت وقائع نگار کے نزدیک سازش کا ثبوت ہوسکتا ہے۔مگر جب مولوی محمد علی صاحب ایک رسالہ لکھے اور حضرت کی زندگی میں اُن کی وصیت کے بعد لکھے اور لکھ کر اُسے لاہور میں رکھا جاوے اور عین وفات کے دن اُسے شائع کیا جاوے تو وہ سازش نہیں بلکہ تقویٰ ہے۔خدا سے ڈرو اور تفرقہ کی بنیاد نہ رکھو۔ (اخبار الفضل ۱۲۔مارچ ۱۹۱۴ء)۔

غرض میں اس طرح کی قبولیت کے آثار مالی، جسمانی، روحانی برکات کی ترقی ہوتے دیکھ رہا تھا۔اورارادہ تھا کہ ایک مہینہ قادیان رہوں کیونکہ یہ ایمان افزا باتیں تھیں کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ دس بارہ دن آپ کو علاقہ سرگودھا سے آئے ہوئے ہوگئے ہیں اور سرگودہا میں لائل پوری شیخوں کا اثر بھی ہے اِس لئے اب آپ وہاں جائیں اور کمزور اور متردد طبیعتوں کو دلائل اور دعاؤں سے سہارا دیں۔اور میری طرف خط لکھتے رہیں۔میں دوسرا جمعہ پڑھنے کی بعد چلا گیا۔وہاں جاکر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تبلیغ کا اچھا موقعہ دیا۔منکرانِ خلافت کی طرف سے جو اعتراض کئے جاتے تھے، اُن کے شافی جوابات اُن لوگوں کو دیئے گئے۔یا یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے وہ اعتراض کرائے جن کے جواب کی تسلی بخش توفیق مجھے ملی۔الحمدللہ کہ علاقہ سرگودھا میں سوائے ایک گھر شیخوں کے سب نے بیعت کرلی۔میں نے جس رنگ میں وہاں تبلیغ کی اور سوال وجواب ہوئے اُس کی کچھ تفصیل میری مندرجہ

ذیل رپورٹ سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو ۱۳۔ اپریل ۱۹۱۴ء کے الفضل میں شائع ہوئی۔ وھو ہذا:

چند شبہات کا ردّ:

(۱) یہ سنت اللہ ہے کہ خلافت کے وقت اختلاف پڑے۔ اور لوگ آزمائے جائیں۔ کیونکہ خلیفہ اپنے مامور کا ظل ہوتا ہے۔

(۲) یہ لوگ (غیر مبایعین) قرآن و حدیث سے پورے واقف نہیں۔ مثلاً مولوی محمد علی صاحب ہی کو لو کہ آیت قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (۶:۹۲) کے معنے مولوی محمد علی صاحب نے یہ کئے ہیں کہ اللہ منوا کر چھوڑ دو۔ کیسے غلط ہیں۔ اور جب ان معنوں پر کسی نے اعتراض کیا ہے تو جناب پیغام صلح ۲۴۔ مارچ ۱۹۱۴ء میں یوں فرماتے ہیں۔ '' یہ معنے میرے نہیں۔ بعینہٖ حضرت خلیفۃ المسیح کے الفاظ ہیں۔'' یہ اخبار وہ ہے جس کو خلیفہ اولؓ پیغام جنگ کہا کرتے تھے۔ یا صرف پیغام۔ اب ہم ناظرین کو بتلاتے ہیں کہ نہ یہ معنے درست ہیں اور نہ حضرت خلیفہ اولؓ کے معنے ہیں بلکہ جو حضرت مولانا صاحب امیر المومنین خلیفہ اولؓ کے معنے صحیح اور یقینی ہیں وہ اخبار بدر ۴۵ مورخہ ۹۔ ستمبر ۱۹۱۰ء میں یوں درج ہیں:

کلام امیر: فرمایا قل اللہ ثم ذرھم کے یہ معنے نہیں کہ اللہ اللہ کرتے رہو۔ کیونکہ محض اللہ اللہ ہماری شریعت اسلامی میں ثابت نہیں۔ بلکہ یہ تو جواب ہے من انزل کا کہ یہ کتاب کس نے اُتاری۔ تو کہہ اللہ نے۔

(۳) تیسرا شبہ اُن کو یہ پڑتا ہے کہ جناب مسیح اسرائیلی کے بعد سلسلہ خلفاء شروع نہ تھا بلکہ انجمن کام کرتی رہی ہے۔ تو اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ تاریخ شہادت نہیں دیتی۔ حالانکہ عدم علم شئے سے عدم شئی لازم نہیں آتا

مثلاً مسیح کی ۸۳ سال بعد کی زندگی یعنی بعد واقعہ صلیب کے حالات سے تاریخ ساکت ہے تو خلفاء کا کیا ذکر کرے۔ تو جیسا تاریخ کا سکوت نبی کے وجود کی نفی نہیں کرتا۔ ایسا ہی اُسکے خلفاء پر بھی کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ کیونکہ مسیح کی طبعی موت کے بعد سلسلہ خلافت چلا ہوگا۔ ہاں البتہ لفظ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہیں۔ وجہ تخصیص یہود نا معلوم۔ نیز ہمارے مسیح موعود علیہ السلام بروز محمدؐ بھی تھے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کا سلسلہ خلافت جمالی رنگ میں جاری ہونا ضروری ہے۔ نیز نبی کریم خاتم النبیین ہیں اور آپ مسیح موعود خاتم الخلفاء۔ تو جیسا وہاں نبی

کریم صلعم کے ماتحت نبی آسکتے ہیں۔ایسا ہی مسیح موعود کے بعد اور ماتحت خلفاء آسکتے ہیں۔نہ مخالفین سلسلہ کی طرح خاتم الخلفاء کے وہ معنے کئے جاویں جو وہ لوگ خاتم النبیین کے کرتے ہیں۔

(۴) چوتھا شبہ ان لوگوں کو یہ پڑا ہوا ہے کہ خلفاء اربعہ کی خلافت صرف انتظام ملکی کے لئے تھی۔مگر یہ شبہ بہت جلد زائل ہو جاتا ہے جب الفاظ حدیث پر غور کیا جائے۔مثلاً قال رسول الله صلعم خلافة النبوة ثلثون سنة ثم یؤ تی الله الملک من یشاء (رواہ ابوداؤد) ترجمہ: (رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا۔ خلافتِ نبوت تیس سال ہوگی۔پھر خدا ملک جس کے چاہیگا سپرد کریگا)۔اگر یہ بیعت صرف انتظام ملکی کے لیے ہوتی تو خلافت کے مقابل ملک کا لفظ کیوں آتا اور ۳۰ سال کی قید کیوں ہوتی حالانکہ بنو امیہ بھی ملکی بیعت لیتے رہے۔

(۵) پانچواں شبہ اس پر یہ وارد کرتے ہیں کہ لیستخلفنهم میں خلافت کا ذکر لام ونون تاکید سے کیا گیا ہے۔تو پھر کیا وجہ کہ تیس برس ہی خلافت رہے۔مگر یاد رہے کہ یہاں مدت کمال خلافت یعنی جلالی و جمالی کا ذکر ہے اس کے وجود کی نفی نہیں۔کیا عباد الرحمٰن الذین یمشون (آخری رکوع سورہ فرقان) والے مومنین کے سوا جس قدر مخلوق ہے وہ خدا کی نہیں بلکہ اور کسی کی ہے؟

(۶) چھٹا شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ آیت استخلاف خلفاء مامورین کے لئے ہے نہ کہ خلفاء غیر مامورین کے لئے؟ میں اس کے جواب میں حضرت خلیفہ اولؓ کی اصل عبارت نقل کر دیتا ہوں:

''ماموروں کے خلفاء سب ایک حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔۔۔سورۂ نور میں آیت خلافت کے بعد اللہ تعالیٰ منکرانِ خلافت کو فاسق قرار دیتا ہے۔'' (بدر ۲۹۔جولائی ۱۹۰۹ء)۔یہ جواب اس بات کا ہے کہ ''اس وقت جناب کے ہاتھ پر بیعت کرنی کیوں ضروری ہے؟''

(۷) ساتواں شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ الوصیت سے متعدد شخص بیعت لینے والے ثابت ہوتے ہیں اور ہم نے خود زبانی حضرت مسیح موعودؑ سے سنا تھا کہ اگر گاؤں گاؤں میں خلیفہ ہو جائے گا تو آپ کا کیا حرج ہے۔اس کا اول جواب تو یہی کافی ہے کہ رسالہ الوصیت کے سمجھنے والے ہم سب سے زیادہ خلیفہ اولؓ تھے۔اور انہوں نے چھ سال خلافت کر کے بتلا دیا کہ رسالہ الوصیت کے یہ معنے ہیں۔اور پھر صدر انجمن نے بوقت خلافت اولیٰ سب جماعت کی طرف خط لکھ کر بیعت کرنی ضروری بتلائی۔

دوئم یہ عرض ہے کہ یہ زبانی بات حضرت نے فرمائی ہی نہیں ہوگی ورنہ تحریر میں اور عام اشاعت میں کیوں

نہ آئی۔ مگر ہم حُسن ظنی سے کام لیتے ہیں۔ تب بھی مطلب متعدد بیعت لینے والے نہیں سمجھے جاتے۔ جیسا کہ نبی کریم صلعم نے سائل کے سوال پر کہ جب برس دن کا ایک روز ہوگا۔ تو ایک دن رات کی نماز کافی ہوگی۔ آپ صلعم نے اُس کی سمجھ کے موافق جواب دے دیا تھا۔ کہ نہ۔ بلکہ اندازہ سے برس کی نمازیں ادا کرنا۔ اس سے بظاہر تو برس کا دن ثابت ہوتا ہے۔ مگر نہ وہاں برس کا دن وقوع میں آیا اور نہ یہاں متعدد خلیفے ہونے تھے۔ یہ آپ لوگوں کی سمجھ پر جواب دیا گیا تھا۔

(۸) آٹھواں شبہ یہ الفاظ پڑھنے سے کرتے ہیں۔ ''خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی انجمن۔'' مگر ان لفظوں کو خلافت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ انجمن کی علت غائی جو حضرت مسیح موعود علیہ اسلام نے بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے:

''اس صورت میں ایک انجمن چاہئے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ (یعنی صرف وصایا کا روپیہ نہ کہ لنگر خانہ مدرسہ وغیرہ کا) جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا۔ اعلائے کلمہ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔'' (الوصیت)۔

مگر ہم تعجب سے عرض کرتے ہیں کہ خلیفہ کے متعلق بھی کثرت رائے بیعت والوں کی طرف ہی ہے۔ مگر یہ لوگ کثرت رائے کو بھی نہیں مانتے۔

(۹) نواں شبہ اُن کو یہ لگا ہوا ہے کہ کچھ مسائل جن میں مسئلہ کفر و اسلام اور غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا ہے۔ وہ مولوی محمد علی صاحب کو حضرت خلیفہ اولؓ نے عام اشاعت کے برخلاف بیان کئے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح مولوی صاحب معذور سمجھے جاتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ فتویٰ میں اشاعت شدہ امور کام آتے ہیں۔ دوسرے مخصوص شخص ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص رمضان میں دن کو عورت سے جماع کر کے نبی کریم صلعم کے بیت المال سے کھجوریں گھر لے آیا تھا۔ تو کیا وہ بھی لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتا پھرتا کہ رمضان میں دن کو عورت سے جماع کر کے بیت المال سے کھجوریں لانا مسنون امر اور یہی کفارہ ہے۔ نہیں۔ بلکہ یہ بات اسکے ساتھ مخصوص تھی۔

(۱۰) دسواں شبہ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اہل بیت سے محبت کرنے والے شیعہ تھے۔ ہم کہتے ہیں۔ خلافتِ عمرؓ کے منکر کون تھے؟ حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرنیوالے کون تھے؟ اِن دونوں پہلوؤں سے بیعت کرنیوالے ہرگز رافضی، شیعہ یا خارجی نہیں بن سکتے۔ فتدبّروا!

(۱۱) گیارھواں اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ خلیفہ شوریٰ سے ہوتا تھا۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ یہ فعل خدا کا ہے۔ اور یہی مذہب اپنا حضرت مولانا صاحب خلیفہ اولؓ چھ سال متواتر بیان کرتے رہے ہیں ۔پس خدا تعالیٰ کے واسطے آپ لوگ تقویٰ سے کام لو۔ انجمن روحانی ترقی کے لئے کچھ چیز نہیں اور نہ اس کی حالت خود تقویٰ کی ہوسکتی ہے۔ جب تک کہ ایک مطاع خلیفہ کے ماتحت نہ ہو۔ کیا دوسری انجمنیں آپ نے نہیں دیکھیں اور اس انجمن کے جنرل سیکرٹری کا حال قل اللہ ثم ذرھم سے نہیں معلوم ہوا۔ یہ سب کچھ عدم بیعت کا نتیجہ ہے۔ پھر میں آپ لوگوں سے عرض کرتا ہوں، کہ اِن لوگوں کا رُکنا ماتحت سنت اللہ ہے۔ ان میں سے سعید روحیں ضرور واپس آجائیں گی ۔صرف چندروزہ ابتلاء ہے ۔پس جو مطاع خلیفہ بننا تھا اور جس کو خدا نے بنانا تھا وہ دو ہزار موجودہ انسانوں کی فطرت نے محسوس کر کے اُس کی بیعت کر لی۔ اگر آپ لوگ بھی وہاں ہوتے تو خدائی کرشمہ دیکھ لیتے اور ضرور بیعت کر لیتے۔فقط والسلام

خاکسار محمد ابراہیم بقاپوری سیکرٹری انجمن احمدیہ
نمبر ۹۹ شمالی علاقہ سرگودھا (الفضل ۱۳۔اپریل ۱۹۱۴ء صہ ۷۔۸)

اس علاقہ سرگودہا میں جیسا کہ پہلے حصہ ''حیاتِ بقاپوری'' میں شائع کر چکا ہوں۔ چھ سات سال رہا ہوں اور یہ لوگ چونکہ میری زیر تربیت خلافت اولیٰ میں رہے اور اکثر ان میں سے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سلسلہ میں داخل ہونے کی رہنمائی فرمائی۔خلافت کی اطاعت میں قائم رہے۔

تین چار مہینے کے بعد جب ادھر سے مطمئن ہو گئے تو ماہ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کا مجھے حکم بذریعہ ڈاک پہنچا کہ آپ یہاں قادیان آجائیں۔ جب یہ حکم پہنچا تو اُسی وقت خاکسار حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔اور احباب کرام چک نمبر ۹۹ اور ۹۸ اور چک نمبر ۹ پنیار والوں نے اُس علاقہ میں رہنے کے لئے زور دیا ۔لیکن میں نے یہی کہا کہ جس کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی ہے اس کے ارشاد اور منشاء کو انشراح صدر سے پورا کرنا میرا فرض ہے۔ جب میں حضور کی خدمت میں پہنچا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ ترقی اسلام کے منتظم اعلیٰ مولوی شیر علی صاحب ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اُن سے مل کر اپنے گذارے کے متعلق بھی بات چیت کر لو۔ میں نے عرض کیا کہ جب مارچ ۱۹۰۵ء میں بوقت بیعت حضرت مسیح موعودؑ نے میرے عرض کرنے پر مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ'' مولوی

صاحب لوگوں سے کہہ دینا کہ میں نے حق کو پا لیا ہے۔اور دعا کرنے کے بعد اُن کو تبلیغ کرنا۔اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا''۔اور پھر جب آپ نے دوسرے مہینے اپریل میں مبلغین کی تحریک کی تھی تو اُس وقت بھی حافظ روشن علی صاحب اور بابا حسن محمد اور شیخ غلام احمد صاحب واعظ وغیرہ کے ساتھ میں نے بھی زندگی وقف کی ہوئی ہے۔تو جس طرح دس سال سے گذارے کا اپنا انتظام کر کے سلسلہ کے ماتحت تبلیغ کر رہا ہوں۔ایسا ہی گذارے کا انتظام میں اب بھی اپنا کرلوں گا۔

حضور نے فرمایا پہلے تو آپ انجمن کے چوبیس گھنٹہ ماتحتی میں کام نہیں کرتے تھے۔اب آپ کو یہ گذارے کے لئے لینا جائز ہے۔حضور انور نے اس پر کافی روشنی ڈال کر میری تسلی فرمادی کہ میں گو واقف زندگی ہوں مجھے اس طرح انجمن کے ماتحت رہ کر اُن سے گذارہ لینے کی شرعاً اجازت ہے۔یہ میں نے اس لئے عرض کیا ہے کہ میری طبیعت ساری عمر اسی خیال میں رہی کہ مجھے انجمن سے اضطراری حالت میں گذارہ لینا جائز ہے۔اسی واسطے میرے ترقیٔ تنخواہ کا طریقہ یہی رہا کہ جب دوسروں کی ترقی کا معاملہ حضور کی خدمت میں پیش ہوتا۔تو میرے نام کے آگے حضور خود بخود جو مناسب سمجھتے ترقی فرمادیتے۔چنانچہ میں مولوی شیر علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا کہ آپ کا گذارہ کتنے میں ہو جائے گا؟ میں نے عرض کیا کوئی دس بارہ روپے ماہوار میں۔مولوی صاحب نے میرے لئے ۱۵ روپے ماہوار گذارہ مقرر کیا۔دوسرے دن جب حضور سے ملاقات ہوئی تو حضور کے دریافت کرنے پر میں نے سارا واقعہ سنادیا۔حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ تھوڑا ہے آپ اسے زیادہ کرائیں۔میں نے عرض کیا حضور ہم دو جی اور ایک بچی ہیں۔اتنا ہی کافی ہے۔آپ نے فرمایا کہ آگے آپ کی رہائش دیہاتی تھی۔اب آپ نے شہری زندگی اختیار کرنی ہے۔اب آپ کو تکلیف ہوگی۔میں نے پھر جا کر یہ واقعہ مولوی صاحب کو سُنا دیا اور آپ نے میرے ۲۲ روپے مقرر کر دئے۔

اس گفتگو سے حضرت اقدس نے سمجھ لیا کہ میں ترقی کے لئے بھی نہیں کہوں گا۔اس واسطے اپنی مرضی سے جب دوسروں کی ترقی کے ساتھ میرا نام بھی پیش ہوتا۔تو حضور انور اس ترقی کو تھوڑا سمجھ کر زیادہ کر دیتے۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے لکھا ہے تا واقفین اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔اور جب میری پنشن مقرر ہوئی تو قاعدہ کی رو سے ۲۵ روپے کچھ آنے مقرر ہوئی۔لیکن بعد میں حضرت صاحب نے چالیس روپے کر دئے۔جس پر انجمن کے ممبران نے مجھے مبارکباد دی۔

سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء کے موقعہ پر فرمایا۔

"حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی۔ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری۔ انہوں نے ایسے وقتوں میں کام کیا ہے۔ جبکہ اُن کی کوئی مدد نہ کی جاتی تھی اور اس کام کی وجہ سے اُن کی کوئی آمد نہ تھی۔ اس طرح انہوں نے قربانی کا عملی ثبوت پیش کر کے بتا دیا کہ وہ دین کی خدمت بغیر کسی معاوضہ کے کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر اُن کی آخری عمر میں گذارے دئے جائیں تو اس سے اُن کی خدمات حقیر نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ گذارے کو اُن کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ جس قدر اُن کی امداد کرنی چاہئے اتنی ہم نہیں کر رہے۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء صہ ۲۴)

۱۴۔ ممبران صدر انجمن احمدیہ اور خلیفہ کے تعلقات پر یہ جو واقعات لکھے ہیں وہ چشمدید واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ مختصر ہے۔ جس شخص نے تفصیل دیکھنی ہو مندرجہ ذیل اخبارات ملاحظہ فرمائیں:

الحکم ۲۱۔ مارچ و ۷۔ مئی ۱۹۱۴ء۔ ۷۔ اگست ۱۹۱۵ء۔ بدر ۴، ۱۱۔ جولائی ۱۹۱۴ء۔ اور الفضل مارچ، اپریل ۱۹۱۴ء

۔

انجمن اور خلیفہ کے تعلقات

اب میں انجمن اور خلیفہ کے تعلقات کی بابت میں مختصراً عرض کرتا ہوں:

(۱) انجمن جس طرح ماموراور نبی کی مطیع ہوتی ہے اور ہر امر میں اس کی اطاعت بانشراح صدر اُسے لازمی ہے اسی طرح اس کی وفات کے بعد خلافت قائم ہونے پر خلیفہ کی اطاعت بھی لازم اور فرض ہے۔ کیونکہ اطاعت نسبت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ یعنی اصل اور ذاتی مطاع خدا تعالیٰ ہے۔ اور اطاعت اس کے حکم کی ہے ۔ وہ حکم خواہ نبی کی زبان پر جاری ہو یا اس کے خلیفہ کی زبان پر اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ البتہ کسی فقہی مسئلہ میں

اختلاف ایک حد تک جائز ہے۔لیکن جب اس میں مقابلہ کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر نہیں۔کیونکہ بیعت کا مفہوم یہی ہے کہ اُس کی رائے اور شعور ہم سے افضل ہے۔ہاں حفظِ مراتب ضروری ہے۔میں منکرین خلافت کے اختلافِ مسائل کو بُرا نہیں جانتا بلکہ اُن کا خلافت سے انکار کرنا اور خلیفہ مقررہ کے متعلق محض عیوب شماری کرتے رہنا یہ اس قدر بُرا ہے کہ آخر کار انسان کو اسلام سے دور کر دیتا ہے۔ایسا عقیدہ رکھنے والے کا نام نبی کریمﷺ اور صحابہ کرامؓ کی اصطلاح میں خارجی تھا اور قرآن کریم میں اُسے فاسق کہا گیا ہے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔(ترجمہ: پس جس نے اُس کے بعد کفر کیا تو وہ فاسقوں میں سے ہے۔)

(ب) اِن لوگوں کا تبلیغ کرنا۔اشاعت اسلام کرنا۔قربانیاں دینا۔انسان کے لیے باعث عبرت ہے اور مقامِ خوف ہے کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ (۶۱:۲۳) کہ وہ لوگ جو کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ مراد ہے کہ جو لوگ بدیاں کرتے ہیں اور پھر ڈرتے ہیں۔حضور نبی کریمﷺ نے فرمایا نہیں۔بلکہ اس سے وہ مراد ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں قربانیاں دیتے ہیں اور پھر ڈرتے ہیں کہ یہ کام خدا تعالیٰ کی رضاء کے موجب اور اس کی منشاء کے مطابق ہوئے ہیں یا نہیں۔

کیونکہ کسی کی نیکیاں قبول نہیں ہوتیں جب تک کہ وہ بدیوں سے نہ بچے اور اُن میں حسد اور کبر کا مادہ نہ پایا جائے۔اللہ تعالیٰ کی نگاہ قلوب پر ہوتی ہے۔انما یتقبل اللہ من المتقین۔(ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ صرف متقیوں سے قبول کرتے ہیں۔)

(ج) ہم مبایعین کا فرض ہے کہ نیکیاں اور قربانیاں کریں اور تکبر، رعونت، حسد اور رذیل امور سے بچیں اور ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے رہیں۔بعض احباب جو گفتگو کے وقت گالیوں پر اُتر آتے ہیں یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث شریف میں یہ علامت منافق کی بتائی گئی ہے۔

(د) نظام سلسلہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے۔نظام نام ہے خلیفہ کی اطاعت کا اور اس کے احکام کی سب سے پہلے اطاعت کرنیوالی انجمن ہی ہوسکتی ہے کیونکہ وہ اس کی مشیر ہے۔خلیفۃ راشد کا انجمن سے مشورہ کرنا تو ضروری ہے جیسا کہ و شاور هم فی الا مر۔ لیکن انجمن کا مشورہ ماننا خلیفہ کے لئے ضروری نہیں۔ اور انجمن کے لئے انشراح صدر سے خلیفہ کی ہر حالت میں تابعداری کرنا ضروری ہے۔

(ھ) خلیفہ کا ماننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح مامور من اللہ کی بیعت کرنے کے بغیر خدا تعالیٰ کی طرف سے فیوض وبرکات نازل نہیں ہوسکتے۔ گویا ماموراور اُس کے خلفاء بمنزلہ پھلدار درخت کے ہوتے ہیں۔ جوٹہنی درخت کے ساتھ پیوند ہوگی وہی ہری بھری ہوگی اوراس کو پھل لگیں گے۔ اور جوٹہنی درخت سے الگ ہو جائے گی۔ وہ سوکھ جائے گی اوراس کو پھل نہیں لگیگا۔ یہی قرآن شریف سے ثابت ہے جیسا کہ فرمایا: مثل کلمةٍ طیبةٍ کشجرةٍ طیبةٍ اصلھا ثابتٌ وفر عھا فی السمأ تؤتی اکلھا کل حین باذن ربّھا۔ (ترجمہ: کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ کی سی ہے۔ جسکی جڑیں زمین میں راسخ اورشاخیں آسمان میں پھیلی ہوتی ہیں۔ وہ ہرسال پھل بھی خدا کے اذن سے دیتا ہے)۔ اورایسا ہی ہمارے مشاہدے میں آیا۔ جنہوں نے خلافت سے علیحدگی اختیار کی انکی حالت صحیح نہ رہی بلکہ وہ دہریت کی طرف چلے گئے۔ اورکسی قسم کے ان میں روحانیت کے آثار باقی نہ رہے اورفیوض و برکات سماوی سے مرحوم ہوگئے۔ نعوذ باللہ۔

تقریر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ

اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ تقریر جو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے احمدیہ بلڈنگس لاہور میں کی تھی جو بدر ۴ و ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی ہے نقل کروں تا کہ ظاہر ہوجائے کہ مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے رفقاء امرِ خلافت میں حضرت خلیفہ اولؓ کے بھی برخلاف ہیں:

بحث خلافت:۔

تم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے بادشاہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک کیا۔ پھر اسکے مرنیکے بعد میرے ہاتھ پر تم کو تفرقہ سے بچایا۔ اس نعمت کی قدر کرو اور نکمی بحثوں میں نہ پڑو۔

خلیفہ اوّل کے وقت میں خلافت پر اعتراض:۔

میں نے دیکھا ہے کہ آج بھی کسی نے کہا کہ خلافت کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ حق کسی کا تھا اور دی گئی کسی اور کو۔ میں نے کہا کہ کسی رافضی کو جا کر کہد و کہ علیؓ کا حق تھا ابو بکرؓ نے لے لیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کی بحثوں سے تمہیں کیا اخلاقی یا روحانی فائدہ پہنچتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے چاہا خلیفہ بنا دیا اور تمہاری گردنیں اس کے سامنے جھکا دیں۔ خدا تعالیٰ کے اس فعل کے بعد بھی تم اس پر حماقت کرو تو سخت حماقت ہے۔

خلیفہ بنانا خدا کا کام ہے:۔

میں نے تمہیں بار ہا کہا ہے اور قرآن مجید سے دکھایا ہے۔ کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ آدم کو خلیفہ بنایا کس نے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انی جا عل فی الارض خلیفة**

خلیفہ پر مفسد ہونے کا الزام:۔

اس خلافت آدم پر فرشتوں نے اعتراض کیا کہ حضور وہ مفسد فی الارض اور مسفک الدم ہے۔ مگر انہوں نے اعتراض کر کے کیا پھل پایا؟ تم قرآن مجید میں پڑھ لو کہ آخر انہیں آدمؑ کے لئے سجدہ کرنا پڑا۔

خلیفہ کے سامنے سر جھکانے کا حکم:۔

پس اگر کوئی مجھ پر اعتراض کرے اور وہ اعتراض کرنے والا فرشتہ بھی ہو تو میں اُسے کہوں گا کہ:۔

آدم کی خلافت کے سامنے مسجود ہو جاؤ تو بہتر ہے

اور اگر وہ اَبٰی اور استکبار کو اپنا شعار بنا کر ابلیس بنتا ہے تو پھر یاد رکھے کہ ابلیس کو آدمؑ کی مخالفت نے کیا پھل دیا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اگر کوئی فرشتہ بن کر بھی میری خلافت پر اعتراض کرتا ہے تو سعادت مند فطرت اُسے اسجد والا دم کی طرف لے آئے گی اور اگر ابلیس ہے تو وہ اس دربار سے نکل جائے گا۔

دوسرا خلیفہ:۔

پھر دوسرا خلیفہ داؤدؑ تھا۔ **یا داؤد انا جعلنک خلیفة فی الارض۔**

داؤد کو بھی خدا نے ہی خلیفہ بنایا۔ ان کی مخالفت کرنے والوں نے تو یہاں تک ایجی ٹیشن کی کہ وہ انارکسٹ لوگ آپ کے قلعہ پر حملہ آور ہوئے اور کود پڑے۔ مگر جس کو خدا نے خلیفہ بنایا تھا۔ کون تھا، جو اس کی مخالفت کر کے نیک نتیجہ دیکھ سکے۔

ابوبکرؓ وعمرؓ کی خلافت:۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنایا۔ رافضی اب تک اس خلافت کا ماتم کر رہے ہیں۔ مگر کیا تم نہیں دیکھتے۔ کروڑوں انسان ہیں جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر درود پڑھتے ہیں۔

نورالدین کی اپنی خلافت:۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا ہی نے خلیفہ بنایا ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جس نے میرے دل کو بہت خوش کیا۔ اس کے بانیوں اور امداد کنندوں کیلئے میں نے بہت دعا کی ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ میری دعائیں عرش تک پہنچی ہیں۔ پس اس مسجد میں کھڑے ہو کر جس نے مجھے بہت خوش کیا اور اسی شہر میں آ کر اس مسجد ہی میں آنے سے خوشی ہوتی ہے میں اس کو ظاہر کرتا ہوں کہ جس طرح پر آدمؑ و داؤدؑ اور ابوبکرؓ وعمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ (جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے صوفیاء کے طریق پر بیعت کی تھی وہ غور کریں)۔

انجمن نے خلیفہ نہیں بنایا:۔

اگر کوئی کہے کہ انجمن نے خلیفہ بنایا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس قسم کے خیالات ہلاکت کی حد تک پہنچاتے ہیں تم ان سے بچو۔ پھر سُن لو مجھے نہ کسی انسان نے نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا۔

اور نہ میں کسی انجمن کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ خلیفہ بنائے۔ پس مجھ کو نہ کسی انجمن نے بنایا اور نہ میں اس کے بنانے کی قدر کرتا ہوں اور اس کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں اور نہ اب کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے۔

اب خلافت کس کا حق ہے؟:۔

اب سوال ہوتا ہے کہ خلافت حق کس کا ہے؟ ایک میرا نہایت ہی پیارا محمود ہے۔ جو میرے آقا اور محسن کا بیٹا ہے۔ پھر دامادی کے لحاظ سے نواب محمد علی خاں کو کہہ دیں۔ پھر خسر کی حیثیت سے ناصر نواب صاحب کا حق ہے یا اُم المومنین کا حق ہے جو حضرت صاحب کی بیوی ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو خلافت کے حقدار ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جو لوگ خلافت کے متعلق بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا حق کسی اور نے لے لیا۔ وہ اتنا نہیں

سوچتے کہ یہ سب کے سب میرے فرمانبردار اور وفادار ہیں اور انہوں نے اپنا دعویٰ ان کے سامنے پیش نہیں کیا۔ مجھے بدر کے ایک فقرہ سے بہت رنج ہوا کہ کوئی مرزا صاحب کا رشتہ دار نورالدین کا مرید نہیں۔ یہ سخت غلطی ہے جو کی گئی ہے۔ مرزا صاحب کی اولاد دل سے میری فدائی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود۔ بشیر۔ شریف نواب ناصر۔ نواب محمد علی خاں کرتا ہے، تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا۔ میں کسی لحاظ سے نہیں کہتا بلکہ میں ایک امر واقعہ کا اعلان کرتا ہوں۔ ان کو خدا کی رضاء کے لئے محبت ہے۔ بیوی صاحبہ کے منہ سے بیسیوں مرتبہ میں نے سُنا ہے کہ میں تو آپ کی لونڈی ہوں۔ ایڈیٹر بدر کا فرض تھا۔ کہ وہ ایسی تحریر کی فوراً تردید کرتا اور لکھ دیتا کہ یہ جھوٹ ہے۔ میاں محمود بالغ ہے اس سے پوچھ لو کہ وہ سچا فرمانبردار ہے۔ ہاں ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ سچا فرمانبردار نہیں ۔مگر نہیں میں خوب جانتا ہوں کہ

محمود سب سے بڑھ کر فرمانبردار:۔

وہ میرا سچا فرمانبردار ہے اور ایسا فرمانبردار کہ تم سے ایک بھی نہیں (جو لوگ سمجھتے ہیں کہ صاحبزادہ صاحب خلیفۃ المسیح کے خلاف عقیدہ رکھتے یا فتویٰ دیتے ہیں۔ وہ ان الفاظ پر غور کریں۔)

خلیفہ کی بیعت ہر مرد عورت پر واجب ہے:۔

جس طرح پر علیؓ، فاطمہؓ، عباسؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی (یہ جو کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی بیعت محض حکومت کے لئے تھی وہ غور کریں کہ پھر عورتیں کیوں بیعت کرتی تھیں) اس سے بھی بڑھ کر مرزا صاحب کے خاندان نے میری فرمانبرداری کی ہے اور ایک ایک ان میں سے مجھ پر فدا ہے کہ مجھے کبھی وہم بھی نہیں آسکتا کہ میرے متعلق انہیں کوئی وہم آتا ہو۔

جس طریق پر خلیفہ اوّل کا انتخاب ہوا وہ الٰہی انتخاب تھا:۔

سُنو! میرے دل میں کبھی یہ غرض نہ تھی کہ میں خلیفہ بنتا۔ میں جب مرزا صاحب کا مرید نہ تھا تب بھی میرا یہی لباس تھا۔ میں اُمراء کے پاس گیا اور معزز حیثیت میں گیا مگر تب بھی یہی لباس تھا۔ مرید ہو کر بھی میں اسی حالت میں رہا۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد جو کچھ کیا خدا تعالیٰ نے کیا۔ میرے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے چاہا اور اپنے مصالحہ سے چاہا مجھے تمہارا امام وخلیفہ بنا دیا۔ اور جو تمہارے خیال میں حقدار تھے اُن کو

بھی میرے سامنے جھکا دیا۔اب تم اعتراض کرنیوالے کون ہو۔اگر اعتراض ہے تو جاؤ خدا پر اعتراض کرو۔مگر اس گستاخی اور بے ادبی کے وبال سے بھی آگاہ رہو۔اس اخبار کو جس نے ایسا غلط واقعہ لکھا ہے۔اب بھی تلافی کرنی چاہئے۔(یہ فقرہ ایک عیسائی کا تھا اور اس کی تردید بذریعہ ضمیمہ و نیز اخبار کے اندر کردی گئی ہے۔ایڈیٹر) اور ایسے طور پر کہ ہمارے پیارے محمود اور اس کے بھائیوں سے پوچھ کر تلافی کرے۔میں کسی کا خوشامدی نہیں۔مجھے کسی کے سلام کی بھی ضرورت نہیں اور نہ تمہاری نذر اور پرورش کا محتاج ہوں۔اور خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ ایسا وہم بھی میرے دل میں گذرے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے مخفی در مخفی خزانہ دیا ہے۔کوئی انسان اور بندہ اس سے واقف نہیں ہے۔میری بیوی میرے بچے تم میں سے کسی کے محتاج نہیں۔اللہ تعالیٰ آپ اُن کا کفیل ہے۔تم کسی کی کیا کفالت کرو گے **واللہ الغنی وانتم الفقرائج** وسُنتا ہے وہ سُن لے اور خوب سن لے اور جس نے نہیں سُنا اُس کو سننے والے پہنچا دیں کہ یہ اعتراض کرنا کہ خلافت حقدار کو نہیں پہنچی رافضیوں کا عقیدہ ہے۔اس سے توبہ کرلو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جس کو حقدار سمجھا خلیفہ بنا دیا جو اُس کی مخالفت کرتا ہے وہ جھوٹا اور فاسق ہے۔فرشتے بن کر اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو۔ابلیس نہ بنو۔(خلیفہ کے مخالف اس فتویٰ کو نوٹ کرلیں)۔

خلافت کے خلاف بحث رافضیوں کا کام ہے:۔

یہ رفض کا شبہ ہے جو خلافت کی بحث تم چھیڑتے ہو۔یہ تو خدا سے شکوہ کرنا چاہئے کہ بھیرہ کا رہنے والا خلیفہ ہو گیا۔کوئی کہتا ہے کہ خلیفہ کرتا ہی کیا ہے؟ لڑکوں کو پڑھاتا ہے۔کوئی کہتا ہے کہ کتابوں کا عشق ہے۔اسی میں مبتلا رہتا ہے۔ہزار نالائقیاں مجھ پر تھوپو۔مجھ پر نہیں یہ خدا پر لگیں گی۔جس نے مجھے خلیفہ بنایا۔یہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسے رافضی ہیں جو ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما پر اعتراض کرتے ہیں۔

غرض کفر و ایمان کے اصول تم کو بتا دئے گئے ہیں۔حضرت صاحب خدا کے مرسل ہیں۔اگر وہ نبی کا لفظ اپنی نسبت نہ بولتے تو بخاری کی حدیث کو نعوذ باللہ غلط قرار دیتے۔جس میں آنیوالے کا نام نبی اللہ رکھا ہے۔پس وہ نبی کا لفظ بولنے پر مجبور ہیں۔اب اُن کے ماننے اور انکار کا مسئلہ صاف ہے۔عربی بولی میں کفر انکار ہی کو کہتے ہیں۔ایک شخص اسلام کو مانتا ہے۔اسی حصہ میں اس کو اپنا قریبی سمجھ لو۔جس طرح پر یہود کے مقابلہ میں عیسائیوں کو قریبی سمجھتے ہو۔اسی طرح پر یہ مرزا صاحب کا انکار کر کے ہمارے قریبی ہو سکتے ہیں۔اور پھر مرزا صاحب کے بعد میرا انکار ایسا ہی ہے جیسے

رافضی صحابہ کا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے بعد سلسلہ خلافت ضروری ہے:۔

آدم اور داوُدؑ کا خلیفہ ہونا میں نے پہلے بھی بیان کیا اور پھر اپنی سرکارؐ کے خلیفہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ جس طرح ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے اُسی طرح پر خدا تعالیٰ نے مجھے مرزا صاحب کے بعد خلیفہ کیا۔ اب اور سُنو! انا جعلنا کم خلئف فی الارض تم سب کو زمین میں اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کیا۔ یہ خلافت اور رنگ کی ہے۔ پس جب خلیفہ بنانا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ تو کسی اور کی کیا طاقت ہے کہ اس کے کام میں روک ڈالے۔

میرے بعد خلیفہ ضرور ہوگا:۔

اس رقعہ کو دیکھ کر سمجھاتا ہوں کہ خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں۔ تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے۔ میں جب مر جاؤں گا۔ تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کو خدا چاہے گا۔ اور خدا اُس کو آپ کھڑا کر دے گا۔ تم نے میرے ہاتھوں پر اقرار کئے ہیں۔ تم خلافت کا نام نہ لو۔ مجھے خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے۔ اور اب نہ تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ معزول کرے۔ اگر تم زیادہ زور دو گے۔ تو یاد رکھو میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے۔

خلیفہ سے لڑنا خدا سے لڑنا ہے:۔

دیکھو میری دعائیں عرش پر بھی سُنی جاتی ہیں۔ میرا مولیٰ میرے کام میری دعا سے بھی پہلے کر دیتا ہے۔ میرے ساتھ لڑائی کرنا خدا سے لڑائی کرنا ہے۔ تم ایسی باتوں کو چھوڑ دو اور توبہ کر لو۔

خلیفہ اولؓ کے بعد آنیوالے خلیفہ کے اختیارات:۔

تھوڑے دن صبر کرو۔ پھر جو پیچھے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ جیسا چاہے گا وہ تم سے معاملہ کرے گا۔

سُنو! تمہاری نزاعیں تین قسم کی ہیں۔ اول اُن امور اور مسائل کے متعلق جن کا فیصلہ حضرت صاحب نے کر دیا ہے۔ جو حضرت صاحب کے فیصلہ کے خلاف کرتا ہے وہ احمدی نہیں۔ جن پر حضرت صاحب نے گفتگو نہیں کی۔ اُن پر بولنے کا تمہیں خود کوئی حق نہیں۔ جب تک ہمارے دربار سے تم کو اجازت نہ ملے۔

پس جب تک خلیفہ نہیں بولتا یا خلیفہ کا خلیفہ دنیا میں نہیں آتا اُن پر رائے زنی نہ کرو۔ جن پر ہمارے امام اور مقتدا نے قلم نہیں اٹھایا تم ان پر جرأت نہ کرو۔ ورنہ تمہاری تحریریں اور کاغذ ردی کر دیں گے۔ (بدر ۴ ۱۱ ۔ جولائی ۱۹۱۲ء)

باب ششم

نظارت دعوۃ و تبلیغ، بزرگانِ قوم، علمائے کرام اور دیگر احباب کے

تاثرات تقریظات و خطوط

حضرت مولانا کی سیرت کے بعض پہلوؤں کی عینی شہادتیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز
کا ارشادگرامی

۱۔ ''حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی۔ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری انہوں نے ایسے وقتوں میں کام کیا۔ جبکہ ان کی کوئی مدد نہ کی جاتی تھی۔ اور اس کام کی وجہ سے ان کی کوئی آمد نہ تھی۔ اس طرح انہوں نے قربانی کا عملی ثبوت پیش کر کے بتا دیا۔ کہ وہ دین کی خدمت بغیر کسی معاوضہ کے کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر ان کی آخری زندگی میں گذارے دیئے جائیں تو اس سے ان کی خدمات حقیر نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ گذارے کو ان کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ جس قدر ان کی امداد کرنی چاہیئے۔ اتنی ہم نہیں کر رہے''
رپورٹ مجلس مشاورت صہ ۲۴ (۱۹۳۶ء)

۲۔ ۲۷۔ دسمبر ۱۹۵۴ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضور نے دوران سال میں شائع ہونے والے نئے لٹریچر کی اشاعت کی طرف دوستوں کو توجہ دلاتے ہوئے ''حیات بقاپوری'' کا بھی ذکر کیا اور فرمایا۔ دوسری کتاب ''حیات بقا پوری'' ہے۔ اس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض فتاویٰ بھی جمع کئے ہیں۔ نہ معلوم وہ ہیں جن میں وہ بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ یا ان کو پسند تھے۔ کہ انہوں نے لکھ لئے لیکن اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض خیالات اور آپ کے افکار بعض مسائل کے متعلق نہایت اعلیٰ درجہ کے لکھے گئے ہیں۔ بلکہ ایک حوالہ تو ایسا ہے جس کی ہم کو تلاش رہی۔ اور پہلے ہم کو نہیں ملا۔ اس میں ہمیں مل گیا۔ یہ بھی اچھی دلچسپ کتاب ہے''

(الفضل ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

رپورٹ صیغہ دعوت وتبلیغ علاقہ سندھ

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء)

احباب کرام کو معلوم ہوگا کہ علاقہ سندھ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک رویا کی بناء پر ۱۹۲۳ء میں مشن قائم کیا اور مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کو اس علاقہ کا امیر التبلیغ مقرر کیا تھا۔ زبان اور علاقہ کے حالات سے ناواقفیت جو ایک مبلغ کے لیے مشکلات کا موجب ہو سکتی ہیں وہی مولوی صاحب کے لیے اوّلاً سدِّ راہ ہوئیں۔ کیونکہ لوگ عام طور پر سندھی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اور مولوی صاحب اس زبان سے بالکل ناواقف تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ چندہ ماہ میں چند کتابیں سندھی کی پڑھ کر تقریر کرنے کے قابل ہو گئے۔ ۱۹۲۴ء میں ان کو دو معاون دئے گئے اور اب صرف ایک ہی معاون ان کے ساتھ ہے۔ اس علاقہ میں بھی ملکانہ کی طرح آریہ لوگ بعض قوموں ”سنجوگی قوم“ میں اپنا کام (شدھی کا) کہیں کہیں کر رہے تھے۔ لیکن مبلغین سندھ نے ایسی تمام جگہوں کا دورہ کر کے اس آنے والے سیلاب کو روک دیا۔

سال زیر رپورٹ میں مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری اپنی اور اپنے بچوں کی طویل علالت کی وجہ سے دو ماہ کی رخصت پر اپنے علاقہ سے غیر حاضر رہے۔ اس کے بعد ان کی قابل اور لائق بیٹی فوت ہو گئی اور اس وجہ سے ان کو قریباً ۲۰ یوم پھر قادیان میں رہنا پڑا۔ ان ناخوشگوار حالات میں بھی انہوں نے اپنے فرائض منصبی کو نہایت خوش اسلوبی اور جانفشانی سے ادا کیا ہے۔ ان کا مرکز روہڑی میں ہے لیکن تمام سال وہ دورہ پر رہتے ہیں۔ سال زیر رپورٹ میں ان کو دو دفعہ کراچی کی جماعت کی اصلاح وتربیت کے لیے جانا پڑا۔ علاقہ کی تمام جماعتوں کا بار بار دورہ کیا۔ نئی انجمنیں قائم کیں۔ ۵۷ کس مولوی صاحب کے ہاتھ پر داخل سلسلہ ہوئے۔ دونوں مبلغین نے ۲۸۸ مقامات کا دورہ کیا۔ آٹھ جلسے اور مناظرے ہوئے جن میں سے تین جگہوں میں سے غیر احمدیوں نے اپنے خرچ پر بلایا۔

علاقہ سندھ میں سلسلہ کے متعلق پہلے بہت نفرت اور تعصب تھا جو رفتہ رفتہ کم ہوا۔ اب لوگ سلسلہ اور

مبلغین سلسلہ اور خدمات سلسلہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ فروری میں مولوی صاحب کی تحریک پر غیر احمدیوں کی ایک ''انجمن تبلیغ اسلام سکھر'' نے ہمارے دو مبلغوں کو اپنے جلسے میں اپنے خرچ پر مرکز سے بلایا۔ اس میں ظفر علی خان صاحب مدیر زمیندار بھی بحیثیت صدر و لیکچرار مدعو تھے۔ جب انہوں نے ہمارے خلاف اپنی تقریر کے دوران میں کچھ کہنا چاہا تو پریذیڈنٹ جلسہ نے ان کو ایسا روکا کہ انہیں اپنی تقریر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ علاقے کے اخبارات بھی سلسلہ کے مداح ہیں۔ حالانکہ پہلے سخت مخالفت تھی۔ ہر طبقہ کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مولوی صاحب کا رسوخ ہے۔ غرض حالات حاضرہ و ماضیہ کے توازن سے کہا جاسکتا ہے کہ آئندہ حالات انشاء اللہ بہت ہی امید افزا ہیں۔ اور سعید روحیں بہت جلد داخل سلسلہ ہوں گی۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۹۵۔۱۹۶)

امیر التبلیغ علاقہ سندھ کی خدمات
از فتح محمد صاحب سیال ناظر دعوۃ و تبلیغ

الفضل مجریہ ۲۱۔ اگست میں مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی تبدیلی کا اعلان کرتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ ان کی خدمات سلسلہ کا ذکر انشاء اللہ آئندہ کسی دوسرے وقت کیا جائے گا۔ میرے نزدیک اس کا بہترین موقعہ ان کی واپسی پر تھا۔ لیکن میر مرید احمد صاحب و ماسٹر محمد پریل صاحب کی آمدہ چٹھی نے جو انہوں نے بغرض اشاعت میرے پاس بھیجی ہے مجھے تحریک کی ہے کہ میں بھی مختصر نوٹ مولوی صاحب کے متعلق شائع کردوں۔ لہذا میں ان

کے متعلق چند امور بیان کرتا ہوں۔ان اوصاف حمیدہ کے علاوہ جن کا ایک مبلغ اسلام میں پایا جانا لازمی ہے۔ان کا ان چار صفات سے متصف ہونا بھی ضروری ہے۔دیانت وامانت۔تقویٰ وخشیتہ اللہ۔مرکزی احکامات کی اطاعت اورافسروں سے تعاون ووفاداری۔علاقہ میں رسوخ۔

دیانت وامانت:۔

مجھے خوشی ہے کہ ان چاروں صفات سے مولوی صاحب موصوف متصف ہیں۔مولوی صاحب اپریل ۱۹۲۳ء سے علاقہ سندھ میں کام کر رہے ہیں اور اس وقت سے اب تک انہوں نے اپنے مفوضہ کام کو نہایت دیانتداری سے نبھایا ہے اور کوئی ایسی بات پیدا نہیں ہونے دی جس سے ان پر کسی قسم کی شکایت پیدا ہونے کا احتمال بھی ہوا ہو۔علاقہ سندھ کی تبلیغ ان کے سپرد کی گئی تھی۔اورانہوں نے اس مقدس کام کو اس جانفشانی اور دیانت داری کے ساتھ نبھایا ہے کہ مجھے بہت ہی کم اور شاذ ونادر کے طور پر انہیں ہدایات دینا پڑی ہیں۔اکثر انہوں نے علاقہ کی جماعتوں اور احمدی افراد کا خود ہی خیال رکھا ہے۔اور وقتاً فوقتاً ہر ایک جماعت میں جلد از جلد پہنچ کر ان کی تربیت اور تبلیغ اپنا فرض سمجھا ہے۔اور اس علاقہ سے کبھی کوئی شکایت اس رنگ میں دفتر میں نہیں پہنچی کہ مولوی صاحب فلاں فلاں جماعت کی طرف تو بار بار گئے ہیں اور ہماری طرف نہیں آئے۔بلکہ باری باری سب کا حق ادا کیا۔اور میں سمجھتا ہوں کہ دیانت اور امانت کا جو بوجھ ان کے کندھوں پر رکھ کر انہیں بھیجا گیا تھا۔اس کو انہوں نے ہمت و استقلال سے اٹھائے رکھا ہے۔

تقویٰ وخشیتہ اللہ:۔

بعض چھوٹے چھوٹے واقعات ایک متقی انسان کا پتہ دیئے بغیر نہیں رہتے۔چندہ ماہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے مجھے لکھا کہ کوئٹہ کے دوست خواہش کرتے ہیں کہ میں چند دن کے لیے اُن کے پاس جاؤں اور چونکہ کوئٹہ میرے حلقہ سے باہر ہے اس لیے اجازت طلب کرتا ہوں۔میں نے بعض وجوہ سے اجازت نہ دی۔کسی دوست نے ان کو یہاں سے لکھ دیا کہ اگر آپ وہاں جانا چاہتے ہیں تو کوئٹہ والوں کو لکھیں کہ وہ دفتر میں درخواست بھیجیں۔اس کا جواب مولوی صاحب نے اس دوست کو جیسا کہ اس نے خود بیان کیا یہ دیا کہ مجھے کوئی نفسانی خواہش تو وہاں کھینچ نہیں رہی کہ میں اتنی مصیبت میں پڑوں۔خدا کا کام کرنا ہے جہاں وہ چاہے اپنی رضا کے ماتحت لے لے۔کوئٹہ والوں کو میں نے یہی لکھ دیا ہے کہ مرکز کی طرف سے اجازت نہیں۔اس سے زیادہ یہ لکھنا کہ تم خود وہاں درخواست کرو۔میں نے

تقویٰ کے خلاف سمجھا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مجھے خود وہاں جانے کی آرزو ہے۔ یہ چھوٹا سا واقعہ ہے مگر خشیتہ اللہ کے علاوہ مرکزی احکامات کی اطاعت بھی ظاہر کرتا ہے۔

اطاعت، تعاون اور وفاداری:۔

مرکزی احکامات کی اطاعت اور اس سے تعاون اور وفاداری کا اظہار بھی انہوں نے جس عملی رنگ میں کیا ہے وہ میرے لیے کم خوش کن نہیں ہے۔ دفتر کا کوئی حکم ان کے نام ایسا نہیں پہنچا جس کی انہوں نے اطاعت نہ کی ہو۔ علاقہ سے باہر اپنی نقل و حرکت بجز صریح اجازت کے ہرگز نہیں کی حتیٰ کہ اپنی لائق اور قابل بیٹی کی مرض الموت میں وہ کراچی میں تھے۔ بعض پرائیوٹ خطوط ان کو متواتر لکھے گئے اور لڑکی کی حالت سے روزانہ اطلاع دی جاتی رہی۔ لیکن چونکہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ان کو قادیان سے واپس گئے ہوا تھا اس لیے انہوں نے واپسی کیلیے درخواست کرنے میں حجاب ہی محسوس کیا اور آخر جب لڑکی کی نازک حالت دیکھ کر میری اجازت سے انہیں تار دیا گیا تو پھر کراچی شہر سے اپنے مرکز روہڑی میں آ کر تبلیغ کے متعلق مناسب ہدایات دے کر اور ایک رات وہاں ٹھہر کر اس وقت قادیان پہنچے جب کہ مرحومہ کا جنازہ گھر سے لے جایا جا چکا تھا اور صرف ان کی انتظار ہو رہی تھی۔

تعاون و وفاداری کی یہ روح ہے کہ چند دن ہوئے کہ بوجہ علالت و بغرض علاج انہوں نے چند یوم کے لیے واپس آنے کی اجازت طلب کی۔ آمد و رفت کے اخراجات اور مالی مشکلات کی وجہ سے ان کو لکھا گیا کہ آپ ایثار کریں اور اس وقت رخصت نہ لیں۔ وہاں ہی ٹھہر کر علاج کرائیں۔ اس پر انہوں نے نہایت ہی خوشی سے اپنی رخصت کی درخواست واپس لے لی۔

علاقہ میں رسوخ:۔

ایک مبلغ کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں اس وقت تک بہت سی دشواریاں پیش آنے کا اندیشہ ہوتا ہے جب تک خاص و عام میں اس کا رسوخ نہ ہو۔ مولوی صاحب کا رسوخ نہ صرف احمدیوں تک ہی محدود تھا بلکہ وہ عامتہ الناس کے علاوہ غیر احمدیوں کے تعلیم یافتہ اور ذی اثر طبقہ میں بھی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ غیر احمدی احباب اور اسلامیہ انجمنیں جو پہلے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ساتھ شدید اختلاف رکھتی اور بات سننا گوارا نہ کرتی تھیں۔ مولوی صاحب کے حسن سلوک اور حُسن اخلاق اور رسوخ کی وجہ سے اب سلسلہ کی مداح ہیں بلکہ ہمارے مبلغوں کو خود اخراجات دے کر بلاتی ہیں (حال ہی میں ایک اسلامیہ انجمن نے اپنے جلسہ میں مولوی صاحب کو اپنا

صدر تجویز کیا) نظر بریں حالات میں خوش ہوں کہ مولوی صاحب نے اپنے فرائض کو نہایت دیانتداری، جانفشانی اور عزم واستقلال سے سرانجام دیا ہے اور علاقہ میں وہ ایک کامیاب مبلغ ثابت ہوئے ہیں۔

فتح محمد سیال ناظر دعوۃ وتبلیغ۔

(منقول از اخبار الفضل قادیان ۳۱۔ اگست ۱۹۲۸ء)

میر مُریداحمد صاحب وماسٹر محمد پریل صاحب

کی چٹھی آمد از سندھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

۱۔ ہمارے مربی ومحسن مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری امیر التبلیغ سندھ بیماری کی وجہ سے واپس دارالامان بلائے گئے ہیں اور یہ صدمہ ہمارے سندھی احباب کے لیے کچھ کم نہیں۔ کہ جس شخص نے ہمارے علاقہ میں آ کر متعصب علماء کے قبضہ سے مسلمانان سندھ کو نہ صرف آزاد کیا بلکہ بہت سی سعید روحوں کو جو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں ۔عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کا بفضلِ تعالیٰ پابند کرادیا۔ ایسے وجود کا ہم سے جدا ہونا جانکاہ صدمہ ہے۔ مگر ہمیں یہ بھی خوشی ہے کہ ہمارا یہ مبلغ سندھ مظفر ومنصور جارہا ہے۔

۲۔ جب مولانا بقاپوری صاحب اول اول ۱۹۲۴ء میں سندھ تشریف لائے تو اس وقت سندھ کے لوگوں کی حالت ملکانہ قوم کی طرح تھی۔ سنجوگی قوم پر جو سندھ میں لاکھ کے قریب ہے آریہ قوم نے ارتداد کا جال پھیلا دیا تھا۔ مگر اس خیرخواہ اسلام نے آتے ہی یہ کیا کہ جب بڑے بڑے متمول آریہ موٹروں پر چڑھ کر شان وشوکت کیساتھ اس قوم کے پنچوں پر اثر ڈالتے تھے تو یہ مبشر فقیری لباس میں ہی پیدل جاتا۔ آپ اس وقت سندھی زبان سے ناآشنا ہونے کے باوجود سندھیوں کو کسی نہ کسی طرح اپنی بات سمجھا لیتے اور اُن سے سندھی کتاب پڑھتے اور زبان بھی سیکھتے۔ آخر تیسرے ماہ بخوبی سندھی زبان میں تقریر شروع کردی۔ غرض اگر ایک جتھہ آریہ قوم کا ایک دن حافظ قرآن گوکل چند سنجوگی کے گاؤں کو آمادہ کرآتا کہ ہم تمہیں شدھ کرنے آئیں گے تو دوسرے دن مولانا بقاپوری صاحب جا کر سارا

تانابانا توڑ آتے۔ پھر اگر وہ تہجد گذار ہزاری مل صاحب کے گاؤں پر اثر ڈال آتے۔ تو یہ جا کر انہیں متنفر بنا آتے۔ آخر دسمبر ۱۹۲۳ء کو اس جنگ میں سنجوگی قوم سے آریہ قوم کو مایوسی ہوئی اور بفضل تعالیٰ ارتداد کی آگ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعا اور توجہ سے اور مولانا بقاپوری کی جدوجہد اور رات کے آنسوؤں سے سرد ہوئی۔

۳۔ مولانا بقاپوری صاحب کو دوسرے سال ۱۹۲۴ء میں علماء و فقراء اور امراء تینوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ مباحثات شروع ہو گئے۔ مولانا صاحب تنہا ہوتے اور مقابل پر غیر احمدی علماء بعض اوقات درجن تک ہوتے۔ مگر ہمیشہ بفضلِ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کی برکت سے آپ کو غلبہ ہوتا۔ جس سے جماعت احمدیہ میں لوگ داخل ہونے لگے۔ مباحثات کا بھی عجیب طرز تھا۔ جتنا بھی کوئی وقت لیتا آپ اُسے دیتے۔ اور جو سوال ہوتا چاہے کیسا ہی غیر متعلق ہوتا ہمیشہ تحقیقی جواب دیتے اور کوشش فرماتے کہ لوگ حقیقت سمجھ لیں۔ خواہ کس قدر ہی کوئی کمینہ حملہ کرتا آپ تحمل سے کام لیتے۔

۴۔ صوبہ سندھ کے مسلمان بھی اہل ہنود کی اتباع میں پنجابیوں سے بہت عداوت رکھتے ہیں۔ سندھ میں مثل ہے ''سپ ٹار پنجابی مار'' یعنی سانپ کو چھوڑو پنجابی کو مارو۔ ایسی حالت میں مولوی صاحب کو بہت سے مشکلات کا سامنا ہوا۔ آریہ لوگ دشمن ہو گئے اور مسلمانوں کے علماء و فقراء بھی دشمن ہو گئے۔ اور وطنی نفرت اس کے علاوہ تھی۔ اس لیے ہر ایک جائز و ناجائز حرکت سے حائل تبلیغ سلسلہ حقہ ہوئے۔ بعض جگہوں پر تو کلہاڑیوں کو تیز کر کے قتل پر بھی آمادہ ہوئے۔ اور گالی گلوچ کا بازار تو قریباً ہر جگہ گرم رہتا۔ مگر مولوی صاحب نے نہ کبھی گالیوں کا جواب دیا اور نہ رنج کیا۔ بلکہ رات کو بوقت سحری انکے حق میں دعائیں کرتے۔ آپ نے بعض اہل قلم احباب کو سندھ میں لکھنے کی اور بعض ذی ثروت احباب کو اپنے خرچ پر سندھی طالب علموں کو دارالامان بھیجنے کی ترغیب دی۔ جس پر بعض نے ٹریکٹ سندھی زبان میں لکھ کر شائع کئے اور بعض سندھی طالب علم دارالامان بھیجے گئے۔

۵۔ ۱۹۲۶ء میں عُسر کی حالت دور ہوئی کیونکہ سندھ میں بعض جگہ جماعتیں قائم ہو گئیں اور لوگ باتیں سننے لگے۔ علماء پر خاص طور سے رعب پڑا۔ بلکہ مولوی بقاپوری صاحب کا نام لیکر کہتے کہ ہم اُن سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس سے بھی سعید روحیں متوجہ ہوئیں اور اکثر افراد داخل سلسلہ ہوئے۔

۶۔ سندھ میں پیدل سفر کرنا نہایت ہی حقارت سے دیکھا جاتا ہے مثل مشہور ہے۔ ''پنڈے کھاں وات کتے جی چنگو''۔ یعنی پیدل سفر سے کتے کے منہ میں پڑنا اچھا ہے۔ مگر مولانا بقاپوری صاحب کی سادگی، محنت و جانفشانی کا یہ

حال تھا کہ پیدل سفر کرتے ہوئے کتابوں کی گٹھڑی اُٹھائے مولویوں کے سامنے آ کھڑے ہوتے۔ لیکن آپ کی متانت، علمی لیاقت وشیریں زبانی سے علماء اس قدر متاثر ہوتے کہ بعد مباحثہ آپ سے مخالفت چھوڑ دیتے اور آپ کا علمی نمونہ اور سجدہ میں گریہ وزاری دیکھ کر غیر احمدی آپ کو ولی اللہ سمجھتے اور جماعت احمدیہ کے لوگ تو آپ کو اپنا باپ ہی سمجھتے۔ بچوں کو بھی آپ کے آنے کی خوشی ہوتی۔ جہاں جاتے ضرور بچوں کو کچھ نہ کچھ نقدی دیتے۔

۷۔ آپ باوجود فقیری لباس میں ہونے کے کلمہ حق کے لیے اس قدر شجاع اور غیور تھے کہ بڑے بڑے روٴسا کو بھی ان کی مجلس میں جا کر صاف صاف بات سناتے۔ چنانچہ نواب صاحب خیر پور سندھ کے حقیقی بھائی علی محمد صاحب کو ان کی مجلس میں جا کر تبلیغ کی۔ اور وہ اس قدر معتقد ہوئے کہ ہمیشہ آپ کی جرأت اور لیاقت کی تعریف کرتے رہے۔ ایسا ہی ایک خان بہادر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں اپنی مجلس میں ناشائستہ الفاظ کہے تو آپ نے بے دھڑک ایسی اعلیٰ طرز سے اس کا مقابلہ کیا کہ اُسکے دوستوں نے اس کو معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ اس نے معافی مانگی۔ اسی طرح جو بھی آپ سے ایک دفعہ ہمکلام ہوتا وہ آپ کا مداح بن جاتا۔ حتیٰ کہ بعض مباحثہ کرنے والے غیر احمدی اقرار کرتے کہ مولانا بقاپوری حق پر ہیں اور صرف یہی جماعت قادیان والی دین کا کام کر رہی ہے۔ پھر اس قدر بے نفسی آپ میں تھی کہ کئی ایسے مباحثات کامیابی کے ساتھ ہوئے جن میں کئی احمدی ہوئے اور پھر کئی قسم کی تکالیف بھی آپ کو پہنچیں۔ مگر ان باتوں کی اشاعت کو آپ نے کبھی پسند نہ کیا۔ بعض اوقات بیعت لیتے وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔

۸۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے جماعت احمدیہ میں سیاست قائم کرنے کے لیے بعض سرکاری ملازموں پر (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے رہتے تھے) مقدمات کرنے کی اجازت دی۔ اور دوران مقدمہ میں ان کے معافی طلب کرنے پر معافی دے دی۔ معافی دینے پر نہ صرف دوسرے لوگ مرغوب ہوئے بلکہ وہ خود بھی معتقد ہو گئے کیونکہ ان کو صحیح باتیں سُننے کا موقعہ مل گیا۔ اس لیئے ۱۹۲۷ء و ۱۹۲۸ء میں بھی مولانا بقاپوری صاحب کو گذشتہ سالوں کی طرح لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ البتہ ان سالوں میں وجع الاعصاب سے بیمار ہوئے اور پھر دردسر، تپ اور غشی کا بھی کبھی کبھی دورہ ہو جاتا رہا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی لائق بیٹی مبارکہ مرحومہ کی وفات کا صدمہ ہوا جس نے آپ کو کمزور کر دیا۔ مگر آپ بدستور تبلیغ کرتے رہے۔ چنانچہ اس سال ۱۹۲۸ء میں بھی تقریباً ۱۵۰ اشخاص داخل سلسلہ ہوئے۔ اللّٰھم زد فزد۔

غرض یہ اول مبلغ ۱۹۲۳ء میں سندھ تشریف لائے تو اس وقت سندھی احمدیوں کی صرف ایک انجمن صوبہ ڈیرہ کی تھی۔ جس کے صرف دو چار ممبر تھے۔ اب بفضلِ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعا اور برکت سے کتنی انجمنیں ہیں اور قریباً ۵۰ دیہات وشہروں میں احمدی جماعتیں اور افراد پائے جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے اکثر غیر احمدی اب قریباً سلسلہ کے مصدق وثنا خواں پائے جاتے ہیں۔

(منقول از اخبار الفضل ۳۱۔ اگست ۱۹۲۸ء)

تذکرۂ بقاپوری

ازمولانا یعقوب علی عرفانی صاحب

مجھے ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ جماعت صحابہ کے ان بزرگوں کے تذکرے شائع ہو جائیں جنہوں نے سلسلہ کی ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں روحانی تربیت حاصل کی۔ تاکہ ان کی عملی زندگی آنے والی نسلوں کے قلوب میں نیک جذبات اور طہارت نفس کی استعدادوں کو حرکت دے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ ان بھائیوں کے تذکروں کی اشاعت کا جوش کبھی میرے قلب میں سرد نہیں ہوا جن سے مجھ کو خاص طور پر نہ صرف سلسلہ میں آنے پر تعلقات اخوت قائم ہوئے بلکہ اس سے پہلے بھی پہلے ایام طالب علمی میں ان سے تعارف ہوا۔ اور وہ تعارف ابتدائی منازل میں سے گذر کر اخوت کا رنگ اختیار کر گیا۔ اُن احباب میں ایک حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ جن سے اس وقت تعارف ہوا جب کہ وہ لدھیانہ میں علوم عربی کی تحصیل میں مصروف تھے۔ اور ان کے برادر معظم حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس پر آج ۶۴ سال کا زمانہ گذرتا ہے۔

لیل ونہار اور ماہ وسال گذرتے گئے اور ۱۸۹۱ء کے آغاز میں ہم جدا ہو گئے۔ بظاہر یہ توقع نہ تھی کہ ہم پھر بھی مل سکیں گے۔ مگر جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اَلْاَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ ذکر آیا ہے

۔پورے ۱۴ سال کے بعد ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہو کر ایک ہی باپ کے بیٹے بن گئے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ اس عہد اخوت پر بھی آج قریباً نصف صدی کا زمانہ گذرتا ہے اور ہر دن اس رشتہ کو مضبوط اور مستحکم ہی نہیں بلکہ محبت اور خلوص کے جذبات کو ابھارتا رہتا ہے۔ میں نے جب یہ معلوم کیا کہ حضرت بقاپوری کا تذکرۂ حیات شائع ہو رہا ہے تو میں نے گوارا نہ کیا کہ ان تعلقات کی سرگزشت کو بقائے دوام کے دربار میں چند سطروں کے ذریعہ محفوظ کرنے سے محروم رہوں۔ پس اسی عہد اخوت کے تاثرات کا اظہار ان سطور میں کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت بقاپوری سے میرا ابتدائی تعلق دنیا کے عرفی اسباب سے بالکل مختلف تھا۔ ان کے علمی ذوق کی وجہ سے ایک جذب ان کی طرف ہوا۔ اور میری زندگی کا اس عہد میں مجاہدانہ رنگ (جو عیسائیوں اور آریوں سے مناظرات کرنا تھا) ان کو میرے قریب کرنے کا باعث ہوا۔ انہوں نے ایک نوعمر چھوکرے کو دلیرانہ عیسائیوں سے مباحثات کرتے دیکھا۔ اور میں نے ایک ایسے طالب علم کو دیکھا جس کے چہرہ پر اس عمر میں طہارت نفس کی روشنی نمایاں تھی۔ ان کی متبسم صورت اور طبیعت میں فروتنی وانکساری کے ساتھ مومنانہ جرات کو نمایاں دیکھا۔ میرے دماغ کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ میں اپنے مشاہدات سے علمی ذوق کے تاثرات کی وسعت میں چلا جاتا ہوں۔

لودھیانہ اس وقت علوم عربیہ کا ایک مرکز تھا اور مختلف مقامات کے طالب علم وہاں تعلیم پاتے تھے۔ میں خود بھی مولوی محمد اشفاق صاحب کے مدرسہ میں ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا اور طالب علموں کے مذاق اور حالات سے واقف تھا۔ مگر ان دونوں بھائیوں میں عموماً اور حضرت بقاپوری میں خصوصاً

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

کے آثار دیکھتا تھا۔ آپ کے بڑے بھائی اپنی دماغی تربیت کی طرف زیادہ متوجہ تھے۔ مگر اس کے ساتھ وہ عملی اسلام کے مخلصانہ پابند تھے۔ اور حضرت بقاپوری اپنی علمی موشگافیوں سے زیادہ اپنی قلبی قوتوں کی ترقی کی طرف متوجہ تھے۔ جہاں تک میں نے اس وقت ان کو سمجھا تھا اور زمانہ کے ایک لمبے دَور نے مجھے اس فراست میں صحیح ثابت کیا وہ یہ تھا کہ حضرت بقاپوری کے مدنظر یہ تھا۔

ایکہ خواندی حکمت یونانیاں

حکمت روحانیاں راہم بخواں

حکمت یونانیاں کے مقابلہ میں حکمتِ ایمانیاں کو ترجیح دیتے تھے۔ اور اس عہد کے نصاب تعلیم میں ست

طالب علموں میں سے تو نہ تھے مگر ان کا مقصد جو ان کے عمل سے میں دیکھتا تھا روحانیت میں ترقی کرنا تھا۔ اور یہی تڑپ آخر انہیں اس چشمہ پر لے آئی جہاں منہاج نبوت پر روحانی علوم کی تربیت کا سلسلہ جاری تھا۔

میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنے صحیح افکار کے رنگ میں لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل ورحم سے ایک ایسا قلب عطا فرمایا ہے جو نہ کسی انسان سے مرعوب ہوتا ہے نہ خوشامد کر سکتا ہے۔ ہاں اظہار حقیقت سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت بقاپوری ایک درویش انسان کے متعلق میرا بیان ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا ثبوت آج سے ۴۸ برس اس وقت پیش ہوا جب یہ نوجوان عالم ۱۹۰۵ء میں قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کی۔ تو اس نے دوسرے مخالف الرائے علماء کے خلاف حضرت اقدس سے ان مسائل کے متعلق کچھ نہ پوچھا جو عام طور پر اس وقت زیر بحث تھے۔ وہ وفات مسیح پر بحث نہیں کرتا وہ آپ کے دعاوی کے متعلق دلائل نہیں پوچھتا۔ بلکہ اس نے جو سوالات آپ سے کئے وہ اس کی سیرت کے سمجھنے کے لیے بنیادی ماخذ ہیں۔ میں نے قادیان میں مخالف الرائے مولویوں میں سے بعض کو آتے دیکھا وہ جب آئے تو انہوں نے اپنے علم کا مظاہرہ مسائل متنازعہ پر کج بحثی سے کیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس نے اپنے آپ کو علماء کا نمائندہ ظاہر کیا اور حضرت اقدس سے نہایت گستاخی اور کج بحثی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے طریق خطاب پر حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا۔ قریب تھا کہ وہ اس کا گلا دبا دیتے مگر حضرت اقدس نے فرمایا یہ تو ہمارے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں آپ ان سے یہ توقع نہیں کر سکتے جو آپ کے دل میں میری نسبت ہے۔ اس لیے اس کو بُرا نہ منائیں۔

لیکن میں اُس وقت بھی اور آج بھی جب اس مجلس کا تصور کرتا ہوں اور جس کے حالات اَلْحَکَم میں شائع کر دئے تھے تو مجھے حضرت بقاپوری کی سیرت کا صحیح نقشہ معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے حضرت اقدس سے جو سوالات کئے وہ اصلاح نفس اور روحانی ترقی کے ذرائع معلوم کرنے کے لیے اور حضرت صاحب کے جواب پر عام علماء سُوء کی طرح ردوقدح نہیں کی۔ بلکہ پوچھتے گئے اور جواب پاتے گئے۔ میرا یقین ہے کہ اس ملاقات اول کا ذکر اس تذکرہ میں ہوگا۔ قارئین کرام جب بھی اسے پڑھیں گے تو میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔ اور وہ ایک ایسے عالم کا تصور کریں گے جو حقیقی معنوں میں قرآن مجید کے ارشاد کے موافق عالم ہیں۔ کہ عالم وہ ہیں جن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہو۔ غرض حضرت بقاپوری کے متعلق جو تصور اپنی زمانہ طالب علمی کے ملاقات کے وقت کیا تھا میں نے دیکھا کہ فارغ التحصیل ہو کر وہی مقصد پیش نظر ہے۔ غرض ان میں یہ تڑپ تھی کہ وہ اس حقیقت کو پالیں جو پیدائش

انسانی کی غایت ہے۔ وہ صوفیانہ مذاق رکھتے تھے مگر موجود تصوف کی عملی صورت کو وہ تزکیہ نفس کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔ اور وہ ان کی اس پیاس و اضطراب کو دور نہیں کرسکتی تھی۔ آخر مَنْ جَدَّ وَجَدَ کے مشہور مقولہ کے مطابق انہوں نے گوہر مقصود کو احمدیت میں پالیا۔

احمدیت ہی میں ان کے علم کو نئی زندگی ملی۔ اور وہ علم جو قَالَ، اَقُوْلُ اور لِمَ وَلَا نُسَلِّمُ کی بنیادوں پر مبنی تھا حقائق کے رنگ میں ظاہر ہونے لگا۔ انہوں نے اپنے علم کو احمدیت کا خادم بنایا۔ اور جس سچائی کو قبول کیا تھا اس کی اشاعت میں اپنی جوانی کو بڑھاپے سے بدل دیا۔ اور اپنی زندگی اس راہ میں عملاً وقف کردی۔ وہ اپنے خاندان میں احمدیت کے آدم ہیں۔ ان کے دلائل نہیں بلکہ ان کی عملی زندگی نے ان کے خاندان کو احمدیت میں داخل کردیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اُن میں خادم احمدیت ہونے کی روح پیدا کردی۔ میں نے حضرت بقاپوری کی سیرت کا یہ ایک ورق لکھا ہے۔ احمدیت میں ان کے کارنامے نمایاں ہیں اور ان کی کچھ کیفیت سابقہ اوراق میں ملے گی۔

مجھے یہ خوشی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اپنے ایک محب قدیم کے تذکرہ کی اشاعت دیکھتا ہوں۔ اور یہ خوشی اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ مجھے توفیق ملی کہ میں حق اخوت کا کچھ حصہ ادا کرسکوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب علماء کے لیے علمی لحاظ سے ہی نہیں عملی لحاظ سے بھی ایک رفیق الطریق کا کام دے گی۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتوں کی راہ نمائی کا ذریعہ بنادے اور حضرت بقاپوری کی عمر اور صحت میں برکت بخشے۔ آمین۔

خاکسار عرفانی الاسدی موسس وایڈیٹر الحکم قادیان

مکرم مولانا مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری

فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری مدتوں سلسلہ کے ایک اَن تھک اور سرگرم کارکن رہے

ہیں اور انہوں نے پیغام حق پہنچانے میں مجاہدانہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ ایسے لوگوں کے حالات ایمان افزاء ہوتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لیے ایمانی ترقی کا موجب بنتے ہیں۔اس لیے ایسے بزرگوں کی سوانح حیات کی اشاعت ایک دینی خدمت ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

مجھے حضرت مولوی صاحب سے اپنی ابتدائی زندگی سے واقفیت ہے۔ حضرت مولوی صاحب کے میرے والد صاحب مرحوم حضرت میاں امام الدین صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت مشفقانہ تعلقات تھے۔اس لیے جب میں قادیان تعلیم کے لیے آیا اور اس وقت میری عمر ۱۱،۱۲ سال تھی تو اس دوران میں کئی دفعہ جناب مولوی صاحب نے از راہ شفقت میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ مکرم مولانا بقاپوری صاحب نے پنجاب کے گوشہ گوشہ میں احمدیت کی تبلیغ کی ہے اور ایک لمبے عرصہ تک آپ صوبہ سندھ میں انچارج مبلغ رہے ہیں۔اسی لیے آپ نے سندھی زبان بھی سیکھی ہے۔آپ بفضلِ تعالیٰ سندھی میں عمدہ تقریر فرماتے ہیں۔

میرے تبلیغی زمانہ کے اوائل یعنی ۲۸۔۱۹۲۷ء کی بات ہے کہ میں اور اخویم مکرم مولوی قمر الدین صاحب فاضل سندھ کے دورہ پر بھیجے گئے۔ چونکہ حضرت مولوی بقاپوری صاحب انچارج تبلیغ صوبہ سندھ تھے۔اس لیے یہ دورہ ہم نے ان کی معیت میں کیا۔ سکھر سے لے کر زیرین اور بالائی سندھ میں جس جگہ ہمیں جانے کا اتفاق ہوا میں نے ہر جگہ محسوس کیا کہ احمدیوں میں خصوصاً اور غیر احمدیوں میں عموماً مولانا بقاپوری صاحب کے لیے نہایت محبت و احترام کے جذبات موجود تھے اور ہر جگہ لوگ ان کی نیکی اور تقوےٰ کے قائل تھے۔تبلیغ کے لیے جس ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اور جس طرح کے ہمدردانہ تعلقات کا ہونا ضروری ہے۔ میں نے مشاہدہ کیا تھا کہ وہ ماحول اور وہ تعلقات جناب مولوی صاحب نے پیدا کر رکھے تھے۔شہروں اور دیہات میں ہر جگہ یہ امر نظر آ رہا تھا کہ مولوی بقاپوری صاحب نے اپنے فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا فرمایا ہے۔ میں اس جگہ اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دورہ میں مولوی صاحب موصوف نے ہمارے ساتھ بھی نہایت مشفقانہ سلوک کیا تھا۔ جزاہ اللہ خیراً۔ سکھر میں غیر احمدیوں کی انجمن نے ہماری تقاریر کا انتظام کیا تھا۔اور تین دن تک یہ جلسے نہایت دھوم دھام سے ہوتے رہے اور ہزاروں لوگ راتوں کو بیٹھ کر تقریریں سنتے رہے اور یہ سب کچھ مولانا بقاپوری صاحب کے حسن تدبر کا نتیجہ تھا۔

سندھ کے دیہات میں جب ہم جاتے تھے تو اس موقعہ پر ہر جگہ جلسہ کا انتظام کیا جاتا۔ان جلسوں میں ہم اگرچہ اردو میں تقریر کرتے تھے جسے بالعموم سمجھا جاتا تھا مگر حضرت مولوی صاحب سندھی میں تقریریں کرتے تھے اور

تمام حاضرین ان کی عام فہم تقریروں سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ بہر حال سفر سندھ کے نیک اثرات کا نقشہ آج بھی میرے سامنے ہے۔ اور دل سے دعا نکلتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی بقاپوری صاحب کو ان کے کاموں کی نیک جزاء عطا فرمائے اور انہیں صحت والی لمبی عمر بخشے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار ابوالعطاء جالندھری

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ

فرماتے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الموعود

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک دوست مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی زندگی کے بعض واقعات جو قبولیت دعا اور تبلیغ سلسلہ سے متعلق ہیں شائع کر رہے ہیں۔

مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان صحابہ کرام میں سے ہیں جو حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی عملی طور پر اپنی زندگی دین کے لیے وقف کئے ہوئے تھے اور خدمت سلسلہ میں مصروف رہتے تھے۔ مولوی صاحب کو تبلیغ کا شروع سے ہی بہت شوق رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے بعض دفعہ اکھٹے بھی کام کیا ہے۔ اس لیے چند واقعات ذیل میں درج کرتا ہوں۔ جو درحقیقت کتاب کا ایک حصہ ہیں۔

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مکرم مولوی صاحب کو جون ۱۹۱۴ء میں قادیان بلایا۔ اس وقت آپ سرگودھا کے علاقہ میں تھے اور خود اپنے شوق سے بلا معاوضہ تبلیغ کے کام میں مصروف تھے۔

۲۔ اس کے بعد مکرم مولوی صاحب موصوف خلافت ثانیہ میں میرے ساتھ اور مکرم حافظ روشن علی صاحب مرحوم اور محترم حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہما کے ساتھ مرکز کی طرف سے جلسوں اور مباحثوں کے لیے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں سرگودھا میں میرے ساتھ محترم حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اور مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری بھی تھے۔ اس جلسہ میں جو مقامی جماعت کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا مولوی صاحب مکرم

کے سپرد خاتم النبیین کی تفسیر تھی۔ جس کو مولوی صاحب نے بفضلِ تعالیٰ اس خوبی سے نبھایا کہ ڈاکٹر محمد شریف صاحب بٹالوی جو اس وقت غیر مبائع میں سے تھے بہت متاثر ہوئے اور کچھ مدت بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کر لی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۳۔ دوسرا سفر جو ہم دونوں نے اکٹھے کیا وہ ضلع ہوشیار پور کے ایک قصبہ میں مباحثہ کے لیے کیا تھا۔ یہ سفر غالباً ۱۹۱۶ء میں ہوا ہے اور ہمارے تیسرے رفیق حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے۔ اور مد مقابل مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری تھے۔ وقت مقررہ پر ہم سب جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس وقت بہت مشہور عالم سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ان کا نام سُن سُن کر غیر احمدی لوگ دور دور سے مباحثہ سننے کے لیے آئے۔ بہت انتظار کے بعد جب مولوی صاحب نہ پہنچے تو غیر احمدیوں نے اپنے مناظر مولوی ثناء اللہ صاحب کو بلانے کے لیے آدمی بھجوایا۔ وہ شخص جب واپس آیا تو کہنے لگا کہ ہمارے مولوی صاحب کی آج مقدمہ کی سماعت ہے اس لیے نہیں آسکے۔ اتفاق سے یہ اتوار کا دن تھا۔ مولوی بقاپوری صاحب نے کھڑے ہو کر مجمع کو مخاطب کر کے جواب دیا کہ یہ خوب ہے کہ آپ کے مولویوں کے مقدمات کی سماعت اتوار کے دن ہوتی ہے! اس پر فریق ثانی کے آدمی بہت شرم سار ہوئے اور پھر ہمارے کہنے پر وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ ہماری تقریریں سُن جائیں۔

۴۔ اس کے بعد میرا ایک اور سفر مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کے ساتھ یوں ہوا کہ ہوشیار پور میں عیسائیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان ایک مباحثہ قرار پایا۔ فریقین کو تین تین دن لیکچروں اور سوال و جواب کے لیے دیئے گئے۔ مباحثہ کے مضامین یہ تھے۔

(۱) انجیل منجانب اللہ ہے اور تمام دنیا کے لیے ہے

(۲) قرآن مجید منجانب اللہ ہے اور تمام دُنیا کے لیے ہے۔

ہوشیار پور کی احمدی جماعت نے (ان دنوں وہاں راجہ علی محمد صاحب ہوتے تھے) مرکز سے مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کو اپنے طور پر وہاں بلالیا ہوا تھا جب مولوی صاحب موصوف وہاں پہنچے تو عیسائیوں کے تین دن ختم ہو چکے تھے اور غیر احمدی علماء کی تقاریر شروع تھیں۔ مگر یہ لوگ عیسائیوں کے اعتراضات سے بوکھلا گئے کہ قرآن مجید کو منجانب اللہ بھی نہ ثابت کر سکے۔ اور لاجواب سے ہو گئے۔ اس پر صاحب صدر جو ایک معزز غیر احمدی وکیل تھے انہوں نے اُٹھ کر کہا کہ مولوی صاحب سے ایسے سوالات نہ کئے جائیں جن کے وہ جواب نہ دے سکیں۔

اس پر عیسائیوں نے کہا کہ ہم کب کہتے ہیں کہ ضرور یہی مولوی صاحب جواب دیں۔ کوئی مسلمان ان سوالات کا جواب دے دے اور قرآن مجید کو منجانب اللہ ثابت کرے۔ اس پر وہاں کے بعض معزز غیر احمدیوں نے راجہ علی محمد صاحب سے کہا کہ کیا اچھا ہوتا اگر اس وقت آپ کی جماعت کے کوئی عالم یہاں موجود ہوتے تو وہ جواب دیتے۔ اس پر راجہ صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب تو آئے ہوئے ہیں۔

چنانچہ اُسی وقت اعلان کر دیا گیا کہ آج تو وقت ختم ہو رہا ہے کل جماعت احمدیہ کے ایک عالم مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری مسلمانوں کی طرف سے پیش ہو کر مقررہ موضوع پر تقریر کریں گے اور عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب دیں گے۔ اُسی وقت مولوی صاحب نے ایک خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھجوایا جس میں دعا کی درخواست کی گئی تھی۔ نیز لکھا تھا کہ مفتی محمد صادق صاحب کو بھجوا دیا جائے۔ سو اگلے روز حضور کے حکم سے خاکسار بھی ہوشیار پور جا پہنچا اور ہم دونوں نے وہاں پر تقاریر کیں اور یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید منجانب اللہ ہے اور تمام دنیا کے لیے ہے۔ نیز عیسائی معترضین کے کامیاب جواب دئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری میں بفضلِ تعالیٰ یہ خوبی ہے کہ ان کی تقریر مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم اور فریق ثانی کے دلوں کو کھینچنے کی تاثیر رکھتی ہے۔ اور فریق ثانی کے مباحث خواہ کیسی ہی اشتعال انگیزی کریں۔ مولوی صاحب کبھی غصہ میں نہیں آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مکرم مولوی صاحب موصوف اپنی عمر اور صحت کے مطابق اب بھی مرکز سلسلہ میں تعلیم و تدریس کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔

یہ مجموعہ جو شائع کیا جا رہا ہے انشاء اللہ العزیز جماعت کے نوجوانوں کے لیے اور تبلیغ کا جذبہ رکھنے والے دوستوں کے لیے بہت مفید ہوگا۔ ہمارے احمدی نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ بھی ان لوگوں کے حالات کا مطالعہ کریں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے اب تک کام کیا ہے۔ اور ہر کام میں ظاہری تدابیر کے ساتھ دعاؤں کی عادت ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو اور حافظ و ناصر ہے فقط۔ والسلام۔

خاکسار مفتی محمد صادق

بشارت احمد بشیر صاحب مبلغ مغربی افریقہ

فرماتے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محترم والد صاحب (ماسٹر محمد پریل صاحب) کو کسی ذریعہ سے علم ہوا کہ کوئی دوست حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی سوانح حیات لکھ رہے ہیں۔ اُن کے دل میں بھی تحریک پیدا ہوئی کہ وہ اس کارِ خیر میں شریک ہو کر عنداللہ ماجور ہوں۔ والد صاحب محترم نے باوجودیکہ گورنمنٹ سروس میں تھے حضرت مولوی صاحب کے ساتھ تبلیغی کاموں میں کافی حد تک دلچسپی لی تھی۔ کئی مرتبہ انہوں نے مکرم مولوی صاحب کی تبلیغی مساعی۔ اخلاص، ایثار اور خدائی تائید کے دلچسپ واقعات سنائے ہیں۔ اور چند ایک ہمارے سلسلہ کے اخبار الفضل میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

والد صاحب باوجودیکہ عدیم الفرصت تھے اور بوڑھے بھی۔ لیکن یہ کام خود شروع کرنا چاہتے تھے۔ اور آپ کی مجھے ہدایات تھیں کہ میں اخبارات کے پرانے فائلوں سے انہیں یہ مواد بہم پہنچاؤں۔ لیکن ربوہ آنے پر معلوم ہوا کہ کتاب کی طباعت میں صرف چند روز باقی ہیں اور میرے لیے یہ ناممکن تھا کہ میں اخبارات کے پرانے فائلوں کا مطالعہ کروں۔ لہذا چند ایک فائل جو میری نظر سے گذرے ہیں ان کی روشنی میں چند سطور قارئین کرام کے لیے سپرد قلم کرتا ہوں۔

حضرت مولوی صاحب کو بچپن میں میں "نانا جان" کہہ کے پکارتا تھا اور ویسے بھی مجھے ان سے طبعی انس اور محبت ہے کہ آپ نے میرے پیدا ہونے پر میرے کان میں اذان کہی اور گھٹی بھی دی۔ آپ کو ۱۹۲۳ء میں سندھ کا پہلا مبلغ مقرر کر کے بھیجا گیا۔ انہوں نے ۱۹۲۸ء تک بڑی کامیابی و کامرانی کے ساتھ تبلیغ کے مقدس فریضہ کو سرانجام دیا۔ دراصل سندھ میں جو تبلیغی مشن کھولا گیا وہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ایک خواب کی بناء پر تھا اور اس کام کے لیے حضور پرنور کی نظرِ عنایت آپ پر پڑی اور خدا کے فضل سے آپ ہی اس کام کے لیے موزوں و ممد ثابت ہوئے۔ آپ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں ۱۹۲۳ء میں تشریف لے گئے۔ اس وقت جب کہ

سندھ کے لوگوں کی حالت ملکانہ قوم کی طرح تھی۔ سنجوگی قوم جو سندھ میں تقریباً ایک لاکھ کے قریب ہے آریوں نے ان پر ارتداد کا جال پھیلا دیا تھا اور بڑے متمول ہندو اپنی موٹر کاروں میں چکر لگاتے پھرتے تھے اور ان کو شدھ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سنجوگی قوم امیرانِ سندھ کے عہد حکومت میں مسلمان ہوئی تھی لیکن انہوں نے اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے رشتہ ناطہ برقرار رکھا اور آخر تک رسوم ورواج کے پابند رہے۔ اور یہی سب سے بڑی وجہ ان کے ایمان کی کمزوری کی ثابت ہوئی۔ چنانچہ جب آپ کو علم ہوا کہ لاڑکانہ کے قریب ایک شہر ہے وہاں سنجوگی قوم کو شدھ کیا جائے گا تو آپ بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور وہاں کے رئیس حافظ گوکل چند (جو حافظ قرآن تھے) کے بارہ میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔ لیکن آپ کو ان کے گھر سے کہلا بھیجا کہ آپ یہاں پر ہی ٹھہریں اور حافظ گوکل چند صاحب جلد واپس لوٹ آئیں گے ان کے گھر ہی آپ کھانا کھائیں۔ مولوی صاحب نے انہیں بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ کہنے لگے کہ جناب ہمارے مولویوں نے کام خراب کیا ہے اور انہوں نے ہماری کچھ بھی مدد نہیں کی۔ اب تو ہم ہندوؤں سے عہد و پیمان کر چکے ہیں۔ اور پرسوں سارا شہر ہندو بن جائے گا۔ اتنے عرصہ میں شہر کے مذکورہ بالا رئیس بھی تشریف لے آئے اور انہوں نے بھی کہا کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ بعد میں جب آپ کو کھانے کے لیے کہا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہاری روٹی ہرگز نہیں کھاؤں گا اور بے اختیار رونے لگے۔ آپ کے زار زار رونے کا لوگوں پر بہت اثر ہوا اور کہنے لگے کہ آپ روٹی تو کھا لیں باتیں ہم پھر کریں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کے آنسو برابر جاری تھے۔ اس پر گوکل چند نے کہا کہ ہم تو عہد و پیمان کو توڑنا جرم سمجھتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ایمان سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے کہہ دیا کہ ہم ہرگز شدھ نہیں ہوں گے۔ اور ہم نے جن سے وعدہ کیا ہے انہیں ابھی خط بھجوا دیتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز ہمارے پاس نہ آئیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا پہلے آپ خط لکھیں پھر میں روٹی کھاؤں گا۔ اور وہ خط جو انہیں بھیجا گیا وہ مولوی صاحب نے خود ہی ان کے ذریعے لکھوایا۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور ہم بھی تمہیں اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم میں سے کسی نے مذہب کو نہیں چھوڑنا۔ اور یاد رکھو اگر کسی نے آنے کی دوبارہ کوشش کی تو وہ بہت ذلیل ہوگا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے اطمینان کا سانس لیا اور خدا کا نام لے کر روٹی کھائی۔ آپ نے وہاں چند روز قیام کر کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب یہ چٹھی آریوں کو ملی تو وہ بہت تلملائے اور دوبارہ آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ سندھ میں اس وقت مولوی صاحب کے اس کام کی وجہ سے

مسلمانوں میں بہت بڑی مقبولیت ہوئی اور غیر احمدی بھی کہنے لگے کہ یہ مولوی صاحب بہت اچھا کام کرتے ہیں۔

اس کے بعد محبت ڈیرہ کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں کے بڑے مکھی ہزاری مل تھے۔ وہاں بھی ہندوؤں سے عہد و پیمان ہو چکے تھے کہ وہ انہیں آکر شدھ کریں گے۔ مولوی صاحب بہت جلد وہاں تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ میرے والد صاحب محترم بھی تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ بات درست ہے۔ وہاں پر مسجد کے ایک مولوی صاحب مدرس کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اب ان لوگوں کو سمجھانا بے سُود ہے۔ میرا تو کامل ایمان ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ اگر یہ لوگ شدھ ہو گئے تو میں کسی اور جگہ ذریعہ معاش تلاش کروں گا۔ لیکن خدا کے فضل سے آپ کی جدوجہد سے وہ سارے کا سارا گاؤں شدھ ہونے سے بچالیا گیا۔ الحمدللہ۔

یہ بہت بڑا کارنامہ تھا جو آپ کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا۔ جب یہ ارتداد کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد موصول ہوا کہ اب سلسلہ کی تبلیغ شروع کر دیں۔ اور ساتھ ہی آپ کو بیعت لینے کی بھی اجازت دی گئی۔ جہاں تک تبلیغی واقعات کا تعلق ہے آپ محض ایک مولوی کی حیثیت سے تشریف نہیں لائے۔ سندھ پیروں، صوفیوں اور اولیاء اللہ کا مقام تھا۔ مثلاً پیر جھنڈے والے صاحب کرامات لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی صداقت پر گواہی دی اور خط کے ذریعہ بیعت لکھ کر بھیجی۔ اور یہ خط بجنسہٖ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں شائع ہوا ہے۔ اسی طرح سید عبداللطیف شاہ بھٹ والے بھی صوفی منش لوگوں میں سے تھے۔ مگر موجودہ زمانہ میں اسلام فقط نام کا باقی رہ گیا ہے۔ پیروں میں وہ تقویٰ اور اخلاص باقی نہیں رہا بلکہ اس کی جگہ پیر پرستی نے لے لی۔

حضرت مولوی صاحب بھی ایک پیر کی طرح وارد ہوئے۔ آپ کے اخلاق، طرزِ گفتگو اور حسنِ سلوک کے لوگ بہت قائل ہو گئے۔ اور بہت سے متعصب رؤساء اور پیر جو احمدیت کا نام سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے جلد ہی آپ کی تبلیغ سے رام ہو گئے۔ آپ کو سندھ چھوڑے ایک کافی لمبا عرصہ ہو چکا ہے۔ تاہم آپ کی یاد اپنوں اور بیگانوں کے دلوں میں ابھی تک زندہ ہے۔

میں جب قادیان سے واپس موسمی تعطیلات میں گھر جاتا تو غیر احمدی بھی پوچھا کرتے کہ مولوی بقاپوری صاحب کا کیا حال ہے؟ وہ آج کل کیا کرتے ہیں اور پھر انہوں نے سندھ کب آنا ہے وغیرہ۔ کبھی تو سندھیوں کی یہ حالت تھی کہ وہ پنجابیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور سندھ کی اس مشہور کہاوت کے مصداق تھے کہ سپ ٹار پنجابی

مار۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ وہ دلی تمنا رکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولوی صاحب اُن کے پاس ضرور جائیں۔

کسی ملک میں کام شروع کرنے سے قبل اس کی زبان اور رسم ورواج سے واقف ہونا لازمی ہے آپ نے چند ماہ میں سندھی زبان میں مہارت پیدا کر لی اور رسم ورواج سے بخوبی واقف ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ایک کامیاب مبلغ ثابت ہوئے۔ آپ اگر کسی متعصب رئیس کے پاس جاتے تو ان کے بچوں کو پیار کرتے اور ان کے لیے شیرینی وغیرہ ساتھ لے جاتے جس کا بہت اچھا اثر ہوتا۔

سندھ میں احمدیت کا پیغام تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہی پہنچ چکا تھا اور چند ایک سعید روحیں آپکی بیعت میں شامل بھی ہو گئی تھیں۔ اور خدا کے فضل سے میرے والد صاحب محترم کو بھی یہ موقعہ نصیب ہوا کہ آپ ۱۹۰۵ء میں قادیان جا کر حضور کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مگر منظم تبلیغ کا دور اس وقت شروع ہوا جب کہ مولوی صاحب تشریف لے آئے۔ آپ بیسیوں میل پیدل چلتے اور خدا کے پیارے مرسل کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے۔

آپ کی اُن تھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ سال کے عرصہ میں ساٹھ کے قریب جماعتیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے اکثر کو میں نے خود دیکھا ہے۔ کمال ڈیرہ، کنڈیارہ، مسن، باڈہ، بابوری، لاڑکانہ، سکھر، شکارپور، نواب شاہ، سکرنڈ، ٹانوری، قینہ، بٹیاروکوٹری، دادووغیرہ۔ اور بہت سی ایسی جماعتیں ہیں جہاں پر آپ کے زمانے میں یہ جماعتیں تو قائم ہوئیں اور اب نہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعد میں ہمارے مبلغ وہاں نہیں پہنچ سکے اور رفتہ رفتہ وہ جماعتیں دوسروں کے ساتھ مل جل کر ناپید ہو گئیں۔

یہ مختصر سے حالات تھے جو میں افادۂ عام کے لئے لکھ کر بھجوا رہا ہوں۔ خدا تعالیٰ مولوی صاحب کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو آپ کے مفصل حالات دوسرے حصہ میں شائع کروں گا۔

بشارت احمد بشیر مبلغ گولڈکوسٹ مغربی افریقہ، حال ربوہ

مکرم صوفی محمد رفیع صاحب ریٹائرڈ ڈی۔ ایس۔ پی سکھر

امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ سندھ

تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب سے میری ملاقات ۱۹۲۴ء کی آخری سہ ماہی میں سکھر میں ہوئی جب میں وہاں سب انسپکٹر پولیس ریلوے تھانہ سکھر میں متعین تھا اور محترم بابو اکبر علی صاحب مرحوم انسپکٹر آف ورکس ریلوے روہڑی میں تھے۔

حضرت مولوی صاحب کی طبیعت بڑی پاکیزہ اور علم آموز تھی۔ آپ صوفیانہ طرز پر دینی خیالات کی تعلیم دیتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام اور معرفت کی روشنی میں حقیقت کا اظہار فرماتے۔ آپ بڑے مستجاب الدعوت، ملہم الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کی استطاعت رکھنے والے ہیں۔ آپ کی کئی دعائیں قبول ہوئیں اور قبل از وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی۔

ایک دفعہ میں نے کہا کہ چونکہ میں ضلع پولیس میں رہا ہوں لہذا میری خواہش ہے اور میں کوشش بھی کر رہا ہوں کہ میں واپس ضلع پولیس میں چلا جاؤں۔ آپ بھی دعا کریں کہ ایسا ہو جائے۔ آپ نے دعا کی اور کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی تو ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالات اچھے نہیں ہوں گے۔ چنانچہ میری بدلی لاڑکانہ ضلع میں ہوئی اور وہاں کے بعض افسران بالا سے میرا اختلاف ہو گیا اور مجھے رخصت پر جانا پڑا۔ بعد میں حضرت مولوی صاحب کے تعلقات بالکل خانہ واحد والے ہو گئے اور آپ کی دعاؤں سے کئی مشکلات اور بیماریوں سے خلاصی ہوئی۔ الحمدللہ۔

ایک دفعہ میں حضرت مولوی صاحب کو اپنے والد صاحب بزرگوار صوفی محمد علی صاحب کی قبر پر لاہور قبرستان بی بی صاحبہ میں لے گیا جہاں آپ نے دعا کی اور دعا کے بعد فرمایا کہ آپ کے والد صاحب مجھ کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ اور آپ کی داڑھی حنائی ہے اور قدرے سانولا رنگ ہے۔ آپ نے میرے والد صاحب کو نہیں دیکھا ہوا تھا۔ اور پھر یہ ذکر کرنے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ کیا وہ داڑھی کو مہندی لگایا کرتے تھے وغیرہ۔ تو میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی تھا۔ الغرض مختصراً میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ کے دل کا آئینہ بہت صاف

ہے اور الٰہی فیوض کے عکس کو بڑی جلدی قبول کرتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔مگر یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت اور برکت کی طفیل ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک .

سندھ میں بحیثیت مبلغ آپ بفضل خدا بڑے کامیاب رہے اور صوفیانہ رنگ میں آپ کی تبلیغ بڑی موثر رہی۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور عاقبت بالخیر کرے۔آمین

محمد رفیع صوفی ریٹائرڈ ڈی۔ایس۔پی سکھر امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ سندھ

حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی اہلیہ محترمہ کے تاثرات

میں اپنے محترم خاوند مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کے متعلق بعض چشم دید حالات تحریر کرتی ہوں کیونکہ اہلی زندگی کے حالات کے متعلق بیوی سے زیادہ کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔جب میری شادی ہوئی تو اس وقت میری عمر اندازاً ۱۴۔۱۵ سال ہوگی اور مولوی صاحب تیس سال کے پورے جوان تھے۔اور اس وقت تقویٰ وطہارت، عبادت اور ریاضت کے پابند تھے۔میرے مرحوم والدین بھی احمدیت کے شیدائی اور عابد اور متقی انسان تھے۔میں نے سسرال میں بھی وہی رنگ دیکھا۔مجھے خوب یاد ہے کہ میں سوئی ہوئی ہوتی اور مولوی صاحب آدھی آدھی رات اُٹھ کھڑے ہوتے اور کئی کئی گھنٹے نوافل میں مشغول رہتے۔اور اللہ تعالیٰ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے کہ ایسی حالت میں ان کے پاس آرام سے سونا مشکل ہو جاتا اور کئی بار لڑکپن کے باعث جبکہ نیند بہت پیاری ہوتی ہے مجھے غصہ بھی آتا کہ نہ خود سوتے ہیں اور نہ سونے دیتے ہیں۔اور بعض وقت طبیعت میں ندامت پیدا ہوتی تو میں خود بھی اٹھ کر دو چار نفل ادا کر لیتی۔لیکن مولوی صاحب نہ تو تھکنا جانتے تھے اور نہ تھکتے تھے۔نوافل سے فارغ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتے تو ساتھ ساتھ روتے بھی جاتے۔حتیٰ کہ صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا۔جب کبھی میں عرض کرتی کہ آپ کے نزدیک تو آرام سے سونا بھی مشکل ہے تو فرماتے اگر اطمینان سے سونا چاہتی ہو تو چارپائی دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔میں نے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی طفیل یہ انعامات حاصل کئے ہیں اور مجھے ان کی بیعت اور دعاؤں کی طفیل یہ توفیق ملتی ہے۔اس لیے میں عبادت اور تلاوت کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔اور

میری عبادت اور ریاضت کیا چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اسوۂ حسنہ اختیار کرنے کے لیے ہمیں حکم ہے اُن کے تو عبادت کرتے کرتے پاؤں بھی سوج جایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب اب بھی باوجود بوڑھا ہو جانے کے نوجوانوں والی ہمت رکھتے ہیں اور شب بیداری گو پہلے کی طرح نہیں لیکن بدستور نوافل کے لیے نماز صبح سے ۳۔۴ گھنٹہ پہلے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور پھر اپنے مقررہ وظیفہ سے فارغ ہو کر کچھ آرام کرتے ہیں۔ اور اگر طبیعت اچھی ہو تو مسجد میں جماعت کے ساتھ ورنہ گھر پر نماز ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد تلاوت قرآن مجید بھی اُن کا معمول ہے۔

مولوی صاحب لین دین کے معاملات میں بہت کھرے ہیں۔ اگر کبھی قرض کی ضرورت پڑے تو وقت سے پہلے ادائیگی کا فکر رکھتے ہیں اور شکایت کا موقعہ پیدا نہیں ہونے دیتے۔ ہاؤس ٹیکس اور بجلی کے بلوں کی ادائیگی وغیرہ کے سلسلہ میں ہمیشہ یہی نصیحت کرتے ہیں کہ وقت سے پہلے ادا کیا کرو۔ اور معمولی داد و ستد بھی مانگنے سے پہلے ادا کر دیتے ہیں۔ اگر کسی مزدور سے مزدوری کراتے ہیں تو دو چار پیسے زیادہ ہی دیتے ہیں۔ گھر کے کام کاج میں ہمیشہ ہاتھ بٹاتے اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ معمولی سوال کو برا جانتے ہیں۔ جب پانی پینے کی ضرورت ہو تو خود اُٹھ کر پی لیں گے۔ اگر کہا جائے کہ ہمیں کہہ دیتے تو جواب دیتے ہیں جتنی دیر تم کو کہوں گا تو اس سے جلدی میں خود پی لوں گا۔ گھر کی ضروریات بلکہ معمولی ضروریات کا بھی پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔ صفائی پسند ہیں اور حتی الوسع متعلقین کو راحت و آرام پہنچانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور انکی تکلیف کے ازالہ کی ہر ممکن کوشش عمل میں لاتے ہیں۔

اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھتے ہیں اور کسی کام میں مشورہ کی ضرورت ہو تو پھر سب چھوٹے بڑے بچوں کو شامل کر لیتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ چھوٹوں کی شمولیت کی کیا ضرورت ہے تو کہتے ہیں کہ اس سے بچوں میں بہادری، جرأت اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ بچوں سے زیادہ تر بڑوں والی باتیں کرتے ہیں تا کہ انکے حوصلے بلند اور ہمتیں قوی ہوں۔ آپ بچوں پر بار بار غصہ نہیں ہوتے۔ اگر تربیت کے خیال سے سزا دینی ہو تو ایسے طریقے سے دیں گے جس سے بچہ کو یہ احساس ہوتا ہے کہ مجھے ناجائز طور پر سزا نہیں ملی بلکہ واقعی طور پر میں اس کا مستحق تھا۔ اس لیے اسے اصلاح کرنے اور آئندہ اس غلطی سے بچنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ آپ رقیق القلب اور نرم دل انسان ہیں۔ اگر کسی سے ناراضگی ہو جائے تو جلد ہی اسے گلے لگا لیتے ہیں۔ شرعی احکام کے پابند اور حضرت اقدس

مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ کے عاشق اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سچی عقیدت اور ارادت رکھتے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ یہی تلقین کرتے رہتے ہیں کہ اگر تم اپنی زندگیوں کو اسلامی اور اپنے گھروں کو جنت بنانا چاہتے ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اختیار کرو اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء کرام کے پاک نمونہ کو اپنا طریقِ عمل بنالو۔ اصلی کام اور نمونہ وہی ہے جو انسان خود کر کے دکھلائے۔ صرف اپنے باپ دادوں کے کارناموں پر فخر کرنا حماقت اور نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی پوری توفیق بخشے۔ آمین۔

خاکسارہ اہلیہ مولوی بقاپوری صاحب

مکرم مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور

پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرماتے ہیں:

حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی واعظانہ حیثیت

جب یہ خاکسار ۱۹۳۰ء میں مبلغین کلاس سے فارغ ہوا تو نظارت دعوۃ وتبلیغ نے ابتدائی تجربہ اور ٹریننگ کیلئے جن بزرگوں کو تجویز فرمایا اُن میں سے خصوصیت سے قابل ذکر مکرم محترم مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کا وجود ہے۔ مجھے ان کے فیضِ صحبت سے بہت ہی مفید معلومات اور تجارب حاصل ہوئے۔ انہوں نے ہمدردانہ سلوک سے مجھے بہت ہی متاثر کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مجھے محترم مولانا کے ہمراہ ۱۹۳۰ء میں بھٹنڈا، کوٹ کپورا، موگا، زیرہ، فیروزپور، قصور، جوڑا اور کھر پڑ کی جماعتوں کے دورہ کا موقعہ ملا۔ اس دورہ میں کئی مقامات پر مولوی صاحب کو اپنے سامان سمیت پیدل پانچ چھ میل تک کا سفر بھی کرنا پڑا۔ احباب جماعت مولوی صاحب کی بے تکلف اور جفاکش طبیعت سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ اور انکی پندونصائح کو پوری توجہ سے سنتے تھے۔ چونکہ مولوی صاحب کی آواز بہت بلند تھی اس لئے رات کے وقت گاؤں میں چھت پر وعظ کو تمام گاؤں کے لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں بیٹھے بھی سُن سکتے تھے۔ اور غیر احمدی علماء کا یہ پروپیگنڈا کہ احمدی علماء کے مواعظ کو نہ سنیں دھرا کا دھرا رہ جاتا تھا۔

پھر دوبارہ مولوی صاحب کے ہمراہ سامانہ، پٹیالہ اور سنور کے دورہ کا موقعہ ملا۔اسی طرح تیسری بار ۱۸ اکتوبر ۳۲ء کو بھی مولوی صاحب کے ہمراہ دار برٹن، جڑانوالہ، سید والہ کا دورہ کیا۔اس دورہ میں گیانی واحد حسین صاحب بھی ہمراہ تھے۔

مکرم مولوی صاحب کو مستورات میں تبلیغ کرنے کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ کیونکہ عموماً دیہات میں اس طبقہ کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔انکی اس حکمت عملی کی وجہ سے کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اشد مخالفین لوگ بھی اپنی مستورات کے مولوی صاحب کے وعظ سے متاثر ہونے کی وجہ سے شرارتوں سے باز رہتے تھے۔

غرضیکہ جس قدر عرصہ بھی مکرم مولوی صاحب کے ہمراہ خاکسار کو ملا۔وہ نہایت ہی مفید ثابت ہوا۔اور آئندہ تبلیغ میں اُن کا طریقِ کار اور نصائح مشعلِ راہ رہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ لہذا چند سطور بطور اظہار تشکر تحریر کردی ہیں۔

خاکسار عبدالرحمٰن انور پرائیویٹ سیکرٹری
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۴/۱۰/۵۴ ربوہ

مکرم میجر عارف زمان صاحب

نائب ناظر امور خارجہ

تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری دام فیوضہ وطال عمرہ سلسلہ احمدیہ کے ان مقدس صحابہ کے گروہ میں سے ہیں۔جن کی زندگی ہر اس انسان کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرنا چاہتا ہے مشعلِ راہ ہے۔آپ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں بیٹھنے اور فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔آپ اس

وقت ایک اچھے عالم دین تھے جب کہ آپ کو شناخت امام کی سعادت حاصل ہوئی۔آپ ظاہری علم وتفقہ فی الدین رکھنے کے علاوہ ایک صوفی منش بزرگ ہیں۔آپ کی زندگی شریعت کی قیود کا عملی نمونہ اور طریقت، حقیقت اور معرفت کی زندہ مثال ہے۔ جہاں آپ نے سلسلہ احمدیہ کے مسلک کو اپنی سوانح میں عملی نقطہ نگاہ سے پیش کیا ہے۔وہاں اپنے حالات کو بیان کر کے مختلف نشانات اور تائید ربانی سے یہ بھی ثابت کیا ہے۔کہ ہمارا خدا بڑی قدرتوں کا مالک ہے۔ اور اپنے پیاروں کے لئے جو خارق عادات نشانات دکھاتا اور غیر معمولی نصرت فرماتا ہے۔

آپ کی سوانح حیات دل چسپ ہے۔آپ کے بے سروسامان ہونے کے باوجود خدا تعالیٰ نے آپ سے امتیازی سلوک کیا۔اور آپ کو ہندوستان کے ہر صوبہ میں تبلیغ احمدیت کی توفیق بخشی۔سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کو ایک خاص شرف عطا فرمایا۔کہ آپ کو صوبہ سندھ میں تبلیغ کے لئے بھیجتے وقت وہاں کے نئے احمدی احباب سے بیعت لینے کا حکم فرمایا۔آپ کی سیرت کے پہلے ایڈیشن شائع ہونے پر ایک دفعہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

''سلسلہ احمدیہ میں صحابہ کرام کا ظہور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کیا۔ان صحابہ کی زندگی ایسے مشاہدات اور نشانات سے پُر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ثبوت دنیا کے لئے اس طرح مل گیا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں ہوا تھا۔چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

''صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا''

حضرت بقاپوری صاحب نے جو روایات اپنی سوانح حیات میں درج کی ہیں۔ان کی تائید میں احمدی اخبارات کے حوالے کثرت سے پیش کئے ہیں۔لہذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی سوانح کے واقعات صحیح ہونے کے لحاظ سے احمدیہ لٹریچر میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ مستقبل میں مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی سیرت کو انسان سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ماخذ کے طور پر پیش کر سکتا ہے۔آپ کی روایت کا سلسلہ بلا واسطہ ہے اور آپ نے بالمشافہ وہ کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنے ہیں۔اور تقریباً انہی الفاظ میں ادا بھی کئے ہیں۔

آپ سلسلہ احمدیہ کے پرانے مبلغ اور بلند پایہ مبلغ ہیں۔آپ کی تبلیغی زندگی کا کافی حصہ سندھ میں گزرا ہے۔ جہاں آپ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔سندھی لوگ پیروں کے بیحد گرویدہ ہوتے ہیں۔ان کو سہولت بہم پہنچانے کی خاطر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت مولوی صاحب کو وہاں بھیج کر سندھیوں پر ایک بہت بڑا احسان کیا۔ جہاں حضرت مولانا بقاپوری کے تقویٰ اخلاق حسنہ اور اوصاف عالیہ کا نمایاں رنگ میں مظاہرہ ہوا۔آپ اپنی تبلیغ میں اس کا بہت خیال رکھتے تھے کہ سندھی طبائع کی جہاں تک ہو سکے مخالفت نہ ہونے پائے۔اس وجہ سے سندھی آپ سے پیروں والی عقیدت رکھتے تھے اور عوام آپ کے پاس عقیدت کی بنا پر اہل وعیال سمیت دعا کیلئے آتے اور قبولیت دعا پر خوش ہو کر اپنی عقیدت میں مزید پختہ ہو کر واپس جاتے۔اور نتیجہ یہ نکلتا کہ آخر وہ ان نشانات کو دیکھ کر سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو جاتے۔یہی وجہ ہے کہ سندھ میں کبھی بھی آپ کی مخالفت نہیں ہوئی۔مناظروں میں آپ فریق مخالف کو یہ احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ آپ کا ان سے کوئی حقیقی اختلاف ہے۔ بلکہ آپ کی گفتگو سے لوگ یہی اندازہ لگاتے کہ معمولی سی کوئی غلط فہمی ہے۔جس کی اصلاح و ازالہ کی کوشش افہام وتفہیم کے ذریعے دونوں فریق نہایت خوشگوار رنگ میں کر رہے ہیں۔آپ سامعین سے کہتے کہ ہم آپ کے چچاؤں کے قائم مقام ہیں۔ ہماری باتیں سن لو پھر جس کی چاہو، مانو۔اسی طرح ایک موقعہ پر بعض لوگوں نے آپ کو کہا کہ ہم اپنا مولوی بلاتے ہیں۔آپ اس کے ساتھ بحث کریں۔اس پر آپ نے انہیں کہا۔کہ میں کیا آپ کا نہیں۔تو پھر کیا میں بانیوں (یعنی ہندوؤں) کا ہوں۔اس پر وہ لوگ شرمندہ ہو کر اس کی تردید کرنے لگے۔اور کہا کہ ہم تو آپ کو اپنا ہی مولوی سمجھتے ہیں۔اور آپ کی ہمارے دلوں میں بہت عزت ہے۔الغرض حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری بفضلِ خدا ان خوش قسمت بزرگوں میں سے ہیں۔جنہوں نے اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کر لیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر ایک کو توفیق دے۔کہ ان کے نمونہ کو دیکھ کر حسب استعداد اس سے فائدہ اٹھائیں۔آمین!

محترم چوہدری ظہور احمد صاحب

آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ

تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ میں وہی رنگ دیانت اور امانت کا پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں تھا۔ جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی زندگیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ ان بزرگوں کی دیانت اور ذمہ داری کے احساس کے بیسیوں واقعات ہم روزانہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے آج سے کئی سال پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔

میں نظارت تعلیم و تربیت میں کام کیا کرتا تھا۔ حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری واعظ مقامی تھے۔ اور بڑی محنت اخلاص اور اپنے اعلیٰ نمونہ سے اس خدمت کو سرانجام دیتے تھے۔ انسپکٹر تعلیم کا یہ کام تھا کہ وہ تربیت سے متعلق خط و کتابت کا جواب دیا کرتے۔ ایک دفعہ وہ باہر چلے گئے۔ تو یہ خدمت بھی حضرت مولانا بقاپوری کے سپرد ہوئی۔ اس میں سے ایک خط مبلغ مغربی افریقہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ کا نکالا اور مجھے بتایا کہ یہ خط اڑہائی ماہ سے آیا ہوا ہے۔ ایک استفتاء ہے۔ جس کا اثر ساری جماعت پر پڑتا ہے۔ عید کی تقریب پر اس کی ضرورت آئیگی۔ کیونکہ اس موقعہ پر وہاں ایک ایسی رسم عمل میں آتی ہے۔ جسے محترم حکیم صاحب خلاف شریعت خیال کرتے ہیں۔ اور مرکز سے رہنمائی چاہتے ہیں۔ عید میں صرف چند دن باقی تھے۔ میں نے حساب کر کے مولانا کو بتایا کہ اگر جواب اس ڈاک سے چلا جائے تو بروقت مل سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ ڈاک جانے میں صرف دو گھنٹے باقی تھے۔ اور ابھی مفتی سلسلہ سے مشورہ لینا تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ کہ اگر ان کو بروقت جواب نہ دیا گیا۔ اور کوئی کام اب خلاف شریعت ہوا۔ تو اس کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ مولانا فوراً چٹھی لے کر اٹھے اور آدھ پون گھنٹے کے بعد خوشی خوشی واپس آ گئے۔ اور فرمایا کہ میں مفتی صاحب سے فتویٰ لے آیا ہوں۔ مفتی صاحب (حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب) کو میں نے ڈھونڈ نکالا۔ جس جگہ ملے اسی جگہ بیٹھ کر ہم نے یہ کام مکمل کر لیا۔ چنانچہ وہ فتویٰ افریقہ کیلئے بروقت پوسٹ کر دیا گیا۔ اور وہاں بھی وقت پر پہنچ گیا۔ اور اسی کے مطابق عمل ہوا۔ جس کے نتیجہ میں ایک ایسا کام جو خلاف شریعت تھا۔ اور سال ہا سال سے مسلمان کہلانے والے اسے کر رہے تھے اس کا خاتمہ ہوا۔

اگر مولانا بقاپوری صاحب اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرتے تو یقیناً یہ وقت گزر جاتا۔ گو بظاہر یہ واقعہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ لیکن ان لوگوں کی دیانت اور ذمہ داری کے احساس کے علاوہ اس بات کی بھی دلیل ہے۔ کہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کا کس قدر درد ہے۔ اور وہ کس طرح اپنے دلوں میں یہ تڑپ بھی رکھتے ہیں کہ کوئی کام ان کے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور حضور کے عمل کے خلاف نہ ہو۔

اللھم صل علیٰ محمدٍ و اٰلِ محمد

مکرم مولوی ظفر الاسلام صاحب

انسپکٹر بیت المال صدر انجمن احمدیہ ربوہ

اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

میرا تو یہ ایمانی نظریہ ہے کہ صحابہ کرام کے ایمان افروز حالات زندگی کو قلم بند کرنا اور انہیں شائع کرنا یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہی مقدس سوانح حیات کو دنیا کے سامنے لانا ہے۔ صحابہ کرام کے واقعات زندگی درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہی سیرت کے اوراق ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کے حالات پیش کر کے ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ کس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت ثانیہ میں ایسے خطرناک زمانہ میں جس میں دجالیت کا ظہور اتم تھا۔ جو انتہائی درجہ کی ضلالت کا زمانہ تھا۔ جس کے مہلک اثرات سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھی ڈراتے آئے ہیں۔ اپنی قوت قدسیہ و یـزکـیّھِمْ کے ماتحت اپنی محبت میں رہنے والے نفوس کا اس قدر اعلیٰ تزکیہ فرمایا۔ اور ان کے اندر وہ روح پھونک دی۔ جس سے ان کی زندگیاں بھی معجزانہ طور پر رنگ پکڑ گئیں۔ ہمارے سامنے یہ اپنے مقتداء و پیشواء کی صداقت کے چلتے پھرتے نشان ہیں۔ اس ضمن میں میں بھی محترم حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی زندگی کے دو ایک واقعات تحریر کرتا ہوں۔ جو میں نے اپنے بزرگوار والد صاحب مرحوم سے سنے ہیں۔ میرے والد صاحب حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے گہرے دوست تھے۔ آپ نے فرمایا کہ:

۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے۔ جبکہ حضرت مولانا صاحب بقاپوری اپنا مکان تعمیر کرا رہے تھے۔ مکان کے دروازوں وغیرہ کیلئے لکڑی کا کام ایک مخلص احمدی مستری کے سپرد تھا۔ کام کے دوران ایک دن دوپہر کے وقت جب

اس مستری صاحب کا بیٹا کھانا لایا۔ اور دونوں مل کر کھانا کھانے لگے۔ تو اتفاق سے مولوی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ اور آپ کی نظر جب ان پر پڑی تو دیکھا کہ گڑ کے ساتھ روٹی کھا رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً اندر چلے گئے۔ اور سالن لے آئے۔ مستری انکار کرنے لگے۔ آپ نے اصرار کر کے دیا اور فرمایا۔ آئندہ جتنا عرصہ تمہیں یہاں کام کرنا ہوگا۔ سالن ہمارے ذمہ ہوگا۔ کام ختم ہونے پر جب مستری نے مولانا صاحب کی خدمت میں بل پیش کیا تو اس میں رقم مولانا صاحب کے تخمینہ کی رو سے کم تھی۔ وجہ پوچھی تو مستری نے بتایا۔ کہ رقم اجرت اگرچہ تین آنے فٹ کے حساب سے اتنی بنتی تھی۔ مگر میں نے آپ کیلئے پونے تین آنے فٹ کے حساب سے رقم لگائی ہے۔ کیونکہ ہم نے اتنا عرصہ آپ کا نمک کھایا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا نہیں! نہیں! میں نے آپ پر تو کوئی احسان نہیں کیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کی۔ جو آپ نے فرمایا کہ جب سالن پکاؤ۔ تو محتاج ہمسائے کی خاطر سالن کا شوربہ زیادہ کر لیا کرو۔ اچھا آپکے اس احساس کی خاطر اب میں آپکی مقرر کردہ اجرت میں بھی اضافہ کر دونگا۔ آپ کی اجرت تین آنے فٹ کے حساب سے جتنی بنتی تھی۔ اس کے بجائے اب میں سوا تین آنے فٹ کے حساب سے دوں گا۔ غرض مستری صاحب پونے تین آنے کے حساب پر مصر تھے۔ اور حضرت مولانا سوا تین پر زور دے رہے تھے۔ آخر تین آنے فٹ کے حساب سے مستری اجرت لینے پر راضی ہو گیا۔

دوسرا واقعہ جو والد صاحب نے بتایا وہ اس سے بھی بڑھ کر تعجب خیز ہے۔ یہی مستری صاحب جو حضرت مولانا صاحب کے اخلاق کا نمونہ دیکھ چکے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں اپنی ایک پیش آمدہ مشکل کے حل کیلئے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی۔ کہ میری لڑکی کے رخصتانہ کی تقریب ہے۔ میں غریب ہوں۔ مجھے اس موقعہ پر اخراجات کیلئے یکصد روپیہ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ یہ روپیہ بطور قرض مجھے دیں تو میں انشاء اللہ تعالیٰ پانچ روپے ماہوار کی صورت میں بالاقساط رقم ادا کر دوں گا۔ اس پر حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس کے متعلق میں کل جواب دونگا۔ مستری صاحب کے چلے جانے کے بعد حضرت مولوی صاحب نے اپنے گھر میں اس کا ذکر کیا۔ ان دنوں اتفاق سے آپ کے صاحبزادہ میجر ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب بھی رخصت پر گھر آئے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا صاحب کی عمدہ تربیت کا اثر بھی بحمد اللہ آپ کی اولاد پر اس قدر ہے کہ اولاد بھی آپ کے رنگ میں رنگین ہے۔ الولد سرٌ لابیہ ۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب نے اس بارہ میں اپنی خدمت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ رقم میرے ذمہ رہی۔ اس وقت تو آپ یہ رقم کہیں سے لے کر اس کی ضرورت پوری کر دیں۔ میں یہ رقم رخصت سے واپس جانے پر آپ کو بھیج دونگا۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت مولانا نے یکصد روپیہ کہیں سے لیکر مستری صاحب کو دے دیا۔ بلکہ اس کے علاوہ کچھ چاول بھی اپنی طرف سے زائد دیئے۔ تحریر اسٹامپ کے متعلق مستری کچھ کہنے لگا۔ مگر آپ نے اس

وقت یہ ظاہر نہ کیا۔ کہ یہ روپیہ بطور ہبہ ہے۔ فرمایا۔ فی الحال جا کر شادی کا انتظام تو کرو۔ مستری صاحب اپنی لڑکی کے رخصتانہ سے فارغ ہونے کے چند روز بعد جب اسٹامپ لیکر حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ اب اسٹامپ لکھوا لیجئے۔ تو ابھی حضرت مولانا صاحب بولنے بھی نہ پائے تھے کہ اندر سے آپ کے گھر والوں کی طرف سے مستری صاحب کے کان میں ایک عجیب قسم کی ہمدردی کی آواز پہنچی جس کا مستری صاحب کو وہم وگمان ہی نہ تھا۔ اندر سے بولیں۔ کہ بھائی صاحب! یہ روپیہ تو ہمارے بیٹے نے بھیجا تھا۔ یہ روپیہ آپ کو آپ کی لڑکی کے رخصتانہ کیلئے تحفہ کے طور پر دیا تھا۔ آپ ہمارے لئے اور ہمارے بیٹوں کیلئے دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو اور ہمارے اس کام کو قبول فرمائے۔ تب وہ مستری صاحب جس کا چہرہ تفکرات غربت اور ادائیگی رقم کے بوجھ کی وجہ سے مرجھایا ہوا تھا۔ اس خوشخبری کے سنتے ہی خوشی سے یک دم چمک اٹھا اور دعائیں دیتے ہوئے خوشی خوشی واپس گھر چلا گیا۔

محترم سید عباس علی شاہ صاحب

جنہیں حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور اس طرح سے آپ کو حضرت مولانا کی سیرت کے اوراق کو قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اپنے تاثرات قلبی کی شہادت اپنے ایک مکتوب میں ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

خاکسار کو معلوم ہوا ہے کہ آپ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی سوانح حیات شائع فرما رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں بھی چند سطور لکھ رہا ہوں۔ جن سے حضرت مولوی صاحب کے تعلق باللہ، موثر طرز تبلیغ اور صاف گوئی پر روشنی پڑتی ہے۔ خاکسار کا رجحان بچپن سے دین کی طرف تھا۔ اور دینی امور سے دلچسپی تھی۔ میرے رشتہ دار شیعہ خیالات رکھتے تھے۔ لیکن میرے والد بزرگوار آزاد خیال تھے۔ سر سید احمد خان کی تصانیف سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اور ان کی ان کوششوں سے جو انہوں نے مسلمانوں کی ترقی کیلئے کیں بہت حد تک متاثر تھے۔ ان کی تصانیف تفسیر قرآن اور دیگر کتب خاکسار کو پڑھنے کیلئے دیتے تھے۔ سلسلہ احمدیہ کی بھی چند کتب آپکے پاس تھیں۔ میں بھی ان کے مطالعہ سے وقتاً فوقتاً مستفید ہوتا۔ ان دنوں ہماری رہائش کوئٹہ میں تھی۔ میں نے اپنی تعلیم بھی گورنمنٹ ہائی سکول کوئٹہ میں پا کر میٹرک کا امتحان دیا۔ وہاں کوئٹہ میں بھی ایک دفعہ خاکسار نے خواب دیکھا۔ جو مولوی عبد

الرحمٰن صاحب مبشر کی کتاب، ''بشارات رحمانیہ'' میں شائع ہو چکا ہے۔اس خواب کے بعد میری کچھ توجہ سلسلہ احمدیہ کی طرف ہوئی۔اور سلسلہ کے لٹریچر کا میں مطالعہ کرنے لگا۔حسن اتفاق سے ۱۹۲۹ء میں خاکسار کی ملاقات حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے ساتھ ہوئی۔اور آپ سے سلسلہ احمدیہ کے عقاید کے متعلق گفتگو کا موقعہ ملا۔میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا صاحب بجائے اس کے کہ مناظرانہ رنگ میں دلائل پیش کر کے مجھے قائل کرنے کی کوشش فرماتے۔ آپ نے میری توجہ کو اس طرف پھیرا۔اور اس بات پر زور دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے ہمارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو گیا ہے۔وہ ہماری دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔وفات مسیح کے مسئلہ پر فرمایا۔کہ میں نے خود کشفی رنگ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ دیکھا ہے۔اب ہم کیسے مان سکتے ہیں کہ وہ جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اب تک موجود ہیں۔جبکہ سارے نبی بلکہ سید الانبیاء بھی وفات پا چکے ہیں۔حضرت مولوی صاحب کے طرز استدلال نے مجھے نہایت ہی متاثر کیا۔مجھے آپ سے یگانگت محسوس ہوتی تھی۔اور ایسا معلوم ہوتا کہ جماعت احمدیہ بھی کوئی اجنبی جماعت نہیں۔حضرت مولوی صاحب کی سادگی، نیکی، تہجد گذاری اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق یہ ایسی چیزیں تھیں۔جو دل پر بہت اثر کرنے والی تھیں۔انہی باتوں سے متاثر ہو کر خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں درخواست دعا کا خط لکھ دیا۔اور حضور جب سندھ تشریف لے جانے لگے۔تو خاکسار بھی روہڑی سٹیشن تک ہمراہ گیا۔اور پھر بہت جلد بیعت کا خط بھی لکھ دیا۔اور جلسہ سالانہ پر دستی بیعت بھی کر لی۔اس عرصہ میں وقتاً فوقتاً حضرت مولوی صاحب کی زیارت کا بھی شرف حاصل کرتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ خاکسار کو حضرت مولوی صاحب سے اور زیادہ قریب ہونے کا موقعہ ملا۔۳۶-۱۹۳۵ء میں جب کہ خاکسار نے اپنی شادی کے متعلق مختلف رشتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے استخارہ کیا تو خاکسار کو صریحاً بتایا گیا کہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کے ساتھ تعلق پیدا کروں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں وہ حالات پیدا فرما دئے۔کہ خاکسار کو آپ کی فرزندی میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔اور اس طرح مجھے آپ کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقعہ میسر آیا۔چنانچہ خاکسار ۱۹۳۶ء سے اب تک دیکھ رہا ہے۔کہ حضرت مولانا صاحب بفضلہٖ تعالیٰ نمازوں کو بغیر کسی ناغہ اور سستی کے اب تک باوجود بہت زیادہ پیرانہ سالی کے ہمیشہ اوّل وقت میں ادا کرتے ہیں۔جب بھی طبیعت ٹھیک ہو۔اب بھی مسجد میں جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ورنہ گھر میں اکثر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔آپ کی اس باقاعدگی کی وجہ سے گھر کے تمام افراد عورتیں بچے سب نمازوں میں باقاعدہ حصہ لینے کے عادی ہیں۔چندے آپ شرح صدر سے باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔پچھلی رات بلاناغہ اٹھ کر نماز تہجد باقاعدہ ادا کرتے ہیں۔اور قرآن کریم کی تلاوت صبح کو نماز سے پہلے ختم کر لیتے ہیں۔پھر

صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں۔فرائض نماز اور تہجد اور دعاؤں کا شغل جب سے میرا تعلق قائم ہوا ہے،اسی طرح بغیر ناغہ کے روزانہ چلا آتا ہے۔کیا مجال کہ اس میں اب بھی باوجود پیرانہ سالی کے فرق آیا ہو۔آپ کی ضعیفی اور کمزوری کے باوجود اس مستعدی سے ہمارا دل اکثر شرمندگی محسوس کرتا ہے۔اور باوجود خواہش اور کوشش کے ہم سب آپ سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔دعاؤں میں انہاک کی یہ حالت ہے۔کہ اب بھی جب کہ ہر طرف سے دعاؤں کے لئے خطوط آتے ہیں۔آپ ان کے لئے بڑی توجہ اور سوز سے دعائیں کرتے ہیں۔اور جیسا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو ان کو جواب لکھواتے رہتے ہیں۔چونکہ ہمیں خود بھی بعض اوقات جوابات لکھنے پڑتے ہیں۔اس لئے عینی شاہد کے طور پر معلوم ہوتا رہتا ہے۔کہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ دور و نزدیک کے احباب کی تکالیف کو دور فرماتا اور ان کی حاجات کو پورا کرتا رہتا ہے۔علمی میدان میں بھی آپ کو پوری بصیرت حاصل ہے۔نہ تو کورانہ تقلید کرتے ہیں۔اور نہ ہی ضد سے کسی بات پر اڑنے کی عادت ہے۔جب بھی کوئی بات کھٹکتی ہے۔تو بے دھڑک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حضور پیش کر دیتے ہیں۔اگر وہاں سے تائید ہو جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔اور اگر تردید ہو جائے۔تو اپنی غلطی کا برملا اعتراف کر لیتے ہیں۔چنانچہ کئی بار آپ نے ہمارے سامنے اعتراف کیا۔کہ میری ہی غلطی تھی۔

ایک دفعہ قادیان میں عید اور جمعہ اکٹھے ہو گئے۔آپ نے احادیث میں یہ روایت پڑھی ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی ہے کہ اگر جمعہ نہ پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔یہ بات جھٹ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حضور پیش کر دی۔حضور نے فرمایا۔چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھا تھا۔اس لئے ہم بھی پڑھیں گے۔یہ جواب ہمیں سنا کر کہا۔کہ حضور نے درست فرمایا ہے۔جمعہ پڑھنا ہی افضل ہے۔دوسرے علمی مسائل کے متعلق بھی آپ کا یہی طریق خود اچھی طرح مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کر کے اور سمجھ کر مانتے ہیں۔ اگر کہیں انفرادی طور پر اپنی رائے ہو تو اس کو بیان کر دیتے ہیں۔شق القمر کے متعلق ایک دفعہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ بعض مفسرین نے اس سے عرب کی حکومت کا دو ٹکڑے ہونا مراد لیا ہے۔ظاہری رنگ میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کو قانونِ قدرت کے خلاف قرار دیا ہے۔اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا۔تو اس زمانہ میں دوسری جگہوں پر بھی چاند دو ٹکڑے ہونا نظر آنا چاہیئے تھا۔اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔کہ ہم ان اختلافاتِ علمی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیصلہ کو آخری فیصلہ سمجھتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سرمہ چشم آریہ میں تحریر فرمایا ہے۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خارجی تصرفات سے شق قمر ہوا۔اور یہ کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی نظر آیا ہے۔اس سے نظام شمسی تباہ نہیں ہو سکتا۔کیونکہ زمین میں بھی ایسے بہت سے زلازل

آتے رہتے ہیں جن سے شگاف پڑ جاتے ہیں۔ پھر یہ قانون قدرت کے خلاف بھی نہیں۔ ممکن ہے کسوف وخسوف کیطرح یہ بھی مقررہ ساعات میں ہوا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کی اطلاع دے دی گئی ہو۔ یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ علمی تحقیق میں یہ طریق بہت مفید ہے۔ اور جرأت مندانہ بھی ہے۔ ہاں جب دلائل سے کوئی بات پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ تو پھر اس کو نہ ماننا ہٹ دھرمی ہو گی۔ لیکن حضرت مولوی صاحب کا گزشتہ کئی سالوں کا طریق جو خاکسار نے دیکھا۔ یہی ہے۔ کہ جب دلائل سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اسے آپ مان لیتے ہیں۔ یہ بات ہر شخص کو میسر نہیں آتی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

آخیر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ اس نیک وجود کو ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔ تا کہ ہم ان کی دعاؤں اور نیک نمونہ سے مستفید ہوتے رہیں۔ والسلام

مکرم مولوی نورالدین صاحب منیر

ممباسہ افریقہ سے تحریر فرماتے ہیں:

حیات بقاپوری کا انگریزی نسخہ دیکھا۔ خوشی ہوئی کہ انگریزی دان طبقہ کے لئے بھی آپ نے مواد بہم پہنچا دیا ہے۔ جواز دیاد ایمان کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے۔ اور آپ کے ذریعے استجابت دعا کا فیض جاری رکھے۔ آمین!

دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا فرمائے کہ اس ذریعہ سے خدمت سلسلہ کی توفیق ملے۔ امید ہے کہ آپ خاص دعا فرمائیں گے۔ اور تسلی کا خط لکھیں گے۔ اگر کوئی اشارہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ والسلام

محترم سید احمد عالمگیر صاحب

افسر صیغہ امانت وخزانہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ

تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری ایک دفعہ میرے پاس تشریف لائے۔ چونکہ میرے گھر چار لڑکیاں ہوئی تھیں۔ اور لڑکا کوئی نہ تھا۔ اس لئے میں نے ان کی خدمت میں نہایت عاجزانہ درخواست دعا کی۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت دعا فرمائی اور فرمایا کہ مجھے پانچ آدمیوں نے لڑکے کے بارہ میں دعا کے لئے کہا ہوا ہے۔ جس میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ کہ ان میں سے تین کے گھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے لڑکا ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مورخہ ۵۸۔۷۔۱۰ کو اللہ تعالیٰ نے مجھے چار لڑکیوں کے بعد پہلا لڑکا عنایت فرمایا ہے۔ الحمد لله

محترم چوہدری شبیر احمد صاحب

نائب وکیل المال تحریک جدید و مہتمم اصلاح وارشاد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

تحریر فرماتے ہیں:

انگریزی خوان طبقہ میں تبلیغ حق کی غرض سے میں نے آپ سے حیات بقاپوری کے بیس نسخے مانگے تھے۔ جو آپ نے کمال فراخ دلی سے مرحمت فرما دیئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ہمارے انگریزی لٹریچر کے مطالبہ کے پیش نظر جماعت میں ابھی خاطر خواہ مقدار میں انگریزی لٹریچر موجود نہیں۔ آپ نے حیات بقاپوری کا انگریزی میں ترجمہ کروا کر انگریزی خوان طالبان حق کیلئے صراط مستقیم تلاش کرنے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔ اسی نیت سے میں نے آپ کے عنایت فرمودہ نسخے جس ترتیب سے تقسیم کئے ہیں۔ اس کا ذکر منسلکہ فہرست میں ہے۔ آپ سے دعا کی بھی پرزور درخواست ہے۔ کہ پڑھنے والوں کے دل جلد از جلد حق کو شناخت کرلیں۔ اور اسلام کی خدمت کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ والسلام

حضرت مولانا کے برادرزادہ مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری

مولوی فاضل خطیب وواعظ مقامی درویش قادیان

تحریر فرماتے ہیں:

میں اپنے مرحوم باپ کو نہ دیکھ سکا۔ جب بھی ہوش سنبھالا۔ آپ کا سایہ اپنے آپ پر باپ کی طرح دیکھا۔ اور حقیقت یہی ہے۔ کہ میرے دل میں آپ کی محبت ایسی ہے۔ جو ایک حقیقی باپ سے ایک بیٹے کو ہوتی ہے۔ میری پیاری اور مشفقہ چچی صاحبہ جن کا نام لینے سے فرحت کا جذبہ میرے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے لئے ہمیشہ ہی مہربان والدہ کی قائم مقام رہیں۔ ان کی محبت بھری نگاہیں اور شفقت سے لبریز تکلم میرے لئے خوشی اور انبساط کا موجب رہا۔ میری ہر دم آپ دونوں بزرگوں کیلئے یہی دعائیں ہیں۔ کہ آپ دونوں کا سایہ میرے مسکین سر پر تادیر قائم رہے۔ آمین

میرے پیارے مہربان چچا! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ آپ کی وصیت کو میں اور میری اولاد سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ احمدیت جسے آپ ہمارے لئے اپنے خاندان میں بڑی مشکلات جھیل کر لائے ہیں ہمیشہ ہمیش ہمارے لئے جان سے زیادہ عزیز رہے گی۔ اور اسی ہادی کامل کی غلامی میں ہماری زندگی اور موت ہوگی۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور لائی ہوئی کتاب کو زندہ کرنے کیلئے عین وقت پر مبعوث فرمایا گیا ہے۔

وباللہ التوفیق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

میں اور میری اہلیہ جب بھی تنہائی میں آپ کا اور محترمہ چچی صاحبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ تو عجیب وجد اور سرور ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس نعمت الٰہی کا شکر ادا کرتے ہیں۔

محترم مولانا ابوالعطا صاحب جالندہری

تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے گزشتہ سال اپنے سوانح زندگی کی پہلی قسط شائع فرمائی تھی۔ اس سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اس کی دوسری قسط شائع ہوئی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی۔ تو سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک دن مسجد مبارک ربوہ میں خاکسار کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ فلاں حوالہ جس کی ہمیں پچھلے دنوں بہت ضرورت تھی۔ اور اتنے صاحبان حوالے نکالتے رہے۔ لیکن حوالہ نہ ملا تھا۔ آج اتفاقاً مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی کتاب یعنی ''حیات بقاپوری حصہ اول'' سے مل گیا۔ حضور نے اس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اور کتاب میں درج شدہ اقتباسات کی تعریف فرمائی۔

میں نے رسالہ ''حیات بقاپوری'' دیکھا ہے۔ دوسرے حصہ میں محترم مصنف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات سے ایسے اقتباسات درج کئے ہیں جو بہت مفید ہیں۔ اور جن کے ذریعہ سے بہت سے مسائل کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ جناب مولوی بقاپوری صاحب نے اکثر ایسے ہی اقتباس درج کئے ہیں۔ جن کا ذکر اس مجلس میں ہوا جس میں آپ موجود ہوتے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف صاحب کو جزائے خیر دے اور ان کی عمر میں برکت ڈالے اور اس رسالہ کو نافع الناس بنائے۔ آمین ثم آمین

محمد شفیق قیصر

متعلم جامعہ احمدیہ ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومی محترمی حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری دام معالیکم

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

مجھے مکرم معین الدین صاحب کے پاس جانے کا اکثر اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ مکرم پیر صاحب آپ کے پاس بھی آتے جاتے ہیں۔ باتوں باتوں میں آپ کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً انہوں نے مجھ سے چند ایسی باتیں بھی بیان کی ہیں۔ جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں اگر حیات بقاپوری کے کسی حصہ میں شائع ہو جائیں تو لوگوں کے ازدیادایمان کا موجب ہوسکتی ہیں۔ اس لئے میں مختصراً ان کا بیان کرتا ہوں۔

ا۔ مجھ سے مکرم پیر معین الدین صاحب نے بیاں کیا کہ جب خلاصہ تفسیر کبیر کی پہلی جلد کا مسودہ کاتب کو دیا گیا تو اس کے بعد کئی دن تک وہ بالکل لاپتہ ہوگیا۔ اس کی وجہ سے بہت فکر ہوئی۔ حضرت مولوی بقاپوری صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا گیا۔ آپ نے دعا کے بعد بتلایا کہ تفقد الطیر الہام ہوا ہے۔ جس کے معنے ہیں جستجو کرنے سے وہ مل جائے گا۔ اس کے بعد جلد ہی کاتب کا پتہ بھی چل گیا۔ اسے بعض لوگوں نے تنبیہہ بھی کی اور اس کے بعد اس کے ہاتھ سے خاطر خواہ طور پر کام بھی ہوگیا۔

۲۔ ایک دفعہ میرے خلاف بعض آدمیوں نے محض حسد کی بنا پر ایک درخواست دے رکھی تھی۔ جس وجہ سے مجھے بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں نے حضرت مولوی بقاپوری صاحب کو دعا کے لئے کہا اور یہ بھی کہا کہ دعا کریں کہ مجھے ان کاموں کے لئے حکام کے پاس نہ جانا پڑے۔ کچھ عرصہ دعا کے بعد حضرت مولوی صاحب نے بذریعہ خط اطلاع دی کہ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا الہام ہوا ہے۔ یعنی حاسد ناکام و نامراد ہو جائیں گے (خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ آپ نے مجھ سے ہی محترم پیر صاحب کو لکھوایا تھا جبکہ وہ ربوہ سے باہر تشریف لے گئے ہوئے تھے)۔

اس کے بعد فی الواقع وہ درخواست ھباء منشوراً ہی ہوگئی اور خدا تعالیٰ کے محض فضل سے مجھے دفاتر میں نہیں جانا پڑا۔ آپ کے کچھ الہام جو مستقبل کے متعلق ''نہ روک نہ ٹوک'' اور اس کتاب کے مختلف زبانوں میں تراجم کے متعلق الہام ''سات میں ہو جائے'' بھی ہے۔

اس قسم کی بعض اور باتیں بھی ہیں۔ لیکن اختصار کے مدنظر انہیں لکھا نہیں جا رہا۔ یہ خط میں نے لکھ کر مکرم پیر صاحب کو سنا دیا ہے۔ تاکہ اگر کوئی بات سمجھنے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو تو اس کی تصحیح ہو جائے۔ چنانچہ پیر صاحب موصوف نے اس خط کو سُن کر اس امر کی تصدیق فرمائی ہے۔ کہ یہ تمام باتیں اسی طرح ہوئی تھیں۔

یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض سے کئی لوگ الہام و کشوف سے

مشرف ہوئے ہیں۔کاش ہمارے غیراز جماعت بھائی اس پاک تبدیلی پر غور فرمائیں۔جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متبعین میں پیدا کردی ہے۔

والسلام

خاکسار محمد شفیق قیصر

۲۰فروری ۱۹۶۱ء متعلم جامعہ احمدیہ ربوہ

مکرم محمد سعید صاحب

سیکرٹری مال انجمن احمدیہ مونگ

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم نَحْمدُہ وَ نُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ هُو النَّاصِر

بخدمت شریف مولوی صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

اس زمانہ میں دنیا نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا سختی سے انکار کیا۔اور دعا کا بھی۔گویا اللہ تعالیٰ کو صم بکم بنایا مگر اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنا آپ ظاہر کرتا رہتا ہے۔اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کو دعا کا ہتھیار دیا گیا۔اور اسی کو آپ نے استعمال فرمایا۔آپ کے بعد آپ کے پیروؤں نے بھی اس کو استعمال کیا۔چنانچہ اس وقت بھی ربوہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والے موجود ہیں۔جو اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسوقت بھی سنتا ہے اور مدد کرتا ہے۔چنانچہ اس ذیل میں میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔میرے چھوٹے بھائی عزیزم ریاض احمد کے نکاح کے بعد اُن کے سسرال کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہو گئے۔اور حالت یہاں تک پہنچی کہ تعلقات منقطع کرنے کی ٹھان لی۔چنانچہ میں مولوی بقاپوری صاحب کے پاس گیا۔اور سارا واقعہ سنایا۔مولوی صاحب نے دعا کی۔اور فرمایا۔کہ جاؤ ریاض الجنتہ بن جائے گی۔لڑکی ضرور آپ کے گھر آجاوے گی۔چنانچہ میں گھر آ گیا۔یہ ۱۱/۵۹/

۳۱ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ریاض احمد کو مولوی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے عزیزم کو چند کلمات بتائے۔ یہ جا کر پڑھو۔ چنانچہ ایک چلّہ بھی نہ ختم ہونے پایا تھا۔ کہ عزیزم کا خسر اپنی لڑکی کو لیکر عزیزم ریاض احمد کے پاس پہنچ گیا۔ جس کی خبر ہم کو ۲۹/۶/۶۰ کو ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ مولوی صاحب کے الفاظ جو دعا کے بعد جاری ہوئے تھے۔ من وعن پورے ہوئے۔ اب لڑکی اپنے گھر آباد ہے۔

(محمد سعید سیکرٹری مال انجمن احمدیہ مونگ)

۶۔ اپریل ۱۹۶۱ء

مکرم عبدالکریم احمدی صاحب

کراچی صدر سے تحریر فرماتے ہیں:

بسم اللہ ارحمن الرحیم

سیدی حضرت مولنا مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری زاداللہ مجدا کم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا کارڑ ملا دعاؤں کا از حد ممنون ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ میری اور میری اہلیہ صاحبہ کے انجام بخیر کے لئے نیز میرے دونوں لڑکوں (محمود احمد ومنصور احمد) اور لڑکیوں مبارکہ۔ رضیہ۔ بشریٰ۔ صالحہ) کے لئے دعا فرمادیں کہ مولا کریم ان سب کو خادم دین بناوے۔ میرے دامادوں کو بھی خدا تعالیٰ خادم دین بناوے۔ آپ کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔ دو کا ذکر میں کرتا ہوں۔

میری اہلیہ صاحبہ کو درد تھا۔ اور لیڈی ڈاکٹر نے بتلایا تھا کہ یہ درد بہت قبل از وقت ہے۔ اور بہت خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اس علاج سے کچھ افاقہ نہ ہوا تو آپ عاجز کے غریب خانہ پر تشریف لائے۔

جب عاجز سکھر براج میں ہیڈ کلرک تھا۔ میں نے اس تکلیف کا آپ سے ذکر کیا۔ تو آپ نے پانی دم کر کے فرمایا کہ مریضہ کو یہ پلاتے رہیں۔ اس پانی کے پینے سے مریضہ خدا کے فضل سے شفایاب ہوگئیں۔ الحمدللہ

ایک بار آپ تشریف لائے تو اس وقت لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کی اہلیہ صاحبہ کا بچہ پیدا نہیں ہو رہا اور

وقت بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ میری ہر ایک کوشش ناکام ہو رہی ہے۔ میں نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک فرشتہ آیا ہے۔ اور اس نے کہا ہے کہ میں لیڈی ڈاکٹر اور زچہ کے درمیان کھڑا ہوتا ہوں۔ اس بشارت کے ۵ منٹ بعد لڑکی خدا کے فضل سے پیدا ہوئی۔ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ

میں آج کل مالی مشکلات میں مبتلا ہوں۔ اور زیر بار ہوں خاص طور پر دعا فرمادیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ بزرگوں کو لمبی عمر عطا ہوتا کہ آپ کے فیوض سے دنیا مستفیض ہوتی رہے۔

والسلام

حقر العباد عبد الکریم احمدی عفا اللہ عنہ۔ از کراچی صدر

حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے واقعات

از ڈاکٹر محمد اسحٰق بقاپوری ابن مولانا بقاپوری صاحب

۱۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب میں امرتسر میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میرا پھوپھی زاد بھائی بھی بمعہ بیوی بچوں کے امرتسر میں مقیم تھے۔ ۱۹۳۹ء کے اوائل میں مَیں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی کے بارے میں شکایتاً حضرت والد صاحب کو قادیان چٹھی لکھی۔ حیران میں اسوقت ہوا جب دوسرے دن ہی مجھے حضرت والد صاحب کی چٹھی امرتسر میں ملی جس میں میرے پھوپھی زاد کے واقعہ کا ذکر کر کے مجھے برداشت کی تلقین کی تھی۔ میں ہر ماہ کے آخر میں قادیان جاتا تھا۔ اس دفعہ جب میں گیا تو میں نے حضرت والد صاحب سے اس خط کا ذکر کیا کہ آپ کو اس واقعہ کا کس نے بتایا۔ میرا خیال تھا کہ پھوپھی زاد نے حضرت والد صاحب کو پہلے سے لکھدیا ہوگا۔ لیکن حضرت والد صاحب نے جواب دیا۔ نبائی العلیم الخبیرہ۔

۲۔ ربوہ جاتے ہوئے ایکدفعہ حضرت والد صاحب نے کنڈیکٹر اور ڈرائیور سے کہا کہ انکو آگے جگہ دی جائے کہ پیچھے بیٹھنے سے انکو تکلیف ہوتی ہے۔ کنڈیکٹر ڈرائیور نے پرواہ نہ کی۔ بس ابھی روانہ نہ ہوئی تھی کہ ڈرائیور کے سامنے والا شیشہ نکل کر ڈرائیور کی گود میں گر گیا۔ اسپر ڈرائیور نے کنڈیکٹر کو آواز دے کر کہا کہ ان بزرگ کو آگے لاکر

بٹھاؤیہ تو کوئی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت والد صاحب سے معافیاں مانگی گئیں اوران کو آگے بٹھایا گیا اور شیشہ اپنی جگہ پر لگا دیا گیا۔

۳۔ حضرت والد صاحب میں حسِ مزاح بھی تھی۔ ایکدفعہ ہمارے ایک رشتہ دار مسمی ضیاء اللہ ابن عطاء اللہ ربوہ میں حضرت والد صاحب سے ملنے آئے۔ انہوں نے اس خیال سے کہ حضرت بوڑھے ہیں، اونچا سنتے ہونگے آپ سے اونچی آواز سے خطاب کیا۔ حضرت اسکی بات سنتے رہے۔ جب اسنے اپنی بات ختم کی تو حضرت نے بہت ملائمت سے پوچھا ''کیوں کیا عطاء اللہ اونچا سنتا ہے'' اور ضیاء اللہ شرمندہ ہو گیا۔

۴۔ ایکدفعہ حضرت والد صاحب ربوہ سے لاہور آئے۔ مجھے فرمانے لگے کہ میں کل یہاں آیا اور آج میں فلاں کے ہاں ملنے گیا وہ۔ جماعت کی ایک مقتدر ہستی تھی۔ فرمانے لگے کہ اس نے مجھے کہا کہ مولوی صاحب آپ نے یہ کیا کیا میں یہاں رہتا ہوں آپ بجائے میرے ہاں رہنے کے 102/D میں رہائش پذیر ہوئے۔ میں نے پوچھا آپ نے کیا جواب دیا تو فرمانے لگے کہ میں خاموش ہی رہا۔ میں نے عرض کی کہ دوبارہ ملاقات ہو تو آپ ان سے وضاحت فرما دیں کہ 102/D میرے بیٹے کا اور میرا اپنا گھر ہے۔ میں اپنے گھر میں ہی رہتا ہوں۔ حضرت نے مجھے فرمایا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی مجھے ایسا ہی کہنا چاہئے اور ان صاحب سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت نے اپنے 102/D میں قیام کی وضاحت فرما دی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت والد صاحب اپنی غلطی کو تسلیم کرنے پر کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے۔

۵۔ ایک دفعہ پشاور میں جبکہ حضرت والد صاحب مولانا بقاپوری وہاں میرے پاس قیام پذیر تھے۔ آپ نے مجھ پر کسی بات پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ میں جب رات کو حضرت کے سونے سے قبل انکو چاپی کرنے گیا تو حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ اچھا میں تو سمجھا تھا کہ میری ناراضگی کی وجہ سے تم آج چاپی کیلئے نہیں آؤ گے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ناراض ہوئے وہ آپ کا حق تھا۔ یہ چاپی کرنا میرا فرض ہے۔ اس پر حضرت والد صاحب نے جو میرے حق میں دعائیں فرمائیں آپ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے۔

۶۔ مکرم خالد ہدایت صاحب بھٹی نے بیان کیا کہ جن دنوں وہ گجرات میں تعینات تھے انکو کچھ محکمانہ مشکلات پیش آئیں۔ وہ حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مشکلات بیان کر کے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے اسی وقت دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ ہدایت بھٹی صاحب بھی ساتھ ہی شامل ہوئے۔ بعد دُعا فرمایا تمہاری مشکلات دور ہونگی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر مشکلات دور ہو گئیں۔ الحمد اللہ۔

۷۔ حضرت والد صاحب کو آخری ایام میں پیشاب کی بندش کی تکلیف ہوگئی تھی کہ وہ متواتر کیتھیٹر سے پیشاب نکالنا پڑتا۔ میں شروع مارچ ۱۹۶۴ء میں رخصت لیکر پشاور سے ربوہ آیا اور آپ کو بذریعہ ایمبولینس لاہور سی ایم ایچ لایا۔ اور آفیسرز وارڈ میں داخل کرایا۔ وہاں کے کمانڈنگ آفیسر میرے پرانے کمانڈنگ آفیسر رہ چکے تھے۔ انہوں نے کمال مہربانی سے ایک نرسنگ اردلی کی سپیشل ڈیوٹی لگادی۔ مجھے بھی معلوم تھا اور حضرت والد صاحب کو بھی معلوم تھا کہ یہ انکی زندگی کا آخری سفر ہے۔ سی۔ ایم۔ ایچ میں ان دنوں کرنل (اب جنرل) محمود الحسن صاحب سرجن تھے اور انکی تجویز تھی کہ حضرت والد صاحب کا پراسٹیٹ کا اپریشن کر دیا جائے۔ لیکن حضرت والد صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی ہے کہ "تمہارا اپریشن نہیں ہوگا" اور واقعی حالات ایسے ہوگئے کہ ان کا اپریشن نہ ہوسکا۔ اپنی وفات سے تین دن قبل مجھے اپنے پاس بٹھالیا اور میری کمر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے رہے اور میں روتا رہا۔ پھر آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھالئے۔ میں بھی دعا میں شامل ہوگیا۔ بعد دعا فرمایا کہ مبارک ہو میں پاس ہوگیا ہوں۔ پھر فرمایا مبارک ہو تم بھی پاس ہوگئے ہو۔ پھر فرمایا کہ پشاور جا کر میری بہو اور بچوں کو لے آؤ انکو دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ ۱۷ مارچ ۱۹۶۴ء نماز ظہر کے بعد جبکہ میں پاس ہی کھڑا تھا میں نے بھی نظارہ دیکھا کہ آپ کی والدہ ایک سرسراہٹ کے ساتھ (جو صاف سنی گئی) آپ کے اوپر سے گذریں۔ حضرت والد صاحب جو کہ اس وقت بیہوش تھے نے بے چینی سے اپنے دونوں بازو پھیلا دئے اور حضرت دادی جان صاحبہ کے گذر جانے کے بعد بازو نیچے گر گئے۔ شام کے قریب حضرت والد صاحب کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۸ مارچ ۱۹۶۴ء کو عصر کے وقت حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ بہشتی مقبرہ میں اپنے دوست حضرت مولانا راجیکی صاحب کے پہلو میں دفن ہوئے۔

محترم ماسٹر علی محمد صاحب بے۔اے، بی۔ٹی

تحریر فرماتے ہیں:

قادیان میں ایک مکینیکل کمپنی میں میرے تین ہزار روپے کے حصص تھے۔ اوروں کے بھی تھے۔ پارٹیشن کے بعد اس کمپنی کے ڈائریکٹر نے شیئر ہولڈرز کے مفاد میں کچھ نہ کیا۔ لیکن کمپنی کے مینجر نے جو کہ خود بھی حصص کے مالک تھے اپنے طور پر سرگودھا کی عدالت میں کلیم دائر کر دیا۔ اور انکی مسلسل تگ ودو سے وہ کمپنی کے حصص کے مالکان

کے حق میں کلیم جیت گئے۔ جس سے مجھے بھی فائدہ ہوا اور مجھے میرے حصہ کی کمپنسیشن بک مل گئی۔ کچھ عرصہ کہ بعد محکمہ بحالیات نے اعلان کیا کہ جن کے کلیم پانچ ہزار روپے سے کم پاس ہوئے ہیں وہ اپنی کتابیں تحصیل ہیڈ کواٹر میں جمع کرا کر نقد رقم لے سکتے ہیں۔اس پر میں نے بھی اپنی کمپنسیشن بک اپنے تحصیل ہیڈ کواٹر چنیوٹ میں داخل کروادی ۔لیکن میرے بار بار چکر لگانے پر بھی مجھے کچھ نہ ملا کہ آپ کی کتاب نہیں مل رہی۔ اسی ضمن میں کئی دفعہ لاہور ہیڈ کواٹر بھی آیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔میں نے حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی خدمت میں دو دفعہ دعا کی درخواست کی۔ دوسری دفعہ دعا کے نتیجہ میں حضرت مولانا بقاپوری نے فرمایا کہ آپ کے کیس میں کچھ ہو رہا ہے۔اس کے بعد جب میں چنیوٹ میں تحصیل ہیڈ کواٹر میں ہیڈ کلرک سے ملا تو اس نے خوشخبری سنائی کہ آپ کی کتاب مل گئی ہے اور مجھے ۳۱۴۹ روپے ملے۔ الحمدللہ۔

محترم قمر سردار صاحب

الفضل ۱۱۔اکتوبر ۱۹۹۷ء میں حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ ایک دفعہ آپ میرے کیریئر کے متعلق دعا کر رہے تھے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کچھ عرصہ بعد میری تعیناتی کہ سلسلے میں کچھ واقعات تسلسل کے ساتھ ہونگے۔ پہلے مجھے پشاور میں پوسٹ کیا جائے گا اور اس کے بعد ایک نئے شہر میں جسکے اطراف میں سرگودھا کی طرز پر پہاڑیاں واقع ہونگی اور اس کے بعد کراچی ۔اور اس طرح یہ سلسلہ مکمل ہوگا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ نیا شہر جسکے اطراف میں پہاڑیاں ہونگی اس کا نام وہ نہیں بتا سکے۔انہیں اتنا علم تھا کہ یہ شہر پاکستان میں ہے۔

تقریباً سات سال کا عرصہ گزرنے کہ بعد ۱۹۶۶ء میں یہ سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے مجھے پشاور میں تعینات کیا گیا اسکے بعد میرا تبادلہ راولپنڈی ہو گیا جہاں میں چند ماہ رہا۔اسکے کہ بعد مجھے اسلام آباد بھیجا گیا اور آخر کار میرا تبادلہ کراچی ہو گیا۔اور یہ سب کچھ اسی طرح ہوا جس طرح کہ حضرت مولانا بقاپوری صاحب کو دکھایا گیا تھا۔ظاہر ہے کہ جو شہر پہاڑیوں والا دکھایا گیا تھا وہ اسلام آباد تھا (غالباً یہ ۱۹۵۹ء کی بات تھی) لیکن اس وقت تک اسلام آباد معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت کے حساب سے یہ بات کسی طرح سے بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور میں حیران تھا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

اس نئے شہر کا سب سے پہلے حضرت مولانا بقاپوری صاحب نے ذکر کیا تھا۔لیکن جب کئی سال کے بعد مجھے بطور ڈپٹی سیکرٹری (انڈسٹریز) اسلام آباد تعینات کیا گیا تو مجھے جذباتی طور پر اس بات کا احساس ہوا کہ وہ چکر چلا ہوا ہے اور میری کراچی میں بطور کلکٹر کسٹمز تعیناتی بھی ایک عجیب طریق پر ہوئی۔ان تعیناتیوں کے سلسلے کی جس طرح اطلاع دی گئی تھی پورا ہو چکا تھا۔اور خدائے قادر مطلق کے سوا کون پہلے ہی ان سب تبدیلیوں کا انکشاف کر سکتا تھا ۔اور کسے ان سب کا پہلے ہی سے علم ہو سکتا تھا؟

۲۔ ایک دفعہ شاید ۵۸۔۱۹۵۷ء کی بات ہے کہ میری بیوی کی ایک آنٹی انہیں ملنے کے لیے شام کے وقت لاہور آئیں۔وہ بہت اچھے موڈ میں تھیں۔ان کی خوش قسمتی سے حضرت مولانا بقاپوری صاحب بھی اس وقت لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور ہمارے پاس ہی ایک یا دو دن کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ہم سب اسوقت ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔جب میری بیوی کی آنٹی تشریف لائیں میں نے حضرت مولانا بقاپوری صاحب سے ان کی بہتری کے لیے دعا کی درخواست کی تا کہ وہ بھی حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی موجودگی کی برکت سے حصہ پا سکیں ۔آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ۔اور جب انہوں نے چند منٹ کے بعد دعا ختم کی تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور ان کا چہرہ سنجیدہ تھا۔انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ تو بتایا ہی نہ تھا کہ ان کا دل غم اور تکلیف سے بھرا ہوا ہے۔انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آنٹی کی حالت سے مطلع کیا ہے اور مولانا کو بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنٹی کی مشکلات کو دور کر دے گا۔ہماری اس آنٹی کی دو دفعہ شادی ہو چکی تھی لیکن پہلی دفعہ رخصتی ہی نہیں ہوئی تھی اور دوسری دفعہ اب ان کی رخصتی میں بہت زیادہ تاخیر ہو رہی تھی اور ممکن تھا کہ یہ شادی بھی ناکام ہو جائے اور یہی وجہ اس کے شدید غم اور دکھ کی تھی ۔جس کا علم میری بیوی کو تھا۔اس دعا کہ کچھ عرصہ بعد ہی اس کی شادی ایک اچھے خاندان کہ فرد سے ہو گئی جس نے آج تک اس کی خدمت بہت اچھی طرح کی ہے۔اسی طرح سے اس بزرگ ہستی نے ایک پوشیدہ امر کو ظاہر کر دیا۔یعنی اس کے شدید غم کو۔اور ان کی دعا کے نتیجہ میں اس کی شادی جلد ہی بخیر و عافیت ہو گئی۔

۳۔ میرے کیریئر کے دوران حکومت کی طرف سے ایک نیا شعبہ قائم کیا گیا جس کا نام اکنامک پُول رکھا گیا ۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں یہ سب سے زیادہ پُر وقار شعبہ تھا۔میں نے اس میں شامل ہونے کے لیے دو دفعہ درخواست دی۔(اس کا انتخاب ہر سال کیا جاتا تھا لیکن کبھی زیادہ وقت کے بعد بھی کیا جاتا تھا)۔ میں دو دفعہ انٹرویو میں شامل ہوا لیکن دونوں دفعہ منتخب نہ ہو سکا۔میں نے حضرت مولانا بقاپوری صاحب سے کامیابی کے لیے دعا

کی درخواست کی۔ ہم دونوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ نہایت انکساری اور جوش وخروش اور کامل یقین کے ساتھ مانگنے والوں کی طرح دعا کر رہے تھے۔ دعا کے خاتمہ پر انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی زبان میں میری کامیابی کی اطلاع دی ہے۔ لیکن اس میں سے میں صرف لفظ بشارت کو ہی سمجھ سکا ۔

کچھ مہینوں کے بعد میں اس انتخاب کے لیے ایک بہت بڑے لیول کے گورنمنٹ انٹرویو بورڈ کے سامنے تیسری دفعہ پیش ہوا۔ تھوڑی دیر بعد اس بورڈ کے چیئرمین نے زراعت اور انڈسٹری کے متعلق مجھ سے ایک بہت مشکل اقتصادی سوال پوچھا۔ میرا پتہ کٹ چکا تھا۔ کیونکہ بلا تکلف میں اقرار کرتا ہوں کہ میں تو اس سوال کو ہی صحیح طور پر نہ سمجھ سکا تھا۔ لیکن میں نے ہمت کر کے اس کا جواب دیا۔ جو کہ میں جانتا تھا کہ سوال سے بہت ہٹ کر ہے اور یہ صرف اندھیرے میں چھلانگ لگانے والی بات تھی۔ میں اب خیال کر رہا تھا کہ میرا انٹرویو ختم کر دیا جائے گا اور میرا کیس مسترد کر دیا جائے گا۔

لیکن حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے طفیل اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی دعاؤں کی منظوری کی وجہ سے میرا کیس میرے خیال کے برعکس مختلف رنگ میں سمجھا گیا۔ میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ چیئرمین صاحب میرے جواب سے بہت متاثر ہوئے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اس مضمون کا سب سے تازہ ترین امریکن تھیوری کی بات کر رہا ہوں۔ لیکن میں جھوٹ تو نہیں بول سکتا تھا اس لیے میں صرف مسکرا کر چپ رہا۔ جس کا مطلب کچھ بھی لیا جا سکتا تھا۔ اس پر میرا انٹرویو ختم کر دیا گیا۔ اور مجھے بہت اچھے نمبر ملے۔ اور آخر کار مجھے اس پول سروس کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ میں کبھی بھی اکنامکس کا طالب علم نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ نے محض اس بزرگ ہستی کی دعاؤں کے نتیجہ میں اتنی بڑی کامیابی عطا کی۔

۴۔ ایک دفعہ جب میری تعیناتی ڈھاکہ میں تھی اور میں نے وہاں ابھی دو سال ہی مکمل کئے تھے (جب کہ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عرصہ تین سال کا تھا) میری والدہ سخت بیمار ہو گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکیں گی۔ میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ میں ان کی خدمت کے لیے ان کے پاس جا کر رہوں۔ اس وقت ایسا اتفاق ہوا کے میرے سب سے بڑے افسر یعنی آڈیٹر جنرل آف پاکستان ڈھاکہ کے دورے پر آئے۔ میں نے ان کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا اور درخواست کی کہ میرا تبادلہ کر دیا جائے۔ انہوں نے میری درخواست حکومت کے قوانین کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے رد کر دی۔ کیونکہ حکومت کے قوانین اور ضابطوں کی رو سے مشرقی پاکستان میں قیام کی مدت کم از کم تین سال تھی (یہ ۱۹۶۲ء کی بات ہے)۔ مجھے اس بات سے سخت پریشانی ہوئی اور

میرے ذہن نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا سوچا۔ میں نے حضرت مولانا بقاپوری صاحب کو اپنے مسئلے کے متعلق لکھا۔ اوران سے درخواست کی کہ دعا کریں۔ آٹھ یادس دن کے بعد مجھے ان کی طرف سے ایک پوسٹ کارڈ ملا ۔جس میں لکھا تھا کہ انہوں نے میرے لیے دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اطلاع دی ہے کہ میرا تبادلہ ہو جائے گا ۔اس کے بعد جلدی جلدی خلاف توقع تبدیلیاں پیدا ہوئیں ۔وہ آڈیٹر جنرل تبدیل ہو گئے ۔ایک نئی کارپوریشن معرض وجود میں آ گئی ۔جس کا نام ویسٹ پاکستان ایگری کلچرل ڈویلپمنٹ کارپوریشن تھا۔اس کارپوریشن کے فائینسں ممبر (جو کہ ہمارے خاندان میں معروف تھے) نے میری تلاش شروع کی تا کہ مجھے لاہور میں اپنی کارپوریشن میں کام پر لگا سکیں۔ انہوں نے نئے آڈیٹر جنرل سے درخواست کی جو کہ ان کے دوست تھے۔ کہ وہ میری تبدیلی لاہور کروادیں ۔میرے نئے سب سے بڑے آفیسر نے اس پر صاد کیا اور بطور سپیشل کیس میرے متعلق حکومت سے حکومت کے قوانین میں نرمی حاصل کر کے مجھے لاہور متعین کر دیا۔اور یہ سب کچھ حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے طفیل دو مہینے کے اندر ہو گیا۔الحمدللہ اور اس طرح میں اپنی بیمار والدہ کی خدمت کرنے کے قابل ہو سکا۔

مکرم مرزا مقصود احمد صاحب

سابق امیر جماعت احمدیہ پشاور

حضرت مسیح موعودؑ کی طرح ان کے صحابہ بھی عظیم شان رکھتے تھے۔ان صحابہ کے اوصاف اور روحانی صلاحتیں بھی عظیم تھیں جو کہ بڑے بڑے نشانات دکھاتے رہے۔اوران کے ذریعہ سے روحانیت کی روشنیاں پھیلتی رہیں۔اس وقت جس بزرگ صحابی کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری ہیں۔ میں نے اپنا بچپن اکثر ان جیسے عظیم المرتبت ہستیوں کے ساتھ گذارا ہے۔میرے والد مرحوم مرزا غلام رسول صاحب بھی حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری بڑے ہی دعا گو انسان تھے۔ان کو اللہ تعالےٰ نے قبولیت دعا کا خاص شرف عطا کیا تھا۔ میں نے بڑے غور سے انکو دعا کرتے ہوئے مشاہدہ کیا ہے۔وہ بہت غور سے بات سنتے اور

پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ۔اور ایسے انہماک اور تضرع سے دعا کرتے کہ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ۔میں پشاور کا رہنے والا ہوں ۔ربوہ میں جلسہ سالانہ میں شرکت کرنے کہ لیے باقاعدہ جاتا تھا۔ میں نے پشاور میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر مغل پورہ کالج آف انجینیئرنگ سے سول انجینیئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور پشاور میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔اور صوبہ سرحد کے پی ڈبلیوڈی میں ایس ڈی او ہوگیا۔جب ترقی کا وقت آیا تو بہت سے غیر احمدی افسروں کو مجھ پر سبقت دی گئی جس کا مجھے بہت دکھ ہوا۔چونکہ بچپن ہی سے دعا کی قبولیت اور طاقت پر یقین تھا اپنی کم مائیگی کو دیکھ کر میں نے پاک دعا گو بزرگ ہستیوں کی تلاش شروع کردی۔حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری ان دنوں ربوہ میں صدر انجمن احمدیہ کے کواٹروں میں رہائش پذیر تھے۔چنانچہ میں ایک دن ان کہ گھر ربوہ میں جا پہنچا۔اس وقت آپ بہت ضعیف ہو چکے تھے اور عمر میں اسی سال سے تجاوز فرما چکے تھے۔کمرہ بہت صاف ستھرا تھا۔کمرے میں چارپائی تھی جس پر آپ لیٹے ہوئے تھے۔چارپائی کے پاس ایک کرسی تھی جس پر مجھے بٹھا گیا۔سلام کے بعد میں نے اپنا تعارف کرایا آپ لیٹے ہوئے تھے تعارف پر آپ اٹھنے کی کوشش میں بیٹھ گئے اور پھر کھڑے ہونے کے لیے زور لگانے لگے۔میں نے بہت تکرار سے عرض کی آپ بہت کمزور ہیں اٹھنے کی تکلیف نہ کریں۔لیکن آپ کوشش کر کے آہستہ آہستہ کھڑے ہو گئے اور مجھ سے بغلگیر ہوئے۔اور پھر چارپائی پر بیٹھ گئے میں نے انکو اپنی سرگذشت سنائی۔وہ میرے ساتھ بڑی ہی ہمدردی سے پیش آئے پھر چائے سے میری تواضع کی۔سب سے زیادہ جس سے میں متاثر ہوا وہ انکی سادگی اور اعلیٰ اخلاق تھے۔ان سے گفتگو کے نتیجہ میں مجھے بہت تسلی ہوئی اور اس طرح بعد میں بھی ان سے ملنے کے مواقع میسر آتے رہے۔جب ان کے بیٹے میجر محمد اسحاق بقاپوری کی تعیناتی پشاور میں ہوئی اور حضرت مولانا بقاپوری صاحب اپنے بیٹے کے پاس پشاور میں قیام پذیر ہوئے تو ہم زیادہ نزدیک ہو گئے۔اور ہمارے تعلقات زیادہ گہرے ہو گئے۔پشاور میں کچھ عرصہ گذارنے کے بعد حضرت مولانا واپس ربوہ تشریف لے گئے۔اس دوران میں میرے محکمہ کے بالا افسران میرے بہت زیادہ خلاف ہو گئے اور مجھے ملازمت سے نکالنے کے درپے ہو گئے۔میرے محکمہ کے دو بڑے سینیئر افسر تو ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے۔ان کا اثر رسوخ بھی بہت زیادہ تھا۔جوں جوں وقت گذرتا گیا ان افسروں کی مخالفت بڑھتی گئی۔چنانچہ میں نے حضرت مولانا بقاپوری صاحب کو ایک خط کے ذریعہ تمام حالات لکھ کر خاص دعا کی درخواست کی۔کچھ عرصہ بعد انکا جواب موصول ہوا۔ان دنوں محکمہ ڈاک میں لفافوں اور پوسٹ کارڈوں کا رواج تھا۔حضرت مولانا کا جواب پوسٹ کارڈ کے ذریعہ موصول ہوا۔وہ کارڈ میں نے اب تک اپنے پاس محفوظ رکھا ہوا ہے۔جو کہ دعا کی قبولیت کے نشان کا ثبوت ہے۔اس پوسٹ کارڈ کے ذریعہ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ ان دونوں مخالف افسروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایک افسر وقت سے

پہلے ریٹائرڈ ہوجائے گا اور دوسرے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی جڑ کاٹ دی جائیگی۔ یعنی وہ فوت ہوجائیگا۔ یہ جواب بڑا ہی عجیب وغریب اور حیران کن تھا۔ چنانچہ وہ افسر جس نے فوت ہونا تھا وہ پشاور کے نزدیک ایک گاؤں تہکال بالا کا رہنے والا تھا اور پشاور یونیورسٹی ٹاؤن میں سب سے بڑے بنگلہ کا مالک تھا۔ ان دنوں وہ بنوں میں ایس ای پی ڈبلیو تھا۔ ۱۹۶۲ء میں جب ملکہ برطانیہ پاکستان خیرسگالی کے دورے پر پشاور بھی آئیں تو میں پشاور میں تھا۔ تو وہ افسر بھی بنوں سے پشاور آیا۔ رات کو وہ پشاور آفیسرز کلب میں سویا اور سوتے میں دل کا دورہ پڑا اور فوت ہوگیا۔ چنانچہ حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی پیشگوئی کا ایک حصہ پوری شان وشوکت سے پورا ہوگیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور بندوں کی دادرسی کرتا ہے اور اپنے نیک بندوں کے ذریعہ دنیا پر اپنی پیش گوئیاں ظاہر کرتا ہے۔ اس زمانہ میں یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود کے طفیل ہے۔

اب میں حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی پیش گوئی کے دوسرے حصہ کی طرف آتا ہوں۔ دوسرا افسر جس نے ریٹائر ہونا تھا۔ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس زمانے میں ۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزوں کی حکومت کے دوران وہ انگلینڈ میں انجینیر نگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے ہمارے محکمہ میں بھرتی ہوگیا اور ترقی کرتے کرتے صوبہ سرحد کا بلند ترین افسر یعنی چیف انجینیر بن گیا۔ وہ میرا بدترین دشمن تھا اور جب بھی اسے موقعہ ملتا وہ مجھے نقصان پہنچانے میں کمی نہ کرتا۔ ریٹائر تو ہر سرکاری کارکن نے اپنے وقت میں ہونا ہوتا ہے۔ لیکن اس افسر کی ریٹائرمنٹ میں اللہ تعالیٰ کا ایک خاص نشان ظاہر ہوا کہ جب اسکی عمر اٹھاون (۵۸) برس تھی تو اسکے ریٹائرمنٹ کے احکامات جاری ہوگئے۔ اس نے بہت شور مچایا اور واویلا کیا کہ ساٹھ سال کی عمر میں ریٹائرمنٹ ہوتی ہے اور ساٹھ سال ہونے میں ابھی دوسال باقی ہیں۔ لیکن گورنمنٹ کی طرف سے جواب آیا کہ جب تم نوکری میں آئے تھے تو اس وقت جو قانون تھا وہ ۵۸ سال کی عمر میں ریٹائرمنٹ کا تھا۔ ساٹھ سال کی عمر میں ریٹائرمنٹ کا قانون بعد میں آنے والوں کے لیے ہے تمہارے لیے نہیں۔ اسطرح وہ افسر ۵۸ کی عمر میں ریٹائر کردیا گیا۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے ذریعہ پیش گوئی کا پورا ہونا ایک نشان ہے جو کہ اپنی آن بان سے پورا ہوا۔ حضرت مولانا کی عمر اس وقت اسی سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ اور ان کو میرے محکمے کے متعلق کوئی معلومات نہ تھیں۔ بس خدا سے انہوں نے التجا کی اور آئندہ کی خبر دی۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کو کس آن بان سے قبول فرماتا ہے۔

ایک اور واقعہ جو حضرت مولانا بقاپوری صاحب نے خود سنایا وہ پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے سنایا کہ ایک دفعہ وہ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے اور اپنی ایک چھوٹی سی گٹھڑی اپنے پہلو میں رکھی ہوئی تھی۔ ایک سٹیشن پر ایک

مسافر جو غالباً مسلمان تھا اس ڈبہ میں چڑھا اور جلدی میں حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی گٹھڑی پر بیٹھنے لگا تو حضرت مولانا نے اس کو ہاتھ سے پرے کر دیا۔ اسکو اس شخص نے بہت بُرا منایا اور غصہ میں کافی دیر تک گالیاں دیتا رہا ۔حضرت مولانا اس دوران چپ رہے۔ ڈبے کے مسافر بھی خاموش رہے۔ جب وہ شخص تھک کر چپ ہوا تو ایک ہندو نے اس شخص کو کہا کہ دیکھو تم نے انہیں اتنی گالیاں دی ہیں لیکن یہ بالکل خاموش رہے ہیں۔ یہ تو کوئی بھاگوان معلوم ہوتے ہیں ان سے معافی مانگو۔ حضرت مولانا نے بتایا کہ اسوقت میں بولا کہ اس گٹھڑی میں قرآن شریف رکھا ہے۔ اگر یہ انجانے میں اس پر بیٹھ جاتا تو اسکو ہی نقصان ہوتا۔ میں نے قرآن شریف کے تقدس کی وجہ سے اس کو پرے ہٹایا۔ اس پر وہ ہندو اور باقی مسافر بھی اس کو برا بھلا کہنے لگے تو وہ شخص بہت ہی شرمسار ہوا۔ یہ گالیاں سن کر خاموش رہنا اور صبر کرنا بھی حضرت مسیح موعود کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گناہگاروں کو حضرت مولانا ابراہیم صاحب جیسے نیک بندوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک اور واقعہ درج کرتا ہوں۔ ایک دفعہ پشاور میں اپنے بیٹے میجر محمد اسحاق بقاپوری کے پاس قیام کے دوران حضرت مولانا بقاپوری صاحب واپس ربوہ جا رہے تھے۔ ان دنوں چناب ایکسپریس پشاور سے براستہ ربوہ کراچی جاتی تھی۔ پشاور ریلوے اسٹیشن پر میں بھی ان کو الوداع کہنے کے لیے پہنچ گیا۔ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ گاڑی چلنے سے کچھ دیر پہلے آپ اپنے ڈبے کے دروازہ میں کھڑے ہوگئے۔ اور احباب نے دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور سب احباب دعا میں شامل ہوگئے۔ انکی دعا میں سوز و گداز اور اشک ریزی تھی ۔جب دعا ختم ہوئی تو انکی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ دعا میں لگن اور تضرع انکا خاصہ تھا۔ جو آجکل بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

ایک اور اللہ تعالیٰ کا نشان حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے ذریعہ دیکھا وہ عرض کرتا ہوں۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے کہ جب میں پی ڈبلیو ڈی میں ایکسین تھا۔ اس وقت مغربی اور مشرقی پاکستان ایک ہی ملک تھا۔ مغربی پاکستان کا چیف انجینئر خان بہادر انعام اللہ خاں آئی ایس ای (ISE) تھا۔ انگریزوں کے زمانے میں آئی سی ایس کی طرح آئی ایس ای چوٹی کی سول سروس تھی۔ انعام اللہ خاں صاحب خدا کے فضل سے مجھ پر بہت مہربان تھے۔ ان کا ہم زلف اس وقت کا چیف جسٹس انوار الحق تھا۔ وہ انوار الحق جس نے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کی سزا دی تھی۔ انعام اللہ خاں نے مجھے منتخب کر کے انگلستان میں مزید تعلیم کے لیے برٹش کونسل کے وظیفہ پر بھیجا۔ ایک سال کا کورس تھا ۔اور میں ہائی ویز میں ٹریننگ حاصل کر کے پاکستان واپس آ گیا۔ لیکن مجھے بجائے اپنے محکمہ ہائی ویز کے، محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ میں تعینات کر دیا گیا۔ جسکا میری تعلیم اور ٹریننگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مجھے اس کا بہت دکھ ہوا۔ میں

نے بہت احتجاج کیا واویلا کیا لیکن میری کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے دعا کہ لیے حضرت مولانا بقاپوری صاحب سے رجوع کیا اوران سے ملاقات کیلئے ربوہ پہنچا اور انکو اپنی سرگذشت سنائی۔ حضرت مولانا بہت معمر اور ضعیف تھے۔ اور انکو محکمانہ پیچیدگیوں کی باریکیوں کی سمجھ نہ تھی۔ انہوں نے دعا کہ بعد فرمایا کہ انشاء اللہ آپ جلد ہی واپس اپنی اصلی جگہ پر اور اپنے اصلی محکمہ میں چلے جائینگے۔ اور اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ایسی ہوگی جیسے ایک باپ اپنے بچے کو چیز دینے کیلئے مذاقاً آگے پیچھے کرتا ہے۔ ویسے ہی انداز میں دیگا۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ بعض دفعہ مومن کی زبان اللہ تعالیٰ کی زبان بن جاتی ہے۔ چنانچہ اسی طرح میری غرض جس طرح حضرت مولانا بقاپوری صاحب نے فرمایا اسی طرح بڑی شان سے پوری ہوئی۔ وہ اس طرح کہ مغربی پاکستان کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری ان دنوں مسٹر اکرام الحق Ex I.C.S تھے۔ ہندوستان کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کے زمانہ میں آئی سی ایس ہونا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے بھی اپنی بیٹیوں کہ لیے I.C.S افسروں کی کھوج میں رہتے تھے۔ اکرام الحق صاحب بھی پرانے I.C.S تھے اور ان کا عہدہ بھی بہت اونچا تھا۔ انہوں نے بطور ایڈیشنل چیف سیکرٹری ایک سرکلر شائع کیا کہ جوافسر جس مد میں مزید تعلیم بیرون ملک سے حاصل کر کے آئے اسے اسی مد میں تعینات کیا جائے تا کہ ملک کو اسکی ٹریننگ کا فائدہ ہو۔ میری ٹریننگ ہائی وے میں تھی اور تعیناتی دوسرے محکمہ ہیلتھ انجینیر نگ میں کردی گئی تھی۔ جب یہ سرکلر میری نظر سے گذرا تو میں نے سیدھا ایڈیشنل چیف سیکرٹری کو اپنا معاملہ لکھ کر بھیج دیا۔ حالانکہ ازاوئے قاعدہ مجھے بالا افسران کے ذریعہ سے درخواست کو بھیجنا چاہیے تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت ایسی ہوئی کہ میرا ایک ساتھی کسی کام کی غرض سے اکرام الحق صاحب کے پاس کھڑا تھا۔ اُس وقت ہمارے چیف انجینیر صاحب کو اکرام الحق صاحب نے بُلا بھیجا تھا۔ جب ہمارے چیف انجینئر صاحب کو اکرام الحق صاحب ایڈیشنل چیف سیکرٹری کے دفتر میں آئے تو اکرام الحق نے میری فائل غصہ کی حالت میں چیف انجینیر کی طرف پھینکی اور کہا کہ یہ کیا اندھیر نگری ہے کہ مرزا مقصود احمد تو ہائی ویز میں ٹریننگ لے کر آیا ہے اور اسکو ہیلتھ انجینیر نگ میں تعینات کیا گیا ہے۔ اور حکم دیا کہ مرزا مقصود کو چوبیں گھنٹے کے اندر محکمہ ہائی ویز میں تعینات کیا جائے۔

ان دنوں پبلک ہیلتھ انجینیر نگ کا چیف انجینیر ایک سندھی تھا اس نے مجھے کہا کہ میں آپ کو آپ کی دیانتداری کی وجہ سے اپنے محکمہ میں رکھنا چاہتا تھا لیکن آپ نے ایڈیشنل چیف سیکرٹری کو لکھ کر ایسی آگ لگائی ہے کہ اسکا اب کوئی سدباب نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا بقاپوری صاحب کی بات اسی طرح پوری ہوئی جس طرح انہوں نے ہاتھ ہلا کر کہی تھی۔

یہ چند واقعات ہیں جو میں نے رقم کیے ہیں۔حضرت مولانا بقاپوری صاحب دعا بہت تضرع اور گریہ زاری سے کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے دعا گو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

\\☆//☆\\☆//

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ایک اہم رؤیا

۸۔جنوری ۱۹۴۳ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرالعزیز نے خطبہ جمعہ میں اپنے ایک اہم رؤیا کا ذکر کیا تھا۔جو افادہ احباب کے لئے درج ذیل کیا گیا ہے۔حضور نے فرمایا:

میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں یکدم قادیان سے کسی سفر کے ارادہ سے چل پڑا ہوں۔چند آدمی میرے ساتھ ہیں مگر ایسے نہیں جو سیکرٹری وغیرہ کے طور پر کام کرتے ہیں۔بلکہ ایسے لوگ ساتھ ہیں جو عام طور پر جب کسی سفر پر جانا ہو تو ساتھ نہیں ہوتے۔میرا ارادہ کسی لمبے سفر کا معلوم ہوتا ہے۔مگر قادیان سے رخصت ہونا یاد نہیں۔بس ارادہ کیا اور ارادہ کرتے ہی چل پڑے کچھ اور ملک ہے اور جیسے راستے میں پڑاؤ کیا جاتا ہے۔اسی طرح ہم نے بھی وہاں پڑاؤ کیا ہے۔وہاں کسی کے مکان کے سامنے ایک چبوترہ سا بنا ہوا ہے۔وہ چبوترہ برابر ایک سا نہیں چلا جاتا۔بلکہ کچھ حصہ کم چوڑا ہے۔کچھ اس سے کم چوڑا ہے۔اور کچھ زیادہ چوڑا ہے عام طور پر جیسے شہروں میں لوگ بیٹھنے کے لئے چبوترے بنالیتے ہیں اسی طرح وہ بھی ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔مگر اُس کا جو اگلا حصہ ہے۔وہ چوڑا کم ہے۔اور لمبا زیادہ ہے۔مگر اس کے پیچھے جو جگہ ہے وہ اگلے حصہ سے کچھ چوڑی ہے۔اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد ابراہیم صاحب جو بقاپوری کہلاتے ہیں۔وہاں جماعت میں بطور مبلغ کے کام کرتے ہیں۔میں مولوی صاحب پر کسی قدر خفا ہوتا ہوں کہ آپ کی طبیعت میں عجیب لاابالی پن ہے کہ آپ جماعت کے دوستوں کو مجھ سے ملاتے نہیں اور میرے ساتھ ساتھ لگے ہوئے ہیں۔اس طرف آپ کو ذرا بھی توجہ نہیں کہ جماعت کے دوستوں کو مجھ سے ملائیں اور میری اُن سے واقفیت پیدا کروائیں۔انہی باتوں میں نماز کا وقت آگیا اور میں وہاں نماز کے لئے دو تین آدمیوں کو کھڑا دیکھتا ہوں۔اُس وقت میں اُن سے کہتا ہوں کہ جماعت کے امیر کہاں ہیں پریذیڈنٹ کہاں ہیں اور کیوں ایسی بے توجہی سے کام لیا گیا ہے کہ اُن کو اس بات کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا کہ وہ یہاں آئیں اور مجھ سے ملیں۔مولوی صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں وہ اس وجہ سے خفا ہیں کہ میں اویس کی اولاد میں سے ہوں اور مجھے ملاقات میں مقدم نہیں کیا گیا۔میں نے کہا وہ ٹھیک کہتے ہیں آپ کا فرض تھا کہ آپ مقامی آدمیوں کو ملاقات کا موقعہ سب سے پہلے دیتے۔آپ تو ہمیشہ ملتے ہی رہتے ہیں۔پھر میں نے انہیں کہا کہ آپ نے یہ ٹھیک نہیں کیا کہ انہیں ناراض کر دیا ہے۔آپ اُن کو بلائیں تا کہ میں اُن سے ملوں۔چنانچہ مولوی صاحب نے اُن کو بُلایا۔جب وہ آئے تو میں نے

دیکھا کہ اُن کا لباس بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے عربوں کا لباس ہوتا ہے۔ اور سانولا رنگ ہے خیر میں اُن سے بڑے تپاک سے ملا ہوں اور اُن سے باتیں کرتا ہوں۔ تا کہ اُن کی دلجوئی ہو جائے۔ اس کے بعد میری نظر تین چار اور دوستوں پر پڑی۔ اُن کا لباس بھی بالکل عربوں جیسا ہے۔ میں نے کہا مولوی صاحب مجھے ان سے بھی ملائیں ۔ چنانچہ مولوی صاحب مجھے ان کے پاس لے گئے۔ اور پھر بتانے لگے کہ یہ فلاں شہر کے ہیں۔ تین چار ہی آدمی ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک اور نظارہ دیکھا۔ درحقیقت اس لئے میں نے تفصیل بیان کی تھی۔ کہ اس چبوترہ کے پیچھے جو جگہ ہے وہ اگلے حصہ سے نسبتاً چوڑی ہے اور جہاں ہم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہیں۔ وہاں سے وہ چبوترہ خم کھا کر ایک طرف مڑتا ہے۔

جس جگہ اس کا پہلا خم ہے، وہاں سے دو تین فٹ جگہ چوڑی ہوگئی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس دو تین فٹ جگہ کے کونے میں دو ننگے آدمی جو بہت ہی موٹے تازے ہیں اور اُن کے جسم ایسے ہی ہیں جیسے پہلوانوں کے ہوتے ہیں۔ بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے لنگوٹیاں کسی ہوئی ہیں۔ اور باقی تمام جسم ننگا ہے۔ اسی طرح انہوں نے سر مونڈا ہوا ہے۔ اور تالو کی جگہ انہوں نے عجیب قسم کے کنگروں والے بال رکھے ہوئے ہیں۔ جیسے تبتی وغیرہ لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرز کے وہ معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ کنارہ کی طرف پیٹھ کر کے اور مونہہ دوسری طرف کر کے چھپے بیٹھے ہیں۔ میں مولوی صاحب سے کہتا ہوں مولوی صاحب ان سے کیوں نہیں ملاتے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ جاپانی ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ جاپانی ہی سہی مگر یہ چھپے کیوں بیٹھے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک لمبے قد کا آدمی ہے۔ اور اس کا جسم نسبتاً پتلا ہے۔ یوں تو وہ بھی موٹا ہے۔ مگر دوسرے کے مقابلہ میں پتلا معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرا بہت ہی موٹا ہے۔ اور اس کا جسم ایسا ہی ہے۔ جیسے غلام پہلوان اور اسی طرح کے دوسرے بڑے بڑے پہلوانوں کے جسم بتائے جاتے ہیں۔ غرض مولوی صاحب مجھ سے کہتے ہیں کہ یہ جاپانی ہیں اور میں اُن سے مذاقاً کہتا ہوں کہ کیا جاپانیوں سے مصافحہ کرنا منع ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اُن میں سے ایک کے سر پر اس کے بالوں والی جگہ پر ہاتھ رکھا اور اس نے بہت ہی شرماتے ہوئے اور لجاتے ہوئے جیسے کوئی بہت شرمسار ہوتا ہے۔ میری طرف اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا اور میں نے اُس سے مصافحہ کیا۔ پھر میں دوسرے جاپانی کو کہتا ہوں کہ تم بھی مصافحہ کرلو وہ بھی اسی طرح سر چھپائے بیٹھا ہے۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اُسے کہتا ہے کہ کرلو۔ چنانچہ اُس نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے اپنا ہاتھ ٹیڑھا کر کے آگے کیا۔ میں خواب میں سمجھتا ہوں کہ شاید ان کے ہاں مصافحہ کا رواج نہیں اس

لئے اسے معلوم نہیں کہ مصافحہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس پر اسکا دوسرا ساتھی اسے کہتا ہے کہ اس طرح مصافحہ نہیں کیا کرتے۔ اس طرح کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنے ہاتھ کو مروڑا اور میں نے بھی اپنے ہاتھ کو چکر دے کر اُس سے مصافحہ کیا۔ اُس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گو اُس کا منہ دوسری طرف ہے مگر وہ چوری چوری انکھیوں سے ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد میں وہاں سے نماز کے لئے آتا ہوں۔ اور میرے دل میں یہ خیال آتا ہے۔ کہ اب میں انگلستان کی طرف جانے والا ہوں چونکہ وہاں انگریزوں سے ملنا ہے اس لئے کم سے کم درد صاحب کو میں تار دے دوں کہ راستہ میں مجھے آ کر ملیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

اب خواب میں بہت مختلف ممالک کے آدمیوں کو میں نے دیکھا ہے۔ عربوں کو دیکھا ہے جاپانیوں کو دیکھا ہے اُن سے مصافحہ کیا ہے۔ اُن کے حالات معلوم کئے ہیں۔ پھر اپنے آپ کو ایک سفر پر جاتے دیکھا ہے اور آخر میں انگلستان جانے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ تمام امور تبلیغ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ممکن ہے جاپانیوں کی جو شرمندگی اور ندامت مجھے دکھائی گئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے دو مبلغ جاپان میں رہے ہیں اور دونوں کے کام کے نتیجہ میں سوائے ایک شخص کے جو مشتبہ سا تھا اور کوئی احمدی نہیں ہوا۔

گویا جاپانیوں نے مذہب کی طرف بالکل توجہ نہیں کی مگر اس رؤیا سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر اس قوم میں بھی ندامت پیدا ہوگی اور جب اُن میں تبلیغ پر زور دیا جائے گا اور انہیں اسلام اور احمدیت کی طرف کھینچا جائے گا۔ تو کچھ حصہ تو دلیری سے مصافحہ کر لیگا۔ یعنی احمدیت کو قبول کر لے گا۔ مگر کچھ حصہ اس شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے دیر لگائے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸۔ جنوری ۱۹۴۳ء۔ منقول از الفضل ۷۔ فروری ۱۹۴۳ء)

اللھم صل علی محمد و علی ال محمد
کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم
انک حمید مجید

اللھم بارک علی محمد و علی ال محمد
کما بارکت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم
انک حمید مجید